

اَوْضَحُ السَّهْلِ

لِشَرِّحِ ابْنِ عَقِيلٍ

(جلد دوم)

مُقَدِّمَةُ الشُّعْرِ • شرح ابن عقيل کا باحاورہ ترجمہ و شرح
أَشْعَارُكَابَا حَاوِرَةٌ مَرْجُومَةٌ • أشعار کی ترکیب و
أَشْعَارُكَ مَقْرَأَتٌ بِشَكْلِهَا كِتَابٌ • محل استنباط کی وضاحت
ضُرُورَتُ كِتَابِ شَرِّحِ ابْنِ عَقِيلٍ • غیر ضروری طوالت سے اجتناب

www.KitaboSunnat.com

تأليف

مفتی محمد علی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) فاروقی

مکتبہ العلوم

دکان نمبر 9 سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

03333227706

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ
وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

اَضْحُ التَّسْهِيلِ

لِشَرِّحِ ابْنِ عَقِيلٍ

حَضَّةٌ دَوْمٌ

www.KitaboSunnat.com

- اشعار کا با محاورہ ترجمہ
- اشعار کے مفرداتِ مشکوٰۃ کی تشریح
- شرح ابن عقیل کا با محاورہ ترجمہ و تشریح
- محل استتہا کی وضاحت
- ضرورت کے مطابق شانِ دُور
- غیر ضروری طوالت کا اجتناب

تأليف
مفتی علی محمد الرحمن فاروقی

فاضل و متفحص
جامعہ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن

مکتبہ العلوم بنوری ٹاؤن

0333-3227706

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب **اصح التَّسْبِيحِ** (حصہ دوم)

مؤلف مفتی **عالم علی** راجس فاروق

ناشر **مکتبہ العلوم**



- قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی
- زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی
- نور محمد کتب خانہ، آرام باغ کراچی
- مکتبہ قاسمیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- مکتبہ زکریا، بنوری ٹاؤن، کراچی
- ادارۃ الانور، بنوری ٹاؤن، کراچی
- درخواستی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی
- اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- شمع بک اینجینی، اردو بازار، لاہور

فہرست مضامین

اوضیح التسمیہ لشرع ابن عقیل (جلد دوم)

نمبر نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
۳۰	لائقی جنس کی خبر کو حذف کرنا	۱۱	۵	عرض مؤلف	۱
۳۳	ظن و اخواتھا	۱۲	۷	لائقی جنس کے عمل کی شرائط	۲
۳۶	ظن و اخواتھا اور اس کی قسمیں	۱۳	۱۲	لا کے اسم کا اعراب	۳
۳۹	افعال قلوب متصرفہ کا تعلق والغاء کے ساتھ خاص ہونا	۱۴	۱۲	شبہ مضاف کی تعریف	۴
۵۰	تعلق کی تعریف	۱۵	۱۲	شبہ مضاف کی مثالیں	۵
۵۰	الغاء کی تعریف	۱۶	۱۴	لا کے بعد جمع مؤنث سالم کا اعراب	۶
۵۳	کہاں الغاء ہوتا ہے؟	۱۷	۱۵	لائقی جنس کی خبر کے عامل میں اختلاف	۷
۵۶	وہ جگہیں جہاں تعلق ہوتی ہے	۱۸	۱۷	لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ میں پانچ وجہیں	۸
۵۸	عِلْمٌ، عَرَفَ اور ظَنُّوا كَانَتْهُمْ کے معنی میں مستعمل ہونا	۱۹	۲۶	لا پر ہمزہ استفہام کا آجانا	۹
۵۹	دایہ حلیہ کی تعریف اور مثال	۲۰	۲۸	استفہام عن الہی کی مثال	۱۰

صفحہ	مضامین	نمبر	صفحہ	مضامین	نمبر
۱۰۲	فاعل فعل کے ساتھ متصل ہوتا ہے	۳۲	۶۱	ظن کے باب میں قرینہ کے وقت دو مفعولوں کا حذف جائز ہے	۲۱
۱۰۳	مفعول فعل سے الگ ہوتا ہے	۳۳	۶۵	تقول کا تظن کی طرح عمل کرنا	۲۲
۱۰۴	فاعل کی تقدیم کہاں واجب ہے؟	۳۴	۷۱	أعلم وأرى	۲۳
۱۰۷	محصور فاعل اور مفعول کا حکم	۳۵	۷۱	وہ افعال جو تین مفعولوں کی طرف محذی ہوتے ہیں	۲۴
۱۱۲	فاعل کی ضمیر پر مشتمل مفعول کی تقدیم کا حکم	۳۶	۸۳	فاعل کی تعریف	۲۵
۱۱۹	نائب فاعل کے احکام	۳۷	۸۵	فاعل ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے	۲۶
۱۲۲	قبل، بیع کی تین وجہیں	۳۸	۸۷	فاعل ظاہر کے وقت فعل کا حکم اور اس میں اختلاف	۲۷
۱۲۷	مفعول یہ موجود نہ ہونے کی صورت میں طرف وغیرہ کو نائب فاعل بنایا جاسکتا ہے	۳۹	۹۲	قرینہ کی وجہ سے فعل کو حذف کرنا جائز ہے	۲۸
۱۳۵	اشتغال العامل عن المعمول	۴۰	۹۳	فعل کامؤنث فاعل کی طرف مست ہوتا	۲۹
۱۳۶	ما اضمر عامله علی شریطۃ التفسیر کی وضاحت	۴۱	۹۴	تاء تانیث فعل کے ساتھ کہاں لازم ہوتی ہے؟	۳۰
۱۴۰	ما اضمر عامله کے مسائل کی پانچ قسموں کا ذکر	۴۲	۱۰۰	جب فاعل جمع واقع ہو	۳۱

نمبر	مضامین	نمبر	صفحہ	مضامین	نمبر
۱۸۵	جہاں مصدر کے عامل کو حذف کرنا ضروری ہے	۵۵	۱۵۱	فعل لازمی اور متعدی کی تعریف اور ان کی علامتیں	۴۳
۱۹۰	مؤ کد لفظہ ومؤ کد لفظہ کی تعریف	۵۶	۱۵۷	کبھی فعل لازمی بغیر واسطہ حرف جر متعدی ہوتا ہے	۴۴
۱۹۳	مفعول لہ کی تعریف اور اس کے نصب کی شرطیں	۵۷	۱۶۰	جو معنی فاعل ہوتا ہے وہ مقدم ہوتا ہے	۴۵
۲۰۰	ظرف مفعول فیہ کی تعریف	۵۸	۱۶۲	فضلہ کا حذف جائز ہے	۴۶
۲۰۱	ظرف کا عامل	۵۹	۱۶۵	تازع کی بحث	۴۷
۲۱۲	مفعول معہ کی تعریف	۶۰	۱۶۵	تازع میں اختلاف کی پوری تفصیل	۴۸
۲۱۵	مفعول معہ کے واو کا ما قبل پر عطف	۶۱	۱۷۶	مفعول مطلق کی تعریف	۴۹
۲۱۸	مشقی باعتبار وجود اعراب	۶۲	۱۷۸	مصدر اصل ہے یا فعل	۵۰
۲۲۵	الا کا تاکید کیلئے مکرر آنا	۶۳	۱۷۹	مفعول مطلق کی تین حالتیں	۵۱
۲۳۱	استثناء پر دلالت کرنے والے الفاظ	۶۳	۱۸۰	مفعول مطلق سے نائب ہونے والی چیزیں	۵۲
۲۳۷	لئیس، خلا، عدا، لایکون، کے بعد مشقی کا حکم	۶۵	۱۸۱	مصدر مؤ کد صرف مفرد ہوگا	۵۲
۲۴۰	خلا، عدا سے پہلے ما آ جائے تو اس کا حکم	۶۶	۱۸۳	مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا	۵۳

نمبر	مضامین	صفحہ	نمبر	مضامین	نمبر
۲۶۶	مضاف الیہ سے حال کا واقع ہونا	۷۵	۲۳۲	حاشا کا استعمال	۶۷
۲۶۸	حال کو اس کے عامل پر مقدم کرنا	۷۶	۲۳۶	حال کی تعریف	۶۸
۲۷۳	حال کی دو اور قسمیں	۷۷	۲۳۷	حال کی قسمیں	۶۹
۲۷۶	حال میں اصل مفرد ہونا ہے	۷۸	۲۳۹	حال کبھی جامد بھی آتا ہے	۷۰
۲۷۷	جملہ حالیہ میں واو کا آنا	۷۹	۲۵۱	اکثر حال نکرہ ہوتا ہے	۷۱
۲۸۲	تمییز کی تعریف اور اس کی قسمیں	۸۰	۲۵۶	ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے	۷۲
۲۸۳	بعض جگہ تمییز کو مجرد پڑھنا جائز ہے	۸۱	۲۵۶	وہ جگہیں جہاں ذوالحال نکرہ ہوتا ہے	۷۳
۲۸۸	تمییز کو اس کے عامل پر مقدم کرنا	۸۲	۲۶۳	حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا	۷۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض مؤلف

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه

اجمعين اقباعد۔

بندہ رب ذوالجلال کا بڑا شکر گزار ہے کہ اس کے فضل و کرم سے ”اوضح التسهیل لشرح ابن عقیل“ کی پہلی جلد منظر عام پر آ کر حلقہ احباب و طلبہ میں مقبول و مشہور ہوئی اور مختلف حضرات نے ناچیز کی اس ادنیٰ کوشش کو سراہا۔

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے

جو کچھ ہوگا، ہوگا کرم سے ہوگا

چونکہ پہلی جلد صرف سہ ماہی اور شش ماہی امتحان کے نصاب پر مشتمل تھی اس وجہ سے شدت سے جلد ثانی کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی تاکہ مکمل نصاب کی پوری شرح تیار ہو سکے، اس لئے بندہ نے دوران تدریس اور خصوصاً سالانہ چھیٹیوں میں اپنی بس کے مطابق اس کی تکمیل کر دی۔ **فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ۔**

رب کریم سے دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سعی کو مقبول و منظور فرما کر میرے، میرے والدین، تمام اساتذہ کرام، اقرباء و احباب سب کیلئے ذریعہ مغفرت و سامان نجات بنا دے۔ **وَمَا ذَلِكْ عَلَيَّ اِلَّا بَعْزِيز۔**

کتبہ

علی الرحمن فاروقی۔

مدرس: مدرسہ ارشاد العلوم یوسفیہ کھتری مسجد جو ناما رکیٹ کراچی۔

۲۰ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا الَّتِي لِنَفِي الْجِنْسِ

عَمَلٌ إِنْ أَجْعَلَ لِأَلْفِي نِكْرَةً

مُفْرَدَةً جَاءَتْكَ أَوْ مُكْرَرَةً

ترجمہ:..... إن کا عمل آپ لا کیلئے کر دیں چاہے کمرہ مفردہ آجائے یا کمرہ۔

(ش) ہذا هو القسم الثالث من الحروف الناسخة للابتداء، وهي ((لا)) التي لنفي الجنس، والمراد بها ((لا)) التي قصد بها التنصيص على استغراق النفي للجنس كله.

وإنما قلت ((التنصيص)) احترازاً عن التي يقع الاسم بعدها مرفوعاً، نحو: ((لا رجل قائماً))؛ فإنها ليست نافية لجنس الجنس؛ إذ يحتمل نفي الواحد ونفي الجنس، فبتقدير إرادة نفي الجنس لا يجوز ((لا رجل قائماً بل رجلاً)) وبتقدير إرادة نفي الواحد لا يجوز ((لا رجل قائماً بل رجلاً)) وأما ((لا)) هذه فهي لنفي الجنس ليس إلا؛ فلا يجوز ((لا رجل قائم بل رجلاً))

وهي تعمل عمل ((إن))؛ فتصب المبتدأ اسمالها، وترفع الخبر خبرالها، ولا فرق في هذا العمل بين المفردة—وهي التي لم تتكرر—نحو: ((لا غلام رجل قائم)) وبين المكررة، نحو: ((لا حول ولا قوة إلا بالله)) ولا يكون اسمها وخبرها إلا النكرة؛ فلا تعمل في المعرفة، وما ورد من ذلك مؤول بنكرة، كقولهم: ((قضية ولا بأحسن لها)) فالتقدير: ولا مسمى بهذا الاسم لها ويذل على أنه مُعامل مُعاملة النكرة وصفه بالنكرة كقولك ((لا بأحسن حالاً لها))، ولا يفصل بينها وبين اسمها؛ فإن فصل بينهما أُلغيت، كقوله تعالى: ﴿لَا لَهَا غَوْلٌ﴾

ترجمہ و تشریح:

اس سے پہلے حروف ناسخہ لابتداء کی دو قسمیں تفصیل سے گزر گئیں اب یہاں ان کی تیسری قسم بتا رہے ہیں جو کہ

لائی نفي جنس ہے۔

والمرااد بها الخ:

لانفی جنس کے عمل کی شرائط

شارح رحمۃ اللہ علیہ یہاں لا کی تعیین فرما رہے ہیں کہ یہاں مطلق لا مراد نہیں ہے بلکہ وہ لا مراد ہے جس سے مقصود پوری جنس کی نفی ہو اور جنس کی اس نفی میں وہ بالکل صریح ہو۔ درحقیقت یہاں شارح لانفی جنس کی تین شرطیں بتا رہے ہیں۔

(۱)..... پہلی شرط یہ ہے کہ لا نافیہ ہو۔

(۲)..... دوسری شرط یہ ہے کہ منفی جنس ہو۔

(۳)..... تیسری شرط یہ ہے کہ نفی بھی صراحت سے ہو۔

لہذا اگر لا نافیہ نہ ہو تو مذکورہ عمل نہیں کرے گا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ ”لَا تَخْزَنُ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا“ یہاں لا نافیہ نہیں بلکہ تائبہ ہے اس لئے اس نے لانفی جنس والا عمل نہیں کیا۔

اسی طرح اگر نافیہ ہو لیکن جنس کی نفی کیلئے نہیں تب بھی یہ مذکورہ عمل نہیں کرے گا۔ (یعنی اِنَّ والا عمل نہیں کرے گا) بلکہ وہ کُیْس کی طرح عمل کرے گا۔ اسی طرح اگر وہ جنس کی نفی کیلئے ہو لیکن جنس کی نفی میں صریح نہ ہو تو پھر بھی اس میں اِنَّ کا عمل نہیں ہوگا۔ شارح رحمۃ اللہ نے:

”والمرااد بها ”لا“ الّتی قُصِدَ بها التّنصیص علی استغراق النفی للجنس کلّہ“

کے ذریعہ ان آخری دو شرطوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وانما قلت التّنصیص الخ:

شارح فرما رہے ہیں کہ میں نے تّنصیص کا لفظ (جس کا مطلب یہ ہے کہ لانفی جنس میں صریح ہو) اس لئے استعمال کیا تاکہ احتراز ہو جائے اس لا سے جو نفی جنس کیلئے بھی آتا ہو اور واحد کی نفی کیلئے بھی آتا ہو۔ جیسے ”لَا رَجُلٌ قَائِمًا“

اب یہاں واحد کی نفی بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ایک آدمی کھڑا نہیں اور دو کھڑے ہیں اور جنس آدمی کی نفی بھی مراد ہو سکتی ہے کہ کوئی آدمی کھڑا نہیں جب جنس کی نفی مراد ہو تو پھر ”لَا رَجُلٌ قَائِمًا بَلْ رَجُلَانِ“ نہیں کہہ سکتے اور واحد کی نفی کی

صورت میں کہہ سکتے ہیں، الغرض یہاں اس مثال میں چونکہ لائقی جنس میں صریح نہیں اس وجہ سے وہ ”ان“ کی طرح عمل نہیں کر رہا ہے۔

شارح کے قول: ”واما لاهذه فهی لنفی الجنس لیس الا“ کا بھی یہی مطلب ہے کہ یہ جولا ان کی طرح عمل کرتا ہے یہ صرف اور صرف جنس کی نفی کیلئے آتا ہے اور بس لیس الا سے مقصود تاکید ہے جیسا کہ شرح جامی ص ۶۹ میں ہے۔

یہ ان کی طرح عمل کرتا ہے مبتدا کو اسم بنا کر نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع دیتا ہے اس عمل کرنے میں مکرر اور غیر مکرر لا دونوں برابر ہیں غیر مکرر کی مثال لا غلام رَجُلٍ قائم اور مکرر کی مثال: لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔

ولا یكون اسمها الخ :

شارح نے اس سے پہلے ضمناً لائقی جنس کے عمل کرنے کیلئے تین شرائط ذکر کی ہیں۔ یہاں چوتھی شرط بیان کر رہے ہیں کہ اس کا اسم اور خبر دونوں نکرہ ہونگے اس لئے کہ لاصفت نکرہ کی نفی کیلئے وضع کیا گیا ہے لہذا اس کا اثر معرفہ میں ممتنع ہے اس صورت میں اس کا عمل لغو ہوگا اس پر شارح نے ایک اعتراض نقل کیا ہے کہ.....

”قَضِيَّةٌ وَلَا اَبَا حَسَنِ لَهَا“ (یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کا ایک حصہ ہے جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کہا تھا کہ یہ ایک فیصلہ ہے اور اس کیلئے کوئی ابو حسن (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نہیں جو اس کو حل کر سکے، پھر اس کے بعد یہ ہر مشکل مرحلہ میں کہا جانے لگا) میں ”لا“ نے معرفہ میں عمل کیا ہے اس کا جواب شارح نے دینے کی کوشش کی ہے کہ یہاں ابا حسن سے خاص آدمی مراد نہیں ہے بلکہ ایک عام ابو حسن مراد ہے ای ولا مُسْتَمٰی بَهَذَا اِلَّا اِسْمٌ لَهَا (اس نام کا کوئی آدمی نہیں) اور چونکہ اس کی صفت نکرہ آتی ہے اس لئے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ معبود آدمی یہاں مراد نہیں چنانچہ کہا جاتا ہے لَا اَبَا حَسَنِ حَلَّالًا لَهَا الخ

لیکن شارح کی تاویل صحیح نہیں اس لئے کہ ابو حسن کے نام سے لوگ تو بہت موجود ہیں لہذا یہی نفی صحیح نہیں۔ لہذا اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ یہاں ابا حسن سے مراد اسم جنس ہے یعنی فیصلہ کرنے والا جو اس علم کا مشہور وصف ہے۔ ای لَا فِیْصَلُ لَهَا جس طرح کہا جاتا ہے لِكُلِّ فِرْعَوْنَ مُؤَسِّیْ اِی لِكُلِّ مُبْطَلٍ مُّحِقِّ۔

لا یفصل بینہا و بین اسمہا الخ:.....

لافی جنس کے عمل کیلئے پانچویں شرط یہ ہے کہ اس کے اور اس کے اسم کے درمیان فاصلہ نہ ہو اگر فاصلہ ہوگا تو یہ عمل نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ لا عامل ضعیف ہے اور فاصلہ کی صورت میں قوی عامل عمل کر سکتا ہے نہ کہ ضعیف جیسے باری تعالیٰ کا قول ”لَا يَهَيَّا غَوْلٌ“

فَانصَبَ بِهَا مُضَافًا، او مُضَارِعًا
وَبَعْدَ ذَاكَ الْخَبْرَ اذْكَرَ رَافِعًا
وَرَكِبَ الْمَفْرُودَ فَاتَّخَذَ: كَلًّا
حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، وَالثَّانِي
مَرْفُوعًا او مَنْصُوبًا او مُرَكَّبًا
وَإِنْ رَفَعْتَ اَوَّلًا لَا تَنْصِبُهَا

ترجمہ:..... پس آپ اس لا کے ذریعہ سے نصب دیں مضاف یا شبہ مضاف کو، اور اس کے بعد آپ خبر کو ذکر کر دیں اس حال میں کہ آپ اس کو رفع دینے والے ہوں اور مفرد کو آپ مثنیٰ برفتحہ کریں جیسے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، اور دوسرے (یعنی تکرار لاکہ صورت میں دوسرے اسم) کو آپ مرفوع بنا دیں یا منصوب یا مثنیٰ برفتحہ اور اگر آپ نے پہلے اسم کو (تکرار لاکہ صورت میں) رفع دیا ہو تو دوسرے (اسم) کو نصب نہ دیں۔

(ش) لا یخلو اسم ((لا)) [ہذہ] من ثلاثة أحوال؛ الحال الأول: أن یکون مضافاً نحو: ((لا غلام رجل حاضر))۔ الحال الثانی: أن یکون مضارِعاً للمضاف ای مشابہاً له، والمراد به: کل اسم له تعلق بما بعده: إما بعمل، نحو: ((لا طالعا جبلا ظاهراً، ولا خیراً من زیدراکب))، وإما بعطف نحو: ((لا ثلاثة وثلاثین عندنا)) ویسمى المشبه بالمضاف: مطولا، وممطولا، ای: ممدوداً وحکم المضاف والمشبہ به النصب لفظاً، كما مثل، والحال الثالث: أن یکون مفرداً، والمراد به: هنا - مایس بمضاف، ولا مشبه بالمضاف فیدخل فیہ المثنی والمجموع وحکمہ البناء علی ما کان ینصب به؛ لتركبه مع ((لا)) وصیورته معها کالشیء الواحد؛ فهو معها کخمسة عشر، ولكن محله النصب بلا؛

لأنه اسم لها؛ فالمفرد الذي ليس بمثنى ولا مجموع يبنى على الفتح؛ لأن نصبه بالفتحة نحو: ((لا حول ولا قوة إلا بالله)) والمثنى وجمع المذكر السالم يبيان على ما كانا ينصبان به - وهو الياء - نحو: ((لا مسلمين لك، ولا مسلمين)) فمسلمين ومسلمين مبيان؛ لتركيبهما مع ((لا)) كما بنى ((رجل)) [لتركيبه] معها.

وذهب الكوفيون والزجاج إلى أن ((رجل)) في قولك: ((لا رجل)) معرب، وأن فتحة فتحة إعراب، لا فتحة بناء، وذهب المبرد إلى أن ((مسلمين)) و((مسلمين)) معربان. وأما جمع المؤنث السالم فقال قوم: مبنى على ما كان ينصب به - وهو الكسر - فتقول: ((لا مسلمات لك)) بكسر التاء، ومنه قوله:

١٠٩ - إِنَّ الشَّبَابَ الَّذِي مَجَّدَ عَوَاقِبَهُ

فِيهِ نَلْدٌ وَلَا ذَاتَ لِشَيْبٍ

وأجاز بعضهم الفتح، نحو: ((لا مسلمات لك))

وقول المصنف: ((وبعد ذاك الخبر اذكر الرفع)) معناه أنه يذكر الخبر بعد اسم ((لا)) مرفوعاً، والرفع له ((لا)) عند المصنف وجماعة [وعند سيبويه الرفع له لا] إن كان اسمها مضافاً أو مشبهاً بالمضاف، وإن كان الاسم مفرداً اختلف في رفع الخبر؛ فذهب سيبويه إلى أنه ليس مرفوعاً ب((لا)) وإنما هو مرفوع على أنه خبر المبتدأ، لأن مذهبه أن ((لا)) واسمها المفرد في موضع رفع بالابتداء، والاسم المرفوع بعدهما خبر عن ذلك المبتدأ، ولم تعمل ((لا)) عنده في هذه الصورة إلا في الاسم، وذهب الأخفش إلى أن الخبر مرفوع ب((لا)) فتكون ((لا)) عاملة في الجزأين كما عملت فيهما مع المضاف والمشبّه به.

وأشار بقوله: ((والثاني اجعلاً)) إلى أنه إذا أتى بعد ((لا)) والاسم الواقع بعدها باعطف ونكرة مفردة وتكررت ((لا)) نحو: ((لا حول ولا قوة إلا بالله)) يجوز فيهما خمسة أوجه، وذلك لأن المعطوف عليه: إما أن يبنى مع ((لا)) على الفتح، أو ينصب، أو يرفع.

فإن بنى معها على الفتح جاز في الثاني ثلاثة أوجه:

الأول: البناء على الفتح، والتركيب مع ((لا)) الثانية، وتكون [لا] الثانية عاملة عمل إن، نحو: ((لا حول ولا قوة إلا بالله))

الثاني: النصب عطفًا على محل اسم ((لا)) وتكون ((لا)) الثانية زائدة بين العاطف والمعطوف، نحو: ((لا حول ولا قوة إلا بالله)) ومنه قوله:

١١٠ - لَا تَسْبَبَ الْيَوْمَ وَلَا تُخَلِّةَ

اتَّسَعَ الْخَشْرَقُ عَلَى الرَّاقِعِ

الثالث: الرفع، وفيه ثلاثة أوجه: الأول: أن يكون معطوفًا على محل ((لا)) واسمها؛ لأنهما في موضع رفع بالابتداء عند سبويه، وحينئذ تكون ((لا)) زائدة، الثاني: أن تكون ((لا)) الثانية عملت عمل ((ليس))، الثالث: أن يكون مرفوعًا بالابتداء، وليس للأعمال فيه وذلك نحو: ((لا حول ولا قوة إلا بالله)) ومنه قوله:

١١١ - هَذَا الْعَمْرُكُمُ الصَّفَارُ بَعِينَهُ

لَأُمِّ لَيْلى. أَنْ كَانَ ذَاكَ. وَلَا ابْنَ

وإن نصب المعطوف عليه جاز في المعطوف الأوجه الثلاثة المذكورة - أعني البناء، والرفع، والنصب - نحو: لا غلامَ رجلٍ ولا امرأة، ولا امرأة، ولا امرأة.

وإن رفع المعطوف عليه جاز في الثاني وجهان: الأول: البناء على الفتح، نحو: ((لا رجل ولا امرأة، ولا غلامَ رجل ولا امرأة، ومنه قوله:

١١٢ - فَلَا تَغْوُوا وَلَا تَأْتِيَمَ فِيهَا

وَمَا فَاتَهُمْ وَأَبَاهُ ابْدًا مُقِيمٌ

والثاني: الرفع، نحو: ((لا رجل ولا امرأة، ولا غلامَ رجل ولا امرأة))،

ولا يجوز النصب للثاني؛ لأنه إنما جاز فيما تقدم للمعطف على [محل] اسم "لا" و((لا)) هنا

ليست بناصبة؛ فيسقط النصب، ولهذا قال المصنف: ((وإن رفعت أو لا تنصب))

ترجمہ و تشریح:

لا کے اسم کا اعراب:

اس سے پہلے لائی جنس کے عمل کی شرائط بیان ہوئیں۔ اب یہ بتا رہے ہیں کہ جب یہ ساری شرائط پوری ہو جائیں تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اس لا کا اسم مضاف یا شبہ مضاف یا مفرد ہے۔ (یعنی مضاف شبہ مضاف نہیں ہے) اگر لا کا اسم مضاف یا شبہ مضاف ہے تو اس صورت میں نصب لفظاً ہوگا۔ (یعنی معرب ہوگا) اور اگر مضاف شبہ مضاف نہیں ہے تو اس کا اسم مبنی بر فتح ہوگا۔

واضح رہے کہ مفرد کبھی تثنیہ جمع کا مقابل ہوتا ہے اور کبھی مفرد وہ ہوتا ہے جو مضاف شبہ مضاف کے مقابل ہو یہاں مفرد سے یہی دوسرا مراد ہے۔ لا کا اسم مضاف ہو اس کی مثال جیسے: لا غلامَ رَجُلٍ حَاضِرٌ، لا صَاحِبَ عِلْمٍ مَمْقُوثٌ، لا صَاحِبَ جُودٍ مَذْمُومٍ یہاں غلام، صاحب مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

شبہ مضاف کی تعریف:

شبہ مضاف ہر اس اسم کو کہتے ہیں جس کے معنی دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر تمام نہ ہوتے ہوں جیسے مضاف کے معنی مضاف الیہ کے بغیر تمام نہیں ہوتے۔

شبہ مضاف کی مثالیں:

مرفوع کی مثال لا قَبِيضًا فَعَلَهُ مَمْدُوحٌ، لا حَسَنًا وَجْهَهُ مَذْمُومٌ، منصوب کی مثال لا طَالِعًا جَبَلًا ظَاهِرٌ، لا مَفْبُوضًا خَيْرَهُ مَكْرُوهٌ مجرور کی مثال لا خَيْرًا مِنْ زَيْدٍ رَاكِبٌ، لا خَيْرًا مِنْ زَيْدٍ عِنْدَنَا۔

شارح کے بیان کے مطابق شبہ مضاف ہر وہ اسم ہے جس کا مابعد کے ساتھ تعلق ہو خواہ عمل کے ساتھ ہو۔ (جس طرح مذکور مثالوں میں) یا عطف کے ساتھ جیسے: لا ثَلَاثَةٌ وَثَلَاثِينَ عِنْدَنَا، شبہ مضاف کو مطوّل، ممدود بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ ما قبل کی مثالوں سے واضح ہے کہ شبہ مضاف میں مابعد کے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلق ضرور باقی رہتا ہے تو ایسا ہوا جیسا کہ کلام کافی طویل ہے یا ممدود (طویل مطوّل، طوالت سے ہیں۔ اور ممدود مذ سے ہے بمعنی کھینچتا تینوں کی مراد ایک ہے)

والحال الثالث:

تیسری صورت یہ ہے کہ لا کا اسم مفرد ہو یعنی مضاف شہ مضاف نہ ہو (تثنیہ جمع چونکہ مضاف شہ مضاف نہیں ہیں اس وجہ سے وہ بھی وہ بھی اس قسم کے مفرد کے حکم میں داخل ہونگے) اس کا حکم یہ ہے کہ معرب کی صورت میں اس پر جو حرکت جاری ہوتی تھی اسی حرکت پر یہ اب مبنی ہوگا۔

شراح رحمہ اللہ یہاں علت کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ یہ اسم لا کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے اس طرح ہو گیا جس طرح ایک ہی شئی ہے تو جس طرح ”خمسة عشر“ باہمی ترکیب کی وجہ سے مبنی ہیں اس طرح یہ اسم بھی لا کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے مبنی ہے۔ (واضح رہے کہ بعض حضرات نے علت بناء یہاں ترکیب ہی کو بنایا ہے کیونکہ فصل کی صورت میں یہ معرب ہوتا ہے، لیکن دیگر حضرات نے اس کی علت یہ بتائی ہے کہ یہ متضمن ہے من استغراقیہ کے معنی کو جو کہ حرف ہے اور حرف کے معنی کو متضمن ہونے سے یہ حرف کے ساتھ مشابہ ہو گیا حرف کی طرح یہ بھی مبنی ہو گیا۔ چنانچہ سوال کیا جاتا ہے هل من رجل فی الدار تو اس کا جواب دیا جاتا ہے لا رجل فی الدار ای لا من رجل فی الدار مزید تحقیق حاشیہ الخضریٰ میں دیکھیں) اگرچہ یہ اسم محلاً منصوب ہے اس لئے کہ لانی جنس کا اسم ہے۔

لہذا مفرد (مقابل تثنیہ و جمع) میں چونکہ معرب کی صورت میں اس پر نصب آتا ہے اس لئے اب وہ مبنی برفتحہ ہوگا جیسے: لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ اور تثنیہ اور جمع مذکر سالم میں معرب کی صورت میں حالت نصی جری میں یا ہوتی تھی اب وہ اسم لابن کر مبنی بر یا ہونگے جیسے لَا مَسْلَمِينَ لَكَ وَلَا مَسْلَمِينَ۔

وذهب الكوفيون الخ

کوفیین اور زجاج رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ لا رجل میں رجل مبنی برفتحہ نہیں بلکہ معرب ہے اور اس پر جوفتحہ ہے وہ بھی معرب والا ہے نہ کہ مبنی والا، اور توین کے بارے میں یہ حضرات کہتے ہیں کہ رجل میں توین کو تخفیف کے لئے حذف کیا گیا ہے لیکن یہ مسلک مرجوح ہے۔ اس لئے کہ توین تو غیر منصرف پر نہیں آتی اسی طرح اضافت کی صورت میں نہیں آتی یا علم کو ابن کے ساتھ موصوف کرنا ہو یا جب ساکن کے ساتھ مل جائے یا وقف مقصود ہو یا مبنی میں ہو۔ تو ان جگہوں میں صرف توین حذف ہوتی ہے رجل ان جگہوں میں سے نہیں۔

حضرت امام مہر در رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لاکا اسم اگر تشنیہ ہو یا جمع ہو تو اس صورت میں یہ معرب ہو کر منصوب بالیاء ہوگا اور مثنیٰ نہیں ہوگا جس طرح جمہور نحویوں کا مسلک ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ تشنیہ اور جمع اسماء کے خواص معظمہ میں سے ہیں اور بناء کیلئے شرط یہ ہے کہ مشابہت حرف کی وجہ خصوصیات اسماء میں سے کسی کے معارض نہ ہو اب یہاں اگرچہ (مُسلمین لِمُسلمین) میں اسم کی حرف کے ساتھ مشابہت پائی جا رہی ہے (جس کی وضاحت پہلے گزری) لیکن اس مشابہت میں یہاں معارض ہے کہ تشنیہ جمع خصوصیات اسماء میں سے ہیں اور اصل اسماء میں معرب ہونا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ کسی کا خصوصیات اسماء میں سے ہونا اس وقت بناء پر اثر انداز ہوتا ہے جب وہ اسم پہلے سے مثنیٰ ہو لیکن جو پہلے سے مثنیٰ نہ ہو بعد میں کوئی سبب بناء پایا جائے تو اس صورت میں یہ معارض نہیں اور ہم یہ تو مانتے ہیں کہ اسم مذکور پہلے تشنیہ جمع تھا پھر اس پر لاداخل ہوا تو اس کی وجہ سے یہ خمسة عشر کے ساتھ ترکیب میں مشابہ ہو گیا تو مثنیٰ ہو گیا۔ (وجہ گزری)

واما جمع المؤنث السالم الخ:

لا کے بعد جمع مؤنث سالم کا اعراب:

جمع مؤنث سالم کے اعراب کے بارے میں ایک قوم کی رائے یہ ہے کہ یہ مثنیٰ ہوگا اسی حرکت پر جو حالت نصی میں اس پر آتی ہے (جو کہ کسرہ ہے) چنانچہ لِمُسلمات کہا جائے گا۔ اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۰۹- إِنَّ الشَّبَابَ الَّذِي مَجَّدَ عَوَائِبَهُ

فِيهِ نَلْدٌ وَلَا لَذَاتٍ لِشَيْبٍ

ترجمہ:..... بے شک وہ جوانی جس کے انجام اچھے ہوتے ہیں اسی میں ہم تلذذ حاصل کرتے ہیں اور بڑھاپے کی لذتیں نہیں ہوتیں۔

تشریح المفردات:

(شباب) جوانی، سن بلوغ سے تیس برس کی عمر تک کا زمانہ، ہر چیز کا اول، ”شبابہ النهار“ دن کی ابتداء (مجد)

عزت و بلندگی، بزرگی، بلند زمین کو بھی کہا جاتا ہے (عواقب) ہر چیز کا آخر، انجام، التحبادلہ، اس کا مفرد عاقبۃ آتا ہے۔
 (لذذ) جمع حکم کا میغ ہے لذلذذہ باب سماع سے آتا ہے کسی چیز کا لذیذ ہونا، خوش ذائقہ ہونا، مزے دار ہونا،
 لذن کی صفت لذیذ آتی ہے۔ (نلذذ) (بفتح النون واللام) اصل میں نلذذ تھا یہاں ذال کی حرکت لام کی طرف منتقل
 کردی ذال ساکن ہو گیا ذال کو ذال میں مدغم کیا، (لذذات) جمع ہے لذذہ کی (شیب) اشیب کی جمع ہے شیب سے اسم
 قائل ہے لیکن غیر قیاسی طرز پر یانچ شین کے ساتھ شایب کا مصدر ہے۔ اس صورت میں مضاف حذف ہے ای لسلی
 الشیب۔

محل استشہاد:

(لذذات) محل استشہاد ہے یہاں لذذات جمع مؤنث سالم لافعی جنس کا اسم واقع ہوا ہے اور مثنیٰ برکسرہ ہے (ای
 عطلیٰ ماینبص بہ) اور یہی جمہور نحو یوں کا مسلک ہے، بعض حضرات نے جمع مؤنث سالم میں لا کا اسم بنتے وقت مثنیٰ بر فتح
 ہونا بھی جائز قرار دیا ہے اس مسلک کو ابن ہشام نے ”معنی“ میں اور محقق رضی نے شرح کافہ میں اور ابن مالک نے اپنی
 بعض کتابوں میں ترجیح دی ہے۔ ولکل وجه۔

وقول المصنف ”وبعد ذالک الخبر اذ تكرر الفه“

لا نفی جنس کی خبر کے عامل میں اختلاف:

وبعد ذالک الخبر اذ تكرر الفه، مصنف کے قول کی تشریح شارح فرما رہے ہیں کہ لا کے اسم کے بعد خبر
 مرفوع ذکر کیا جائے گا۔ اب اختلاف اس میں ہے کہ ای خبر کو رفع دینے والا لا ہے یا نہیں۔

مصنف اور امام اعظم اور ایک جماعت کے نزدیک مطلقاً خبر کو رفع دینے والا ”لا“ ہے اور امام سیبوی رحمہ اللہ کا
 مسلک یہ ہے کہ اگر اسم ”لا“ مضاف یا شبہ مضاف ہو یعنی مثنیٰ والی صورت نہ ہو تو اس کو رفع دینے والا ”لا“ ہے۔ اور اگر اسم
 مفرد ہو (مفرد سے مراد مقابل مضاف شبہ مضاف ہے اس کی تفصیل گزری) تو اس کو رفع دینے والا ”لا“ نہیں بلکہ وہ اس
 لئے مرفوع ہے کہ وہ مبتدأ کی خبر واقع ہے۔

شارح سیبوی رحمہ اللہ کے مذہب کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب اسم مفرد ہو تو اس کو رفع دینے
 والا ”لا“ اس لئے نہیں کہ ان کے ہاں ”لا“ اور اس کا مفرد اسم مرفوع بالابتداء کی جگہ پر ہیں اور ان دونوں کے بعد والا مرفوع

اسی مبتدا سے خبر ہے۔

واضح رہے کہ حاشیۃ الصنیان میں سیبویہ رحمہ اللہ کے اس مسلک کی اس تفصیل کو شارحین کا تسامح قرار دیا ہے (جیسا کہ خود شارح ابن عقیل کو بھی نقل مذہب میں تسامح ہوا) اور کہا ہے کہ ان کا مسلک یہ ہے کہ حقیقت میں عامل صرف ”لا“ کے داخل ہونے سے پہلے والا مبتدا ہی ہے نہ کہ ”مجموعہ لا واسم“ یعنی جس طرح حرف ناسخ (لا) کے داخل ہونے سے پہلے خبر میں عامل مبتدا ہی تھا۔ اسی طرح حرف ناسخ کے دخول کے بعد بھی عامل وہی مبتدا رہے گا لیکن چونکہ ”لا“ بظاہر اس کا ایک جزء دکھائی دے رہا ہے اس وجہ سے شارحین نے ”لا“ اور اس کے اسم دونوں کے مجموعہ کو عامل بتایا۔

شمرہ اختلاف:

مصنف ”واخفش“ کے مسلک اور سیبویہ کے مسلک کا اثر ”لا رجُل ولا امرءة قائمان“ والی ترکیب میں ظاہر ہوگا۔ چنانچہ اخفش و مصنف رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ ”لا“ ہی خبر میں عامل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہاں دو عامل (پہلا ”لا“ اور دوسرا لا) آئے اور دو عاملوں کا ایک معمول پر آنا صحیح نہیں اور سیبویہ رحمہ اللہ کے ہاں اس صورت میں ”لا“ خبر میں عامل نہیں اس وجہ سے دو عاملوں کا ایک معمول پر وارد ہونا واقع ہی نہیں ہوا۔

واشار بقوله والثانی اجعل الخ:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ جب ”لا“ اور اس کے اسم کے بعد عاطف اور مکررہ مفرودہ آجائے اور ”لا“ بھی مکرر ہو اس صورت میں پانچ وجہیں جائز ہیں۔

(ضمن میں یہ بات یاد رکھیں کہ ضمہ فتح کسرہ جب تاء کے ساتھ ہوتے ہیں تو حرکات اعرابیہ اور بنائیہ دونوں پر بولے جاتے ہیں)

اور جب بغیر تاء کے (ضمہ، فتح، کسر) ہوتے ہیں تو صرف حرکات بنائیہ پر بولے جاتے ہیں۔ یہاں شرح میں فتح کا لفظ بار بار آیا ہے یہاں بھی یہی مراد ہے۔ اور رفع نصب جز صرف حرکات اعرابیہ پر بولے جاتے ہیں۔ کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جو ان میں خاصا فرق نہیں کرتے۔ اس کے بعد شرح کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فِي الْبَاطِنِ وَجْهِي

شارح نے لا حول الخ کے اندر پانچ وجہوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں نظر ہے اس لئے کہ اگر بغیر غائر دیکھا جائے تو لا حول و لا قوۃ الا باللہ میں شارح نے آٹھ وجہیں بتائی ہیں باس طور کہ معطوف علیہ (حول) یا مبنی برفتحہ ہوگا یا منصوب ہوگا اور یا مرفوع۔ اگر مبنی برفتحہ ہو تو معطوف (قوۃ) میں تین وجہیں جائز ہیں اور اگر منصوب ہے تو بھی معطوف میں تین وجہیں جائز ہیں اور اگر معطوف علیہ مرفوع ہے تو معطوف میں دو وجہیں جائز ہیں اسی طرح ٹوٹل آٹھ ہو جاتی ہیں۔ حاشیۃ الخضری میں پانچ ذکر کرنے والوں کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے مفرد (مقابل مضاف یا شبہ مضاف) کو ایک ہی شمار کیا ہے یعنی اگر معطوف علیہ مفرد مبنی برفتحہ ہو یا مرفوع ہو تو اس میں تین وجہیں جائز ہیں اور اگر معطوف علیہ مفرد نہ ہو یعنی مضاف شبہ مضاف ہو اور منصوب ہو تو معطوف میں دو وجہیں جائز ہیں۔ اسی طرح کر کے پانچ وجہیں ہوں گی۔

وَذَلِكَ لِأَنَّ الْمَعْطُوفَ عَلَيْهِ الْخ:

اب شارح لا حول و لا قوۃ الا باللہ میں مختلف وجوہات کی وضاحت و تفصیل بتا رہے ہیں۔

وجہ حصر یہ ہے کہ معطوف علیہ یا ”لا“ کے ساتھ مبنی برفتحہ ہوگا یا منصوب ہوگا یا مرفوع ہوگا۔ اگر مبنی برفتحہ ہو تو مانی یعنی معطوف (قوۃ) کے اندر تین وجہیں جائز ہیں۔

..... بناء على الفتح جیسے لا حول و لا قوۃ الا باللہ علت بناء یہ ہے کہ یہ اسم لاکے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے اس طرح ہو گیا جس طرح ایک شیء، تو جس طرح اَحَدٌ عَشْرٌ، خَمْسَةٌ عَشْرٌ باہمی ترکیب کی وجہ سے مبنی ہیں اسی طرح یہ اسم بھی ”لا“ کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے مبنی ہے (اس سے پہلے بھی یہ بات ذکر ہو چکی کہ بعض حضرات نے علت بناء یہاں ترکیب کو بنایا ہے لیکن بعض دیگر حضرات نے یہاں بناء کی علت یہ بتائی ہے کہ یہ متضمن ہے مَن استغراقیہ حرنی کے معنی کو چنانچہ لا قوۃ الا باللہ، لا رجل فی الدار میں لا من قوۃ لا من رجل الخ مراد ہے حرف کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے یہ بھی حرف کی طرح مبنی ہو گیا) اور اس صورت میں دوسرا الا ان کی طرح عمل کرے گا۔

..... معطوف علیہ مبنی برفتحہ ہونے کی صورت میں مانی یعنی معطوف میں نصب بھی جائز ہے اس صورت میں یہ ”لا“ کے اسم کے محل قریب پر عطف ہوگا۔

یابہ لفظ (حول) پر عطف ہوگا اس لئے کہ ذات کے اعتبار سے ان کی حرکت ایک ہے اگرچہ صفت (یعنی اعراب و بناء) کے اعتبار سے مختلف ہے اور حول کی حرکت بھی ذات کے اعتبار سے نصب کے مشابہ ہے۔ لہذا (قوة) اسی (حول) کے لفظ پر عطف ہوگا نیز اس صورت میں دوسرا لازماً برائے تاکید لینی ہوگا۔ مثال جیسے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۰۔ لَا نَسَبَ الْيَوْمَ وَلَا نُخْلَةَ

اتَّسَعَ الْخُرْقُ عَلَى الرَّاقِعِ

ترجمہ:..... آج کے دن نہ نسب ہے اور نہ دوستی، پھٹن جوڑنے والے پر وسیع ہوگئی۔

تشریح المفردات:

(خُلَّة) بضم الخاء وتشديد اللام بمعنی دوستی، (الخرق) سوراخ، شکاف (واقع) پیوند لگانے والا بھالی واقع الثوب اس نے پڑے پر پیوند لگایا (منجد ص ۱۲۳۰) میں محاورات کے ذیل یہ بھی ذکر کیا ہے اتَّسَعَ الْخُرْقُ عَلَى الرَّاقِعِ۔ پھٹن جوڑنے والے پر وسیع ہوگئی یعنی فساد اتنا بڑھ گیا کہ اصلاح کا موقع جاتا رہا۔

محل استشہاد:

(لا خُلَّة) محل استشہاد ہے یہاں معطوف میں نصب آیا ہے تفصیل اس کی گزر گئی۔

۳۔ الثالث:

معطوف علیہ یعنی رفع ہونے کی صورت میں معطوف میں رفع بھی جائز ہے۔ جیسے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

اب رفع کے جائز ہونے کی تین وجہیں شارح رحمہ اللہ بتا رہے ہیں۔

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ معطوف ہوگا لا اور اسم کے محل (بعید) پر، اس لئے کہ لا اور اس کا اسم موضع رفع میں مبتدا ہیں اس صورت میں دوسرا لازماً نہ ہوگا۔

۲۔..... رفع کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسرا لا نِسْ کی طرح عمل کرے گا اسم کو رفع خبر کو نصب، تو قُوَّة بایں بناء مرفوع ہوگا۔

۳۔..... تیسری وجہ یہ ہے کہ خود معطوف (یعنی قُوَّة) مرفوع بنا بر مبتداء ہوگا اور لا کا اس میں کوئی عمل نہیں ہوگا۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۱۔ هَذَا لَعْمَرُكُمْ الصَّفَا زُ بَعِينِه

لَا أُمَّ لِي . ان كـ ا ن ذَاك . وَلَا اب

ترجمہ:..... تمہاری زندگی کی قسم یہ تو سراسر ذلت ہے اور اگر معاملہ اسی طرح رہا تو عہ میری ماں ہے اور نہ باپ (یعنی میں ساقط النسب ہوں)

تشریح المفردات:

(ھا) حرف تشبیہ (ذا) اسم اشارہ مبتدا (الصفا) ذلت، اہانت یہ (ذا) کی خبر ہے۔ (لعمر کم) میں لام ابتداء کا ہے (عمر) بفتح العین زندگی (عمر کم) مبتداء اس کی خبر ”قَسَمِي“ کو جو با محذوف ہے۔

شہان وروو:..... اس شعر کے شاعر کا نام بعض حضرات نے ضمرۃ بتایا ہے اور بعض نے اس کے علاوہ کہا ہے، ہوا یوں کہ شاعر کا ایک بھائی تھا جس کا نام ”جندب“ تھا اس کے والدین اور دیگر گھر والے شاعر کے ہنسبت جندب کو زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اور اس کے ساتھ خاص پیار کرتے تھے جبکہ شاعر کے ساتھ ان کی محبت کم ہوتی تھی لیکن جب باری جنگ کی آتی تو شاعر کو بلائے اور کھانے پینے کی ہوتی تو پھر اسی جندب کو بلائے شاعر یہاں اس غیر منصفانہ رویہ کی سخت مخالفت کرتا ہے، اس سے پہلے کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

عَجِبْنَا لَتَلِكْ قَضِيَّةٌ وَا قَسَامِي سِي

فِي كُمْ عَلِي تَلِكْ الْقَضِيَّةُ اَعْجَب

فَا ذَاتَا كُونُ كَرِيهَةٌ اُدْعَى لَهَا

وَ اذ اَيْحَاسِ الْحَيْسُ يُدْعَى جُنْدَبُ

محل استشہاد:

معطوف علیہ (یعنی ”لا“ کا انہم) مبنی بر فتح ہونے کی صورت میں معطوف (اب) میں رُفِعَ آیا ہے اس میں مذکورہ بالا تینوں وجہیں رفع کی پائی جا سکتی ہیں۔

وان نصب المعطوف عليه الخ:

اور اگر معطوف علیہ کو منصوب پڑھا جائے تو معطوف میں مذکورہ بالا تینوں وجہیں جائز ہیں۔

۱:..... مثنیٰ برفتح ہونا جیسے: لا غلام رجل ولا امرء۔ اس صورت میں دوسرے لاکے ساتھ ترکیب کی وجہ سے یہ مثنیٰ ہوگا۔ (اس کی تفصیل گزر گئی کہ اکثر حضرات کے ہاں یہاں بھی بناء کی علت (من) استغراقی حرفی کے معنی کو متضمن ہوتا ہے)

۲:..... مرفوع ہونا، اس صورت میں لا ملغیٰ ہوگا جیسے: لا غلام رجل ولا امرء۔

۳:..... منصوب پڑھنا اس صورت میں یہ عطف ہوگا پہلے لفظ پر جیسے: لا غلام رجل ولا امرء۔

وان رفع المعطوف عليه الخ:

اگر معطوف علیہ مرفوع ہو تو معطوف میں دو وجہیں جائز ہیں۔ اس مثنیٰ برفتح ہونا جیسے: لا رجل ولا امرء، لا غلام

رجل ولا امرء۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۱۲ - وَلَا لَفُو وَلَا تَأْنِيمَ فِيهَا

وَمَا فَاهُوا بِهِ ابْنًا مُقِيمًا

ترجمہ:..... جنت میں نہ کوئی فضول بات ہوگی اور نہ الزام تراشی، جسٹس والے جس چیز کا

اظہار کریں گے اس کو موجود پائیں گے۔

تشریح المفردات:

(الفو) بے کار بات یا بغیر سوچے زبان سے نکل ہوئی بات، (تائیم) کسی پر گناہ کا الزام لگانا مجرد میں سماع سے

ہے باب تفعیل کا مصدر ہے، (فاهوا) بمعنی نطقوا ابولنا، (مقیم) بمعنی موجود۔

شان ورود:..... امیہ بن ابی الصلت اس شعر میں جسٹس کی تعریف کر رہے ہیں یہ درحقیقت شارح نے دو مختلف شعروں کو جمع

کیا ہے اصل شعر اس طرح ہیں۔

وَلَا لَفُوْ وَلَا تَالِيْمَ فِيْهَا
وَلَا حِيْنَ فِيْهَا وَلَا مُلِيْمَ
وَفِيْهَا لِحْمٌ سَاهِرَةٌ وَبِحَر
وَمَالُهَا وَابْنُهُ ابْدَامُ قِيْم

(حیون) ہلاکت (ملیم) ملامت کرنے والے (ساہرہ) وجہ الارض۔

شاعر یہاں یہ کہنا چاہتا ہے کہ جنت ایسی بے ضرر جگہ ہے جہاں نہ تو کوئی فضول گوئی ہوگی اور نہ ایک دوسرے کی طرف گناہ کی نسبت کی جائے گی اور نہ اس میں ہلاکت ہوگی نہ ملامت کرنے والا، خشکی اور سمندر کا گوشت ملے گا اور جنتی اپنی زبان پر جس چیز کا اظہار کریں گے اس کو اپنے سامنے تیار پائیں گے۔ رب کریم نے کیا خوب فرمایا "وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهُیْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدْعُوْنَ"

محل استشہاد:

لا مکرر آیا ہے اور معطوف علیہ (لفو) کے مرفوع ہونے کی صورت میں معطوف (تالیم) مبنی برفتح ہے۔

والثانی الخ:

اگر معطوف علیہ مرفوع ہو تو معطوف میں دو وجہیں جائز تھیں ایک بناء علی الفتح جس کا ذکر گزر چکا، دوسری وجہ رفع ہے جیسے: لَا رَجُلٌ وَلَا امْرَءٌ، لَا غُلَامٌ رَجُلٌ وَلَا امْرَءٌ۔ اس صورت میں دوسرا الیس کی طرح عامل ہوگا یا زائد ہو کر معطوف ماقبل مرفوع پر عطف ہوگا۔

ولا يجوز النصب:

شراح فرماتے ہیں کہ یہاں دوسرے اسم میں نصب جائز نہیں اس لئے کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ میں دوسرے میں نصب جائز تھا اس لئے کہ وہاں اس کو لا کے اسم کے محل قریب پر عطف کیا تھا اور یہاں تو لا ناصبہ ہی نہیں۔ اسی لئے مصنف نے فرمایا "وَأَنَّ رَفَعْتُ أَوْلَا لَا تَنْصِبْنَا"

وَمُسْفَرْدًا نَفْعًا لِمَنْ يَبْلِسِي

فَاتْفَحُ، وَأَنْصِبُنْ أَوْ رَفَعُ، تَسْمَعُونَ

ترجمہ:..... اور مفرد صفت اگر مثنیٰ کے ساتھ آجائے تو اس کو آپ فتح دیں یا نصب یا رفع
(آپ جو بھی کر سکتے) آپ عدل (انصاف) سے کام لیں گے۔

(ش) إذا كان اسم ((لا)) منبأ، ونعت بمفرد يليه - أي لم يفصل بينه وبينه بفواصل - جاز في النعت
ثلاثة أوجه:

الأول: البناء على الفتح، التركيب مع اسم ((لا)) نحو: ((لا رجل ظريف))

الثاني: النصب، مراعاة لمحل اسم ((لا)) نحو: ((لا رجل ظريفا))

الثالث: الرفع، مراعاة لمحل ((لا)) واسمها، لأنهما في موضع رفع عند سبويه كما تقدم،

نحو: ((لا رجل ظريف))

ترجمہ و تشریح:

لا کے اسم کے ساتھ صفت کا آ جانا:

اگر لفظی جنس کا اسم مثنیٰ ہو اور اس کے ساتھ بالکل متصل نعت (صفت) آجائے تو اس نعت میں تین وجہیں
جائز ہیں۔

(۱) بناء على الفتح جیسے: لا رَجُلٌ ظَرِيفٌ (یہاں ظریف صفت واقع ہے رَجُلٌ مثنیٰ برفتح کیلئے) لا کے اسم کے ساتھ مرکب
ہونے کی وجہ سے یہ بھی مثنیٰ برفتح ہوگا۔

(۲) نصب بھی جائز ہے اسم لا کے محل کی رعایت کرتے ہوئے جیسے: لا رَجُلٌ ظَرِيفًا یہاں ظریفًا میں نصب آیا ہے اس
لئے کہ "لا" کے اسم کیلئے صفت واقع ہے جو کہ محلاً منصوب ہے۔

(۳) رفع بھی جائز ہے جیسے لا رَجُلٌ ظَرِيفٌ لیکن یہ وجہ صرف سبویہ رحمہ اللہ کے مسلک پر مبنی ہوگی اس لئے کہ ابن کے
ہاں لا اپنے اسم سمیت موضع رفع میں ہے لہذا اس کی صفت بھی مرفوع ہوگی۔

وَأَخِيَرًا مَنَالِي، وَغَيْرَ الْمَعْمُورِ

لَأَبْنِ، وَأَنْصَبُهُ أَوِ الرَّفْعِ الْقَصْدِ

ترجمہ:..... اور جو صفت (اپنے موصوف کے ساتھ) مثنیٰ نہ ہو یا مفرد نہ ہو تو اس کو آپ مثنیٰ
نہ کریں اور اس کو نصب نہ دیں یا رفع کا قصد کریں۔

نعت (تقدم فی البیت الذی قبل هذا) ان إذا كان النعت مفردًا، والمنعوت مفردًا، وولیه النعت، جاز فی النعت ثلاثة أوجه، وذكر فی هذا البیت أنه إن لم یل النعت المفرد المنعوت المفرد، بل فصل بينهما بفواصل، لم یجوز بناء النعت؛ فلا نقول ((لا رجل فیها ظریف)) ببناء ظریف، بل یعین رفعه نحو: ((لا رجل فیها ظریف)) ونصبه، نحو: ((لا رجل فیها ظریفًا)) والناسقط البناء علی الفتح لأنه إنما جاز - عند عدم الفصل - لتركيب النعت مع الاسم، ومع الفصل لا یمكن التركيب، كما لا یمكن التركيب إذا كان المنعوت غیر مفرد، نحو: ((لا طالعا جبلا ظریفًا)) ولا فرق - فی امتناع البناء علی الفتح فی النعت عند الفصل - بین أن یكون المنعوت مفردًا، كما مثل، أو غیر مفرد.

وأشار بقوله: ((وغير المفرد)) إلى أنه إن كان النعت غیر مفرد - كالمضاف والمشبه بالمضاف - تعین رفعه أو نصبه؛ فلا یجوز بناؤه علی الفتح، ولا فرق فی ذلك بین أن یكون المنعوت مفردًا أو غیر مفرد، ولا بین أن یفصل بینه وبين النعت أو لا یفصل؛ وذلك نحو: ((لا رجل صاحب بر فیها، ولا غلام رجل فیها صاحب بر))

وحاصل ما فی البیتین: أنه إن كان النعت مفردًا، والمنعوت مفردًا، ولم یفصل بينهما؛ جاز فی النعت ثلاثة أوجه، نحو: ((لا رجل ظریف، وظریفًا، وظریف)) وإن لم یکن كذلك تعین الرفع أو النصب، ولا یجوز البناء.

ترجمہ و تشریح:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ جب نعت (صفت) مفرد ہو اور منعوت موصوف بھی مفرد ہو اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہوں تو نعت میں تین وجہیں جائز ہیں اور اس شعر میں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر نعت منعوت (مفرد) ایک دوسرے کے ساتھ متصل نہ ہوں بلکہ ان کے درمیان فاصل آجائے تو اس صورت میں نعت کوئی بنا نا جائز نہیں۔ لہذا لا رَجُلٌ فیہا ظریفٌ پڑھنا صحیح نہیں بلکہ ظریف بالرفع اور ظریفًا بالنصب پڑھا جائے گا۔

(شارح رحمہ اللہ کے نزدیک) یہاں بناء علی الفتح اس لئے صحیح نہیں کہ عدم فاصلہ کی صورت میں بناء علی الفتح کے جواز کی وجہ یہ تھی کہ یہاں نعت اور اسم میں ترکیب آ رہی تھی تو ترکیب کی وجہ سے خمسۃ عشر کی طرح دونوں تہنی قرار دیئے گئے اور فاصلہ آنے کی صورت میں چونکہ ترکیب ختم ہوئی اس لئے بناء بھی جاتی رہی (بناء کی وجہ ترکیب کو بنانے کا

ذکر شروع میں گزر گیا)

کمالاً ممکن الخ:

یہاں پر یہ بتا رہے ہیں کہ جس طرح لارجل فیہا ظریفاً میں ترکیب ممکن نہیں اسی طرح ترکیب ممکن نہیں جب معنوت غیر مفرد ہو (یعنی مضاف شبہ مضاف ہو) جیسے: لا طالعاً جبلاً ظریفاً.

والا فرق الخ:

فاصلہ کی صورت میں بناء علی الفتح ممنوع ہے چاہے معنوت مفرد ہو یا غیر مفرد۔

واشار بقوله الخ:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر نعت مفرد نہ ہو بلکہ مضاف یا شبہ مضاف ہو تو اس صورت میں رفع یا نصب متعین ہیں اور بناء علی الفتح اس میں بھی جائز نہیں چاہے معنوت مفرد ہو یا نہ ہو فاصلہ ہو یا نہ ہو جیسے: لارجل صاحب بر فیہا لا غلام رجل فیہا صاحب بر۔

والعطف أن لم تتكرر "لا" احکما

لأنما للنعته ذی الفضل انتمی

ترجمہ:..... اگر عطف مکرر نہ ہو تو آپ اس کو وہ حکم دیں جو اس نعت کی طرف منسوب ہے

جس کے درمیان فصل ہو۔

(ش) تقدم أنه إذا عطف على اسم "لا" نكرة مفردة، وتكرر "لا" يجوز في المعطوف ثلاثة أوجه:

الرفع، والنصب، والبناء على الفتح، نحو: ((لارجل ولا امرأة، ولا امرأة، ولا امرأة))، وذكر في هذا

البيت أنه إذا لم تتكرر ((لا)) يجوز في المعطوف ما جاز في النعت المفصول، وقد تقدم في البيت

الذي قبله أنه يجوز فيه: الرفع، والنصب، ولا يجوز فيه: البناء على الفتح؛ فنقول: ((لارجل وامرأة،

وامرأة، ولا يجوز البناء على الفتح، وحكى الأخفش: ((لارجل وامرأة)) بالبناء على الفتح، على تقدير

تكرر ((لا))، فكانه قال: ((لارجل ولا امرأة)) ثم حذف ((لا))

و كذلك إذا كان المعطوف غير مفرد لا يجوز فيه إلا الرفع والنصب، سواء تكررت ((لا))
 ((لارجل ولا غلام امرأة)) أو لم تتكرر، نحو: ((لارجل و غلام امرأة))
 هذا كله إذا كان المعطوف نكرة؛ فإن كان معرفة لا يجوز فيه إلا الرفع، على كل حال،
 ((لارجل ولا زيد فيهما))، أو ((لارجل وزيد فيهما))

ترجمہ و تشریح:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ اگر لا کے اسم پر کمرہ مفردہ معطوف ہو اور "لا" مکرر ہو تو معطوف میں تین
 و تین جائز ہیں، رفع، نصب، بناء علی الفتح۔ اب یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر لا مکرر نہ ہو تو معطوف میں بھی وہی
 جائز ہے جو نعت مفعول میں جائز تھا۔ یعنی رفع اور نصب اور بناء علی الفتح جائز نہیں۔ چنانچہ لارجل و امرأة
 و امرأة پڑھا جائے گا۔ امام انفس رحمہ اللہ اس صورت میں بھی بناء علی الفتح کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کے ہاں
 یہاں لا مقدر ہے تقدیر عبارت یوں ہے لارجل و لا امرأة پھر لا کو حذف کیا گیا۔

اسی طرح حکم اس صورت میں بھی ہے جب معطوف مفرد نہ ہو یعنی مضاف اور شبہ مضاف ہو جیسے: لارجل
 و لا غلام امرأة اور "لارجل و غلام امرأة" یعنی کہ اس میں "لا" کے مکرر ہونے نہ ہونے کی وجہ سے فرق نہیں آتا
 بلکہ معطوف غیر مفرد کی صورت میں بھی صرف رفع اور نصب جائز ہے۔

هذا كله الخ :

شارح فرماتے ہیں کہ یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب معطوف نکرہ ہو اگر معطوف معرفہ ہو تو اس میں صرف رفع
 جائز ہے چاہے "لا" مکرر ہو یا نہ ہو۔

وَاعْطِ لَامَعَ هَمْزَةَ اسْتِفْهَامِ

مَا تَسْتَحِقُّ ذُوْنَ الاسْتِفْهَامِ

ترجمہ: لاجب ہمزه استفہام کے ساتھ ہو تو اس کو آپ وہی عمل دیں جس کا یہ بغیر
 استفہام کے مستحق تھا۔

(ش) إذا دخلت همزة الاستفهام على ((لا)) اللافية للجنس بقيت على ما كان لها من العمل، وسائر الأحكام التي سبق ذكرها، تقول: ((الارجل قائم، والأغلام رجل قائم، والأطفال عاجلاً ظاهراً)) بحكم المعطوف والصفة - بعد دخول همزة الاستفهام - كحكمها قبل دخولها.

هكذا أطلق المصنف - رحمه الله تعالى - هنا، وفي كل ذلك تفصيل وهو: أنه إذا قصد بالاستفهام التوبيخ، أو الاستفهام عن النفي؛ فالحكم كما ذكر، من أنه يبقى عملها وجميع ما تقدم ذكره من أنه يبقى عملها وجميع ما تقدم ذكره من أحكام العطف، والصفة، وجواز الإلغاء. فمثال التوبيخ قولك: ((الارجل قائم؟ وقد شئت؟ ومنه قوله:

۱۱۳ - الأار عواء لمن ولت شيبته

وآذنت بمشيب بقده هزم

ومثال الاستفهام عن النفي قولك: ((الارجل قائم؟، ومنه قوله:

۱۱۴ - الأاصطار لسلمى أم لها جلد

إذا لآلى لى لى لآ لآ لى لى

وإذا قصد بالالتعنى: فذهب المازنى أنها تبقى على جميع ما كان لها من الأحكام، وعليه يمتنى إطلاق المصنف، ومذهب سيويه أنه يبقى لها عملها فى الاسم، ولا يجوز إلغاؤها، ولا الوصف أو العطف بالرفع مراعاة للابتداء.

ومن استعمالها للتعنى قولهم: ((الاماء ماء بارداً)) وقول الشاعر:

۱۱۵ - الأعمرو لى مستطاع رجوعه

فیراب مآلتا يذ السفلات

ترجمہ و تشریح:

لا پر ہمزه استفہام کا آجانا:

اس سے پہلے اس "لا" کی بات چل رہی تھی جو ہمزه کے استفہام کے بغیر ہوا ہے یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اس لا پر اگر شروع میں ہمزه استفہام آجائے تو اس کی وجہ سے اس کے عمل میں فرق آئے گا یا نہیں اس میں دو مسلک ہیں شارح

فرماتے ہیں کہ مصنف کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمزہ استفہام کے داخل ہو جانے کی وجہ سے اس کے عمل پر کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ پہلے جیسا عمل تھا ہمزہ استفہام کے داخل ہونے کے بعد بھی وہی عمل ہوگا لیکن بقول شارح اس مسئلہ میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اس استفہام سے مقصود تو بیخ ہو یا استفہام نئی سے ہو تو پھر علم میں پہلے کی طرح ہے اور اگر مقصود اس استفہام سے تمنیٰ ہو تو اس میں اختلاف ہے مازنی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی عمل وہی ہوگا یعنی لائے نفی جس کا عمل اور یہی مصنف کے کلام کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے جبکہ سیبویہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ لا صرف اسم میں عمل کرے گا اور لا کو ملغی قرار دینا اس کی صفت یا معطوف پر رفع دینا جائز نہیں ہے۔

تو بیخ کی مثال:

”الْأَرْجُوعُ وَالْقَدْ حَبِثٌ“ کیا ابھی تک آپ باز نہیں آئے حالانکہ آپ بوڑھے ہو گئے؟ یہاں استفہام سے مقصود تو بیخ ہے اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۳- أَلَا أَرَعُوا عِلْمَنَ وَأَلَيْتَ فِئْتِيْبَهُ

وَأَذْنَكُ بِمَشِيْبِ بَعْدَهُ هَمْرَمٌ

ترجمہ:..... کیا گناہ سے باز آنا اب بھی نہیں ہے اس شخص کیلئے جس کی جوانی چلی گئی اور

اس جوانی نے خبر داد کیا ایسے بڑھاپے پر جس کے بعد قوت ختم ہو جاتی ہے۔

تشریح المفردات:

(ارعوا) اِرْعَوْا يَرْعُوْنَ اِرْعَاءٌ باب افعلال کا مصدر ہے باز رہنا، رک جانا (شيب) جوانی (مشيب) بڑھاپا (همرم) قوت کا ختم ہو جانا، جوانی کا چلا جانا۔

محکن استشہاد:

(الارعوا) محکن استشہاد ہے یہاں لائے نفی پر ہمزہ استفہام داخل ہے چونکہ استفہام سے مقصود تو بیخ ہے اس لئے لائے نفی جس کا عمل اور اس کے متعلق احکام بحال ہیں۔

استفہام عن التفی کی مثال:

الْأَرْجُلَ قَائِمَةٌ هِيَ يِهَاءُ بِيهَا لَانْفِي جِنْسٍ كَالْعَمَلِ بِرَقْرَارِهِ۔ اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۳۔ اَلَا اِصْطَبَارٌ لِّسَلْمَى اُمُّ لَهَا جَلْدٌ

اِذَا اَلَا قِي اَلَّذِي لَا قَاهِ اَمْنَالِي

ترجمہ:..... کیا سلمی صبر نہیں کرے گی یا وہ برداشت کر لے گی جب میں ملوں اس چیز کے ساتھ جس کے ساتھ مجھ جیسے لوگ ملے ہیں۔ (یعنی جب میری موت آئے گی تو سلمی صبر کر لے گی یا جزع و فزع سے کام لے گی اور موت ایسی حقیقت ہے کہ سب لوگوں کو اس کا ذائقہ چکنا ہے)

تشریح المفردات:

(اصطبار) باب القتل کا مصدر ہے اصل میں اصعبار تھا قاعدہ کے مطابق باب القتل کی تاء کو طاء سے تبدیل کیا اس لئے کہ فاء کلمہ کے مقابلہ میں ص ہے (جیسا کہ صرف کی کتابوں میں ذکر ہے) (سلمی) شاعر کی بیوی کا نام ہے۔ (جلد) صبر و استقلال و برداشت، کثرم کے باب سے ہے۔ (الاقی) باب مفاعلہ سے واحد متکلم مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ (لا قاہ) لاقی واحد کرفاعب ماضی معروف از باب مفاعلہ۔ (امنالی) مثل کی جمع ہے بمعنی نظیر و مشابہ۔
محل استشہاد:

(الاصطبار) محل استشہاد ہے یہاں بھی چونکہ لانی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہے اور مقصود استفہام عن الھی ہے اس لئے لانی جنس کا عمل برقرار ہے۔ (اس کے بعد کی شرح کی وضاحت پہلے گزر گئی ہے)
ومن استعمالها للتمنى قولهم:

لانی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہو اور مقصود اس سے تمنی ہو اس کی مثال ہے اَلَا مَاءٌ مَاءٌ بَارِدًا (کاش کہ ٹھنڈا پانی ہوتا) اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے

۱۱۴۔ اَلَا هُمُ رَوَّلِي مُسْتَطَاعٌ رُجُوعُهُ

فِي رَابِ مَائَاتٍ يَدُ الْمَفَلَاتِ

ترجمہ:..... کیا جو عمر پھر گئی ہے اس کا لوٹنا ممکن ہے تاکہ وہ اصلاح کرے اس کی جس کو غفلتوں کے ہاتھ نے خراب و برباد کیا ہے۔ (یعنی کاش وہ عمر لوٹ آئے)۔

تشریح المفردات:

(ثعلب) سے انسان کی عمر ہی مراد ہے (ولٹی) تولیۃً باب تفعیل سے پھر جانا، (مستطاع) باب استفعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، استطاعت والا ہونا، کسی چیز کا ممکن ہونا۔ (یواب) ٹھیک کرنا، نقصان کی حلافی کرنا، اصلاح کرنا (اناث) باب افعال سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے خراب کرنا، فاسد کرنا، (الغفلات) غفلة کی جمع ہے غفلتوں کو کہا جاتا ہے۔

حکلت استشہاد:

”الاعتمر“ حکلت استشہاد ہے یہاں لائنی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہوا ہے اور مقصود اس استفہام سے تمنی ہے مازلی رحمہ اللہ اور مصنف کے ہاں یہاں بھی لائنی جنس اپنا پورا عمل کرے گا غمیر اس کا اسم ہے اور خبر اس کی مقدر ہے ای الاعتمر موجود جبکہ سیویہ رحمہ اللہ کے ہاں اس صورت میں (یعنی جب استفہام سے مراد تمنی ہو) لا صرف اسم میں عمل کرے گا اور خبر کی ضرورت نہیں ہوگی اس لئے کہ اسم اس کے لئے بمنزلہ مفعول کے ہو جائے گا اور کلام تام ہو جائے گا۔ مثلاً: الاعتمر، الائماء سے مراد اتمنی عمراً، اتمنی ماء ہے یہاں نہ اس کی لفظاً خبر ہے اور نہ تقدیراً۔

وَشَاعَ لِي ذَا الْبَابِ اسْقَاطَ الْخَبَرِ

اِذَا الْمُرَادُ مَعَ سُقُوطِهِ ظَهَرَ

ترجمہ:..... اور اس (لائنی جنس کے) باب میں خبر کا ساقط کرنا شائع ہے جب اس کے

ساقط ہونے کے ہاتھ مراد ظاہر ہو۔

(ہن) اذا دل دليل على خبر (لا) النافية للجنس وجب حذفه عند التميميين والطائين، وكثر حذفه عند الحجازيين، ومثاله أن يقال: هل من رجل قائم؟ فتقول: ((لا رجل)) وتحذف الخبر - وهو قائم - وجوبا عند التميميين والطائين، وجوازاً عند الحجازيين، ولا فرق في ذلك بين أن يكون الخبر غير ظرف ولا جار ومجرور، كما مثل، أو ظرفاً أو جاراً أو مجروراً، نحو أن يقال: هل عندك رجل؟ أو هل في الدار رجل؟ فتقول: ((لا رجل))

فان لم يدل على الخبر دليل لم يجوز حذفه عند الجميع، نحو قوله ﷺ ((لا أحد أغير من الله))

وقول الشاعر:

۱۱۶- وَلَا كَرِيمٍ مِنَ الْوَلَدَانِ مَضْبُوحٌ

والى هذا أشار المصنف بقوله: ((إذا المراد مع سقوطه ظهر)) واحترز بهذا مما لا يظهر المراد

مع سقوطه فإنه لا يجوز حينئذ الحذف كما تقدم.

ترجمہ و تشریح:

لا نفی جنس کی خبر کو حذف کرنا:

جب لافنی جنس کی خبر پر کوئی دلیل موجود ہو تو تمکین کے ہاں اس کا حذف واجب ہے اور جازمین کے ہاں اس کا حذف کثیر ہے جیسا کہ کہا جائے ہَلْ مِنْ رَجُلٍ لَسَامٍ چونکہ سوال میں قائم کا ذکر ہے اس لئے تمکین کے ہاں جواب میں اس کو حذف کیا جائے گا۔ چنانچہ لَا رَجُلٍ کہا جائے گا اور جازمین کے ہاں اس کا حذف جوازی ہے۔

ولا فرق النخ:

تفصیل مذکور میں حذف کیلئے خبر کا غیر ظرف اور غیر جار مجرور ہونا ضروری نہیں یعنی اگر خبر ظرف یا جار مجرور ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اس کو حذف کیا جاسکتا ہے۔

فان لم يدلّ النخ:

لیکن اگر خبر پر کوئی دلیل دلالت نہ کرے تو اس کا حذف سب کے ہاں صحیح نہیں جیسے جناب نبی اکرم ﷺ کا قول ہے: لَا أَحَدٌ أَغِيرُ مِنَ اللَّهِ (کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا ہو) اب یہاں لَا أَحَدٌ مِنَ اللَّهِ کہا جائے تو صحیح نہیں کیونکہ اس کی خبر اغیر پر کوئی دلیل نہیں۔

خبر کے حذف پر دلیل نہ ہونے کی ایک اور مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۶- وَلَا كَرِيمٍ مِنَ الْوَلَدَانِ مَضْبُوحٌ

ترجمہ:..... (جب دودھ دینے والی اونٹنیوں سے ان کی دودھ روکنے کی تھیلیاں پھینک دی جاتی ہیں) اور کوئی بچہ شرفاء میں سے نہیں ہوتا جس کو صبح کے وقت دودھ پلایا جاتا ہو) ایسے وقت میں ہم اپنے مہمانوں کیلئے اونٹنیوں کو ذبح کرتے ہیں)

تشریح المفردات: (کامل شعر اس طرح ہے)

اِذَا لِقَا حُ غَدَثٌ مُلْقَى اصْرَثَهَا
وَلَا كَرِيمٌ مِنَ الْوَلْدَانِ مَصْبُوحٌ

اس شعر میں (لقاح) لَفُوح کی جمع ہے دودھ دینے والی اونٹنیوں کو کہا جاتا ہے۔ (اصرة) صرار کی جمع ہے اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے تھن کے سر کو باندھا جاتا ہے تاکہ اس کا بچہ دودھ نہ پی سکے، اور اس دھاگے اور تھلی کو اس وقت کھولا جاتا ہے جب دودھ نہ ہو اور یہ قحط سالی کا زمانہ ہوتا ہے شاعر نے اسی کو یہاں مراد لیا ہے۔ (مصبوح) جس کو صبح کے وقت دودھ پلایا جاتا ہو۔ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ ایسے اوقات میں بھی ہم مہمانوں کا خیال کرتے ہیں اور ان کیلئے اونٹنیاں ذبح کرتے ہیں جن میں قحط سالی ہوتی ہے اور مالدار اور بڑے لوگوں کی اولاد کو بھی اس وقت آسانی فراہم نہیں ہوتی۔

شان ورود:..... زعمشری نے مفصل میں اس شعر کی نسبت مشہور سخی حاتم طائی کی طرف کی ہے اور جرہمی نے ابو ذؤیب الہذلی کی طرف کی ہے لیکن صحیح قول کے مطابق یہ قبیلہ بنو النبیٹ کے شاعر کا شعر ہے ہوا یوں کہ شاعر اور حاتم طائی اور نساہغہ تینوں مساویہ نامی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دینے اس کے پاس جمع ہو گئے گفت و شنید کے بعد اس عورت نے حاتم کو ترجیح دی اس پر شاعر نے چند اشعار کہے جن میں ایک یہ بھی ہے جس کا ذکر ہو گیا۔

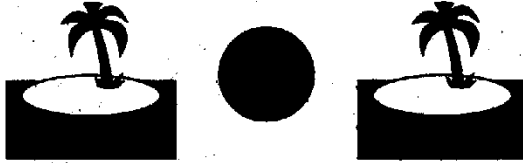
محل استشہاد:

لانفی جنس کی خبر کو حذف کرنا منع ہے جب کوئی قرینہ نہ ہو اس لئے یہاں بھی لا کی خبر مصبوح کو ذکر کیا اگر ذکر نہ کرتے تو احتمال ہوتا کہ یہاں موجود حذف ہے ای لا کریم من الولدان موجود اس لئے کہ قرینہ نہ ہونے کی صورت کو ن عام حذف ہوتا ہے جو کہ موجود ہے اور یہ حذف شاعر کے مقصود بخلاف ہے اس لئے کہ شاعر یہ نہیں کہنا چاہتا کہ شرفاء کی اولاد موجود نہ تھی بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ شرفاء کی اولاد میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کو صبح کے وقت دودھ پلایا جاتا۔

والیٰ هذا الخ:

اور اسی کی طرف مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے اس قول ”إِذَا الْمَرَأُذَمَعِ سُقُوْطُهُ ظَهْرًا“ کے ساتھ اشارہ کیا ہے یہ کہہ کر احتراز کیا اس جگہ سے جہاں حذف کی صورت میں مراد ظاہر نہ ہو تو وہاں حذف صحیح نہیں۔

www.KitaboSunnat.com



ظَنَّ وَأَخَوَاتُهَا

انصَبْ بِفِعْلِ الْقَلْبِ جُزْأَي بِنْتِ
 اعْنَى: رَأَى، خَالَ، عَلِمْتُ، وَجَدْتُ
 ظَنَّ، حَسِبْتُ، وَزَعَمْتُ، مَعَ عَدِ
 حَجَا، دَرَى، وَجَعَلَ اللَّذَكَاعْتَقَدَ
 وَهَبَ، تَمَلَّمَ، وَالَّتِي كَصَيَّرَا
 اِيضًا بِهَا انصَبَ مُبْتَدَأً وَخَبَرًا

ترجمہ:..... فعل قلب کے ذریعے آپ ابتداء کے دونوں جزء (مبتداء خبر) کو نصب دیدیں میری مراد ہے رآی، خال، علمت، وجد، ظن، حسبت، زعمت، عد، حجا، دری، اور وہ جعل جو اعتقد کی طرح ہے اور هب، تعلم، اور وہ افعال جو صیرو کی طرح ہیں ان کے ذریعہ بھی آپ نصب دیدیں مبتدا اور خبر کو۔ (متن میں عد دال کی تخفیف کے ساتھ بغیر تشدید کے آیا ہے جو کہ ضرورۃً ہے ورنہ تو مشدہ ہونا چاہیے تھا، نیز الدہسکون الدال ہے اور یہ الذی کے اندر ایک لنت ہے اور هب ظن کے معنی میں امر ہے ہب سے ماخوذ نہیں ہے)

(ش) هذا هو القسم الثالث من الأفعال الناسخة للابتداء، وهو ظن وأخواتها وتنقسم إلى قسمين: أحدهما: أفعال القلوب، والثاني: أفعال التحويل فاما أفعال القلوب فتتنقسم إلى قسمين: أحدهما: ما يدل على اليقين وذكر المصنف منها خمسة: رأى، وعلم، ووجد، ودرى، وتعلم، والثاني منهما: ما يدل على الرجحان، وذكر المصنف منها ثمانية: خال، وظن، وحسب، وزعم، وعد، وحجا، وجعل، وهب. فمثال رأى قول الشاعر:

۱۱۷- رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ أَكْبَرَ كُلِّ شَيْءٍ
مُعَاوَلَةً، وَأَكْثَرَهُمْ جُنُودًا

فاستعمل ((رأى)) فيه لليقين، وقد تستعمل ((رأى)) بمعنى ((ظن))، كقوله تعالى: ﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا﴾ أى: يظنونہ.

ومثال ((علم)) ((عَلِمْتُ زَيْدًا أَخَاكَ)) وقول الشاعر:

۱۱۸- عَلِمْتُكَ الْبَاذِلَ الْمَعْرُوفِ فَاتَّبَعْتُ
إِلَيْكَ بِسَى وَأَجْفَاكَ الشُّوقِ وَالْأَمَلِ

ومثال ((وجد)) قوله تعالى: ﴿وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ﴾
ومثال ((درى)) قوله:

۱۱۹- دُرَيْتَ الرَّفِئِ الْعَهْدِ يَا عَرُوفًا غَبِطُ
فَإِنْ اغْبِطَاطًا بِالرَّفَاءِ حَمِيدُ

ومثال ((تعلم)) وهى التى بمعنى اعلم - قوله:

۱۲۰- تَعَلَّمُ شِفَاءَ النَّفْسِ قَهْرَ عَدْوِهَا
فَبَالِغِ بِلُطْفِ فِى التَّحِيلِ وَالْمَكْرِ

وهذه مثل الأفعال الدالة على اليقين.

ومثال الدالة على الرجحان قولك: ((خلت زيدًا أخاك)) وقد تستعمل ((خال)) لليقين،

كقوله:

۱۲۱- دَعَانِى الْغَوَايِى عَمُّهُنَّ، وَخَلَّتْنِى
لِىْ اسْمٌ فَلَا أَدْعَى بِهِ وَهَرَأُولُ

و((ظننت زيدًا صاحبك))، وقد تستعمل لليقين كقوله تعالى: ﴿وَظَنُوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا

إِلَيْهِ﴾ و((حسبت زيدًا صاحبك)) وقد تستعمل لليقين، كقوله:

۱۲۲- حَيْثُ التَّقَى وَالْجُودَ خَيْرَ تِجَارَةٍ
رَبَّاحًا، إِذَا مَا الْمَرْءُ أَصْبَحَ نَاقِلًا

ومثال ((زعم)) قوله:

۱۲۳- فَإِنْ تَزْعُمِينِي كُنْتُ أَجْهَلُ بِيَكُمْ
فِيئِي شَرِيئُ الْجَلْمِ بَعْدَكَ بِالْجَهْلِ

ومثال ((عد)) قوله:

۱۲۴- فَلَا تَعُدِّ الْمَوْلَى شَرِيئَكَ فِي الْغِنَى
وَلَكِنَّمَا الْمَوْلَى شَرِيئَكَ فِي الْعُدْمِ

ومثال ((حجا)) قوله:

۱۲۵- قَدْ كُنْتُ أَحْجُو أَبَاعْمُرَ وَأَخَائِقَهُ
حَتَّى أَلْمُتُ بِنَايَوْمًا مُلْمَأَتًا

ومثال ((جعل)) قوله تعالى: ﴿وَجْعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَّا لَا﴾

وقيد المصنف ((جعل)) بكونها بمعنى اعتقاد احتراماً من ((جعل)) التي بمعنى ((صير))

فإنها من أفعال التحويل، لا من أفعال القلوب.

ومثال ((هب)) قوله:

۱۲۶- فَقُلْتُ: أَجْرُنِي أِبَامَالِكَ،
وَالْأَفْهَبُنِّي أَمْرًا هَالِكًا

وبه المصنف بقوله: ((أعنى رأى)) على أن أفعال القلوب منها ما ينصب مفعولين وهو

((رأى)) وما بعده مما ذكره المصنف في هذا الباب، ومنها ما ليس كذلك، وهو قسمان: لازم، نحو:

((جَبُنْ زَيْدًا)) ومتعد إلى واحد، نحو: ((كُرِهْتُ زَيْدًا))

هذا ما يتعلق بالقسم الأول من أفعال هذا الباب، وهو أفعال القلوب وأما أفعال

التحويل - وهي المرادة بقوله: ((والتي كصيرا - إلى آخره)) فتعدى أيضا إلى مفعولين أصلهما

المبتدأ والخبر، وعدھا بعضهم سبعة: ((صیر)) نحو: ((صیرت الطین خزفا)) و((جعل)) نحو قوله تعالى: ﴿وقدمنا إلى ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثوراً﴾ و((وہب)) كقولهم: ((وہبني الله فداك)) ای صیرني، و((تخذ)) كقوله تعالى: ﴿لتتخذك عليه أجراً﴾ و((اتخذ)) كقوله تعالى: ﴿واتخذ الله إبراهيم خلیلاً﴾، و((ترك)) كقوله تعالى: ﴿وتركنا بعضهم يومئذ يموج في بعض﴾ و قول الشاعر:

۱۲۷- وَرَبِّيْتُهُ حَتَّى إِذَا مَا تَرَ كَيْتُهُ
أَخَالَ الْقَوْمَ وَاسْتَفْنَى عَنِ الْمَسْحِ شَارِبُهُ

و((رد)) كقوله:

۱۲۸- رَمَى الْجِدْفَانُ نِسْوَةَ آلِ حَرْبٍ
بِمَقْدَارِ سَمْدَانَ لَبَّةٍ سُودَا
فَرَدَّ شُعُورَهُنَّ السُّودَ بِيضًا
وَرَدَّوْجُوهُنَّ الْبِيضَ سُودَا.

ترجمہ و تشریح:

ظَنُّ و اخواتها اور اس کی قسمیں:

ظَنُّ و اخواتها کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) افعال قلوب (۲) افعال تحویل۔

پھر افعال قلوب کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو یقین پر دلالت کرتے ہیں اور دوسری وہ جو رجحان پر دلالت کرتے ہیں

پہلی قسم میں سے مصنف نے پانچ کوڈ کر کیا ہے اور دوسری میں سے آٹھ کو۔ اب ہر ایک کی مثال پیش کی جاتی ہے۔

رای کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

رَأَيْتُ الثَّلَاةَ اكْبَرَ كُلِّ شَيْءٍ
مَعَاوِلَةً وَ أَكْثَرَهُمْ جُنُودًا

ترجمہ:..... میں نے یقین کیا اللہ تعالیٰ پر کہ وہ ہر چیز سے بڑے ہیں قوت و قدرت کے اعتبار سے اور تمام لوگوں سے لشکر کے اعتبار سے زیادہ ہیں۔

تشریح المفردات:

(مُحَاوَلَةٌ) باب مفاعلہ کا مصدر ہے قوت و قدرت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ (جنود) لشکر (جُنْد) کی جمع ہے قرآن کریم میں ہے: وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ اس کی جمع اجناد بھی آتی ہے۔

محل استشہاد:

(رایٹ) محل استشہاد ہے یہاں رای فعل قلب استعمال ہوا ہے یقین کے معنی میں ہے دو مفعولوں کو اس نے نصب دیا ہے ایک لفظ اللہ ہے اور ایک اکبر۔

وقد تستعمل الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ کبھی رای ظن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا قول ہے۔ انہم يَرَوْنَهُ بَعِيدًا اِي يُظَنُّوْنَهُ بَعِيدًا (یہ لوگ قیامت کے دن کو قریب سمجھتے ہیں)

ومثال علم الخ:

فعل قلب کی ایک مثال عَلِمَ بھی ہے جیسے: عَلِمْتُ زَيْدًا أَخَاكَ اور شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۱۸- عَلِمْتُكَ الْبَاذِلَ الْمَعْرُوفَ فَاَنْبَعَثْتُ

الْيَكِّ وَاجْفَاثَ الشُّوقِ وَالْأَمَلِ

ترجمہ:..... میں نے یقین کیا آپ پر کہ آپ مال خرچ کرنے والے ہیں پس شوق اور امید کے اسباب مجھے آپ کی طرف اٹھا کر لائے۔

تشریح المفردات:

(الباذل) نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے خرچ کرنے والا (المعروف) ترکیب کے اعتبار سے یہ منصوب بھی پڑھا جاسکتا ہے اور مجرور بھی، منصوب کی صورت میں یہ (بساذل) اسم فاعل شبہ فعل کیلئے مفعول ہے اور مجرور کی صورت

میں یہ (بازل) کیلئے مضاف الیہ ہوگا۔ (انبعث) باب انفعال سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اٹھانے کے معنی میں ہے۔ (واجفات) واجفۃ کی جمع ہے ضرب سے تیز چلنے اور دوڑنے کے معنی میں ہے یہاں مراد اسباب اور دواعی ہیں، (واجفات الشوق والامل) میں مشہ بہ کی اضافت مشہہ کی طرف ہے شوق اور امل کو تیز گھوڑوں سے تشبیہ دی ہے کہ یہ دونوں تیز گھوڑوں کی طرح انسان کو دور تک لے جاتے ہیں۔

محل استشہاد:

”عَلِمْتُ كَالْبِأْدَالِ الْمَعْرُوفِ“ محل استشہاد ہے یہاں علمت فعل قلب یقین کے معنی میں ہے اور دلیل یقین پر یہ ہے کہ یہاں شاعر کا مقصد مخاطب کی تعریف اور اس کی سخاوت کو بیان کرنا ہے اور یہ یقین ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے، یہاں عَلِمْتُ نے دو مفعولوں کو نصب دیا ہے ایک کاف ضمیر دوسرا الباذل۔

ومثال وجد الخ

وَجَدَ كِیْ مِثَالِ اللّٰهِ تَعَالٰی كَا یَہِ قَوْلِہِ ”وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ“ یہاں وَجَدَ بمعنی یقین ہے اس نے بھی دو مفعولوں کو نصب دیا ہے۔
دَری کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

ذُرَيْتُ الْوَفِيِّ الْعَهْدِ يَاعُرُو فَاغْتَبِطُ
لَأَنْ اغْتَبِطَ بِالْوَفَاءِ حَمِيْدُ

ترجمہ:..... اے عروہ یقین کیا گیا آپ پر کہ آپ وعدہ کو پورا کرنے والے ہیں۔ پس لوگوں کو آپ پر رشک کرنا چاہیے اس لئے کہ وعدہ پورا کرنے پر رشک کرنا اچھی چیز ہے۔

تشریح المفردات:

(ذُرَيْتُ) آپ پر یقین کیا گیا (الْوَفِيُّ) صفت مشہہ کا صیغہ ہے بمعنی وفادار۔ وعدہ کو پورا کرنے والا۔ اس کی جمع اوفیاء آتی ہے از ضرب الْعَهْدِ کو مرفوع بنا بر فاعلیت اور مجرور بنا بر اضافت اور منصوب بنا بر تشبیہ بالمفعول بھی پڑھ سکتے ہیں۔ (عُرُو) یہ منادئی مرخم ہے بحذف التاء اصل میں یَاعُرُوۃ تھا۔ (اغْتَبِطُ) امر کا صیغہ ہے۔ یہاں اگرچہ بظاہر یہ معنی ہے کہ تم رشک کرو لیکن مراد لِيَسْتَبِطَ عَلَيكْ غَيْرُكَ ہے کہ غیر کو چاہیے کہ آپ پر غبطہ

کرے۔

واضح رہے کہ غبطہ میں غیر کی نعمت کے حصول کی تمنا ہوتی ہے اس غیر سے زوال کی تمنا نہیں اور حسد میں غیر سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا ہوتی ہے۔ چاہے خود اس تمنا کرنے والے کو حاصل ہو یا نہ ہو اس لئے حسد شریعت میں جائز ہے اور غبطہ ناجائز نہیں ایک حدیث شریف میں لَاحَسَدَ الْآفِي اَيْنِنِ الْخِ آيَا هِيَ لِيَكُنْ وَهَانَ غِبْطُهُ مَرَادُ هِيَ۔

محل استشہاد:

(دریت الوفی العہد) محل استشہاد ہے (دریت) فعل قلب یقین کے معنی مستعمل ہے پہلا مفعول تا ضمیر اور نائب فاعل ہے (الوفی العہد) مفعول ثانی۔

و مثال تَعَلَّمَ:

یقین پر دلالت کرنے والے افعال قلوب میں سے ایک تَعَلَّمَ بھی ہے واضح رہے کہ اس سے مراد وہ تَعَلَّمَ ہے جو اَعْلَمَ کے معنی میں ہے اور وہ مراد نہیں جو تَعَلَّمَ النحو، تَعَلَّمَ الفقه میں ذکر ہے اور ان دونوں کے درمیان تین فرق ہیں۔

(۱) پہلا یہ کہ تَعَلَّمَ النحو کی مراد مستقبل میں علم حاصل کرنے کا حکم ہے اور وہ اسباب علم کے حصول کے ساتھ ہے اور مثلاً تَعَلَّمَ اَنْكَ نَاجِحٌ مِیْ زَیْرٍ بَحْثٌ تَعَلَّمَ مِیْ فِی الْحَالِ مَا بَعْدَ كِی بَاتٌ كُو جَانَا هِی۔
(۲) دوسرا یہ کہ ظن کے اخوات میں جو تَعَلَّمَ آيا ہے یہ دو مفعولوں کی طرف محدود ہوتا ہے اور دوسرا والا تَعَلَّمَ ایک مفعول کی طرف۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ جو تَعَلَّمَ اخوات ظن میں سے ہے وہ جامد اور غیر متصرف ہے یعنی اس میں گردائیں نہیں ہوتی اور دوسرا تَعَلَّمَ متصرف ہے تصرف تام کے ساتھ یعنی ماضی سے آخر تک اس میں گردائیں ہوتی ہیں۔
الغرض تَعَلَّمَ کی مثال (جو اَعْلَمَ کے معنی میں ہے) شاعر کا یہ قول ہے:

۱۲۰- تَعَلَّمَ شِفَاءَ النَّفْسِ قَهْرَ عَدُوِّهَا

فَبَالِغَ بَلَطِ فِي التَّحْيِيلِ وَالْمَكْرِ

ترجمہ:..... آپ یقین کریں کہ نفس کی شفاء (علاج) اس کے دشمن پر غالب آنے میں ہے پس آپ نرمی سے بھرپور کوشش کریں حیلہ اور خفیہ تدبیر کرنے میں۔

تشریح المفردات:

(قہر) فتح سے مصدر ہے غالب آنا۔ (لطف) نصر کا مصدر ہے نرمی کرنا اور کرم سے بمعنی باریک ہونا۔ (التحیل) حیلہ کر کے کسی چیز کو حاصل کرنا (مکسر) دھوکا، چال، جب مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے معروف کرم مراد نہیں ہوتا بلکہ خفیہ تدبیر مراد ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ وَمَكْرُوهًا وَمَكْرًا اللَّهُ۔

محل استشہاد:

”تَعَلَّمَ شِفَاءَ النَّفْسِ قَهْرًا وَعَدْوًا“ محل استشہاد ہے۔ یہاں تَعَلَّمَ اعْلَمَ کے معنی میں ہے یقین کا معنی دیتا ہے دو مفعولوں کو اس نے نصب دیا ہے ایک شفاء النفس ہے دوسرا قہر عدوہا ہے۔

یہ وہ افعال تھے جو یقین پر دلالت کرتے ہیں اور جو رجحان (کسی ایک طرف ترجیح دینے) پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے ایک خَالَ ہے جیسے: خَلْتُ زَيْدًا أَخَاكَ كَبْغِي ”خَالَ“ یقین کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے: شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۱- دَعَاَنِی الْغَوَانِیَ عَمَّهُنَّ، وَخَلْتَنِی

لِی اسْمٌ فَلَا أُدْعِیْ بِهِ وَهُوَ اَوَّلُ

ترجمہ:..... زیب وزینت سے بے نیاز خوبصورت لڑکیوں نے مجھے چچا کہہ کر پکارا حالانکہ

مجھے یقین ہے کہ میرا پنا ایک اصلی نام ہے پس مجھے اس نام سے نہیں پکارا جاتا ہے

حالانکہ وہ میرا پہلا نام ہے۔

تشریح المفردات:

(الغوانی) غانیه کی جمع ہے اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے جمال و خوب صورتی کی وجہ سے زینت کرنے سے مستغنی (بے نیاز) ہو۔ (عم) چچا (لی اسم) میں (لی) خبر مقدم اور (اسم) مبتدأ مؤخر ہے۔ فلا أدعی بہ اصل میں علی تقدیر الانکار ہے ای فلا أدعی بہ کیوں مجھے اس نام سے نہیں پکارا جاتا ہے۔

محل استشہاد:

(مَجْلُتْسِي لِي اسْمٍ) محل استشہاد ہے یہاں (مَجْلُتْسِي) یقین کے معنی میں استعمال ہوا ظنن یا ترّد مراد نہیں اس لئے کہ ہر ایک آدمی کو اپنے نام کے بارے میں یقینی معلوم ہوتا ہے ”ی“ ضمیر متکلم اس کیلئے مفعول اول اور (لِي اسْمٍ) جملہ اسمیہ ہو کر مفعول ثانی۔

(ظَنَّتْ) رجحان پر دلالت کرنے والے افعال میں سے ایک (ظَنَّتْ) بھی ہے جیسے: ظَنَّتْ زَيْدًا مَاصِحَكَ، کبھی یقین کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول: وَظَنُّوا أَن لَّمْ يَلْحَاقَ مِنَّا إِلَهُهُ (انہوں نے یقین کیا کہ اللہ کے عذاب سے کوئی پناہ گاہ نہیں مگر اسی کی طرف) یہاں یقین کا معنی مراد ہے۔

رجحان پر دلالت کرنے والے افعال میں سے حَسِبْتُ بھی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ”حَسِبْتُ زَيْدًا مَاصِحَكَ“ اور کبھی حَسِبْتُ بھی یقین کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۲- حَسِبْتُ التَّقَى وَالْجُودَ خَيْرَ تِجَارَةٍ

رَبَاخًا، إِذَا مَالَ مَرءٌ أَصْبَحَ نَاقِلًا

ترجمہ:..... میں نے یقین کیا تقویٰ اور سخاوت پر کہ وہ نفع کے اعتبار سے بہترین تجارت ہے۔ اس وقت جب آدمی نقل ہو جاتا ہے (یعنی جب آدمی کی موت آ جاتی ہے تو اس کا بدن بھاری ہو جاتا ہے اور جب تک اس میں روح ہوتی ہے اس کا بدن ہلکا ہلکا رہتا ہے)

تشریح المفردات:

(التَّقَى) تَقَاةٌ کی جمع ہے پرہیزگاری اور خوفِ خدا، تقویٰ سے ماخوذ ہے والتَّقْوَى حفظ النفس من العذاب بامثال الاوامر واجتناب النواهي. (جود) سخاوت از نصر (رباح) بروزن سلام سمع کا مصدر ہے نفع والا ہونا، (ناقلا) بھاری از نصر، مراد یہاں میت ہے کہ وہ بھاری ہوتا ہے۔ یہ شعر مشہور شاعر حضرت لید رضی اللہ عنہ کا ہے جو آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر مشرف باسلام ہوئے آپ کے اشعار السبع المعلقة کا حصہ بنے ہیں۔

محل استشہاد:

”حَسِبْتُ التَّقِيَّ وَالْجَوْدَ خَيْرَ تِجَارَةٍ“ محل استشہاد ہے یہاں شاعر نے حسبُت کو علمت کے معنی میں استعمال کیا ہے اور اس نے دو مفعولوں کو نصب دیا ہے۔ ایک (التقی والجود) ہے اور دوسرا (خیر تجارۃ) ہے۔

اور زعم کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۳- فَإِنْ تَزْعُمِينِي كُنْتُ أَجْهَلُ فَيْكُمْ

فَأَنَّى شَرَيْتُ الْحِلْمَ بَعْدَكَ بِالْجَهْلِ

ترجمہ:..... اگر آپ میرے اوپر گمان کرتی ہو کہ میں تمہارے اندر رہ کر جہالت کرتا تھا تو اب (وہ حالت میں نے تبدیل کی اور جہالت کو چھوڑا) میں نے جہل کے بدلے بردباری کو خریدا ہے آپ سے جدا ہونے کے بعد۔

تشریح المفردات:

(تزعمی) واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے آخر سے نون اعرابی گرا دیا اس لئے کہ شروع میں ان شرطیہ آیا ہے۔ نصر سے ہے بمعنی گمان کرنا۔ (اجہل) یہ مضارع معروف واحد متکلم کا صیغہ ہے از سمع، اسم تفضیل کا صیغہ نہیں۔ (جہل) نا سنجی بے وقوفی، یہاں بربادی کے مقابل مراد ہے یعنی ہلکا پن (حلم) بردباری۔

محل استشہاد:

(تزعمینی کنتُ اجہلُ فیکم) محل استشہاد ہے۔ یہاں (زعم) رجحان کے معنی میں مستعمل ہے اور دو مفعولوں کو اس نے نصب دیا ہے ایک یاء متکلم اور دوسرا (کان) اپنے معمولین سمیت۔

ومثالُ عَدَّ:

عَدَّ کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

۱۲۴- فَلَا تَعُدُّ الْمَوْلَىٰ شَرِيكَكَ فِي الْغِنَىٰ

وَلَكِنَّمَا الْمَوْلَىٰ شَرِيكَكَ فِي الْعُدْمِ

ترجمہ:..... آپ گمان کریں کہ جو آپ کے ساتھ مالداری میں ساتھ ہے وہ آپ کا ساتھی ہے لیکن حقیقت میں آپ کا دوست وہ ہے جو حالت فقر میں آپ کے ساتھ ہو۔

تشریح المفردات:

(المولیٰ) اس کے مختلف معانی آتے ہیں (لک العز ان مولاک عزیز) والے شعر میں اس کی تفصیل

گزری ہے۔ یہاں اس سے مراد مد کرنے والا۔ یا خالص دوست ہے (الغنی) مالداری، (العدم) سماع کا مصدر ہے فقر و غربت۔ یہ شعر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا ہے آپ کے والد بھی صحابی رسول تھے۔

محل استشہاد:

(لا تعدد المولیٰ شریکک) محل استشہاد ہے۔ یہاں (لا تعدد) فعل قلب بمعنی ظن ورجحان استعمال

ہوا ہے دو مفعولوں کو اس نے نصب دیا ہے ایک (مولیٰ) اور دوسرا (شریک) ہے۔

و مثال حجاج الخ:

حجاج کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

۱۲۵- لَقَدْ كُنْتُ أَحِبُّوَابَا عَمْرٍأَخْبَثَةً

حَتَّى الْمَثِّ بِنَايَوْمٍ مِّمْلَمَاتٍ

ترجمہ:..... میں گمان کرتا تھا ابو عمر پر کہ وہ با اعتماد بھائی ہے یہاں تک کہ ایک دن

ہمارے اوپر نازل ہونے والی مصیبتیں آئیں۔ (اور اس نے میرا ساتھ نہ دیا تب

پتہ چلا کہ وہ میرے گمان کے مطابق نہیں)

تشریح المفردات:

(احجو) متکلم واحد کا صیغہ ہے گمان کرنے کے معنی میں ہے اخ بھائی، دوست، نفقة، عدة کے وزن پر باب

حَسِبَ سے ہے اعتماد کو کہا جاتا ہے۔ (المث) باب افعال سے واحد مؤنث غائب بمعنی نازل ہونا۔ (ملقات) نازل ہونے والی آفت، مصیبت، مُبْلِمَةٌ کی جمع ہے۔

محل استشہاد:

(أَحْجُوا بِأَعْمَرَ أَخًا ثِقَةً) محل استشہاد ہے۔ یہاں (أَحْجُوا) فعل قلب بمعنی ظن ورجحان کے ہے (ابا عمر) مفعول اول (أَخًا ثِقَةً) موصوف صفت مفعول ثانی:

ومثال جعل الخ:

”جعل“ کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

”وجعلوا الملائكة الذين هم عباد الرحمن إنانا“

وَقَيْدُ الخ:

مصنف نے ”جَعَلَ الخ“ کا عقیدہ ”کہہ اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ افعال قلوب سے تعلق رکھنے والا ”جَعَلَ“ وہ ہے جو اعتقاد کے معنی میں ہو۔ اس سے احتراز کیا اس ”جَعَلَ“ سے جو صَيَّر کے معنی میں ہو اس لئے کہ وہ افعال تحویل میں سے ہے نہ کہ افعال قلوب میں سے۔

ومثال هَب الخ:

هَب کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۶- فَقُلْتُ أَجْرُنِي أَبَا مَالِك

وَالْأَفْهَمِي أَمْرًا هَالِكًا

ترجمہ:..... پس میں نے کہا کہ آپ مجھے پناہ دیں اے ابومالک ورنہ آپ مجھے ہلاک

ہونے والا آدمی سمجھیں۔

تشریح المفردات:

(أَجْرُ) باب افعال سے امر واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ حروف اصل یہ ج، و، ر ہیں ”أَجَارَ يُجِيرُ أَجَارَةٌ“

شاہ دینے کے معنی میں ہے۔ (ہب) فعل قلب ہے امر کا صیغہ ہے اس سے ماضی اور مضارع کا صیغہ نہیں آتا جبکہ وَهَبَ
ہب سے امر کا صیغہ بھی۔ (ہب) آتا ہے لیکن اس صورت میں یہ فعل قلب نہیں۔

محل استشہاد:

(هَبْنِي امْرَأَ هَالِكًا) محل استشہاد ہے۔ (هَبْ) فعل قلب بمعنی ظن ہے (ی) مفعول اول (امرء هَالِكًا) موصوف صفت مفعول ثانی۔

رَبِّهِ الْمَصْنُفُ بِقَوْلِهِ "اعني رأی" الخ:

مصنف علیہ الرحمۃ نے انصب بفعل القلب جزائی ابتدا یعنی رأی الخ: کہہ کر اس بات پر تشبیہ کی کہ
فعال قلوب میں سے بعض ایسے ہیں جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں۔ جیسے "رأی" وغیرہ۔
اور بعض ایسے ہیں جو دو کی طرف متعدی نہیں ہوتے۔ بعض ایک کی طرف متعدی ہوتے ہیں جیسے كَرِهْتُ
يَدًا اور بعض لازم ہوتے ہیں جیسے: جَبُنَ زَيْدًا۔

لذا ما يتعلق:

شارح فرماتے ہیں کہ جن افعال کا ذکر یہاں تک ہو اوہ افعال قلوب کی قسم تھی اب افعال تحویل کا ذکر ہو رہا
ہے، ان افعال تحویل کی طرف مصنف نے اپنے اس قول "والتى كَصَيْرًا" الخ کے ساتھ اشارہ کیا ہے یہ ایسے
مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں جو اصل کے اعتبار سے مبتدأ خبر ہوتے ہیں یعنی مفعول بننے سے پہلے وہ مبتدأ خبر
کہلاتے ہیں۔ بعض حضرات نے ان کو سات تک گنا ہے۔

(۱) صَيْرٌ جَيْسٌ صَيْرٌ الطينَ خَزَفًا

(۲) "جَعَلَ" جَيْسٌ "وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا"

(۳) وَهَبَ جَيْسٌ وَهَبَنِي اللَّهُ لِذَاكَ بِمَعْنَى صَيْرُنِي

(۴) تَخَذَ جَيْسٌ لَتَخَذَ عَلَيْهِ اجْرًا (یہ مشہور روایت نہیں قرآن کریم کی مشہور روایت لَا تَخَذُتْ، کے ساتھ

ہے)

(۵) اتَّخَذَ جَيْسٌ اتَّخَذَ اللَّهُ اِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا

(۶) تَرَكَ جیسے "وَتَرَ كُنَّا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ" اور شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۲۷- وَرَبُّيْتَهُ حَتَّى إِذَا مَا تَرَ كُنْتَهُ

أَخَا الْقَوْمِ وَاسْتَفْنَىٰ عَنِ الْمَسْحِ شَارِبُهُ

ترجمہ:..... میں نے اپنے بیٹے کی پرورش کی یہاں تک کہ جب اس کو میں نے قوم کا ایک فرد بنایا اور اس کی مونچھیں صاف کرنے سے بے نیاز ہوئیں۔ (بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو وہ اپنا منہ ہاتھ خود صاف نہیں کر سکتا بلکہ والدین اس کی صفائی کرتے ہیں "شاعر یہاں کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کی پرورش کی یہاں تک کہ اس کو میں نے قوم کا ایک مستقل فرد بنایا اور وہ اس قابل ہوا کہ وہ خود اپنی صفائی وغیرہ کا اہتمام کر سکے۔ آگے "إِذَا مَا تَرَ كُنْتَهُ" کا جواب دوسرے شعر میں ہے اور وہ یہ ہے

تَفَمَّدَ حَقِّي ظَالِمًا وَلَوْ يَدِي

لَوْ يَدُهُ اللَّهُ الَّذِي هُوَ غَالِبُهُ

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس نے میرا حق دبا یا اور میرا ہاتھ مروڑا اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ مروڑ دے وہ اللہ جو اس پر غالب ہے۔

تشریح المفردات:

(رَبَّيْتُ زَيْبِي يُرَبِّي تَرْبِيَةً) باب تفعیل سے واحد متکلم کا صیغہ ہے تربیت کرنا، پرورش کرنا،

(أَخَو الْقَوْمِ) قوم کا بھائی، قوم کا فرد (تَرَ كُنْتَهُ) یہاں ترک صیغہ کے معنی میں ہے۔ (شَارِبُهُ) مونچھ جمع اس کی

شوارب آتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے (اعْقُوا اللَّحْيَ وَالْقِصَافَ الشَّوَارِبَ)۔

محل استشہاد:

(تَرَ كُنْتَهُ أَخَا الْقَوْمِ) محل استشہاد ہے۔

شان ورود:..... فرعان بن الاعرف یا فرعان بن الاصبع کا شعر ہے اپنے بیٹے منازل کے حلقہ یہ اشعار اس

نے کہے ہیں اس کا بیٹا اس کا نافرمان تھا۔ یہاں یہ اپنے بیٹے سے گلہ شکوہ کر رہا ہے۔

وَرَدَ الخ:

”رَدّ“ کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۸- رَمَى الْحِدَثَانُ نِسْوَةَ آلِ حَرْبٍ
بِمَقْدَارٍ سَمَدَنْ لَهْ سُمُودًا
فَرَدُّهُنَّ مَوَزَهْنَ السُّودِيضًا
وَرَدُّوهُنَّ وَهَهُنَّ الْبِيضَ سُوودًا

ترجمہ:..... زمانہ کے حوادث نے آل حرب کی عورتوں کو اس مقدار پر پھینکا کہ اس کی وجہ سے وہ غمگین ہو گئیں۔ پس حوادث نے ان کے کالے بالوں کو سفید اور ان کے سفید چہروں کو کالا کر دیا۔

تشریح المفردات:

(الحديثان) دال اور تاء کے فتح کے ساتھ مصائب کے نئے ہونے کو کہا جاتا ہے اس صورت میں یہ حالت رقی میں ہوگا تشنیه کا صیغہ ہے علامہ عینی نے اس کی تفسیر دن، رات کے ساتھ کی ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ آل حرب کی عورتوں پر دن رات ناموافق آئے، اس صورت میں علیہ کی ضمیر مقدار کی طرف راجع ہے لیکن شرح ابن عقیل کے محشی کی رائی یہ ہے کہ یہ تشنیه کا صیغہ نہیں ہے بلکہ یہ حاء کے کسرے اور دال کے سکون کے ساتھ زمانہ کے مصائب و حوادث کو کہا جاتا ہے۔ (سمدن) نصر سے غمگین ہونا، خوش ہونا، یہ اضداد میں سے ہے۔ یہاں غمگین ہونے کا معنی مراد ہے۔ (رَدّ) صیغہ کے معنی میں ہے کسی چیز کی اصلی حالت کو تبدیل کرنا۔ (رَدُّ وَجْوهَهُنَّ الخ) سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ زمانہ کے حوادث نے ان عورتوں کے کالے بالوں کو سفید اور سفید اور خوب صورت چہروں کو کالا کیا یعنی جس چیز کا کالا ہونا چاہیے وہ سفید کر دی اور جس کا سفید ہونا چاہیے وہ کالی کر دی۔ شرح ابن عقیل کے حاشیہ میں ہے کہ عریبان بن ہبشم عبد الملک بن مروان کے ہاں چلا گیا تو عبد الملک نے سوال کیا۔ کیا حال ہے؟ تو عریبان نے جواب میں کہا کہ جس چیز کو میں کالا ہونا پسند کرتا تھا (یعنی بال) وہ چیز سفید ہو گئی اور جس کو میں سفید ہونا پسند کرتا تھا (یعنی چہرہ) وہ کالی ہو گئی۔

وَحُصِّنَ بِالتَّعْلِيْقِ وَالْإِلْغَاءِ مَا
مِنْ قَبْلِ هَبٍّ وَالْأَمْرِ هَبُّ قَدْ أَلْزَمَا
كَذَلِكَ تَعَلَّمٌ وَلِغَيْرِ الْمَاضِي مِنْ
بِوَاهِمَاجَعَلْ كَلَّ مَالَهُ زُكِنَ

ترجمہ:..... تعلق اور الغاء کے ساتھ آپ خاص کریں ان افعال کو جو هَبُّ سے پہلے
ہیں اور امر کے ساتھ هَبُّ کو لازم کیا گیا اسی طرح تَعَلَّم بھی ہے (یعنی وہ بھی
صرف امر کے ساتھ خاص ہے) اور ان دونوں (هَبُّ، تَعَلَّم) کی ماضی کے علاوہ
کیلئے وہی حکم ثابت کریں جو ماضی کیلئے معلوم ہے۔

(ش) تقدم أن هذه الأفعال قسما أحدهما: أفعال القلوب، والثاني: أفعال التحويل، فأما أفعال
القلوب فتقسم إلى: متصرفة، وغير متصرفة.

فالمتصرفة: ما عدا ((هَبُّ)) و((تَعَلَّم)) فيستعمل منها الماضي، نحو ((ظننتُ زيدًا قائمًا))
وغير الماضي—وهو المضارع، نحو: ((ظنُّ زيدًا قائمًا)) والأمر، نحو: ((ظنُّ زيدًا قائمًا)) واسمُ
الفاعل، نحو: ((الاطَّانُ زيدًا قائمًا)) واسم المفعول، نحو: ((زَيْدٌ مَظْنُونٌ أبوه قائمًا)) فأبوه: هو المفعول
الاول، وارتفع لقيامه مقام الفاعل، و((قائمًا)) المفعول الثاني، والمصدر، نحو: ((عَجِبْتُ مِنْ ظَنِّكَ
زَيْدًا قائمًا))—ويثبت لها كلها من العمل وغيره ما ثبت للماضي.

وغير المتصرف اثنتان—وهما: هَبُّ، و((تَعَلَّم))، بمعنى اعلم— فلا يستعمل منهما الا صيغة الأمر،

كقوله:

تَعَلَّمْ شِفَاءَ النَّفْسِ قَهْرَ عَدُوِّهَا
فَبَالَغْ بِلُطْفِ فِي التَّحْيِيلِ وَالْمَكْرِ

وقوله:

فَقُلْتُ: أَجْرُنِي بِأَمْوَالِكِ
وَالْأَهْبِيئِي أُمْرًا هَالِكًا

واختصت القلبية المتصرفة بالتعليق والإلغاء فالعَلِيق هو: ترك العمل لفظاً دون معنى لمانع، نحو: ((ظَنَنْتُ لَزَيْدًا قَائِمًا)) لقولك ((لَزَيْدًا قَائِمًا)) لم تعمل فيه ((ظننت)) لفظاً لأجل المانع لها من ذلك، وهو اللام، ولكنه في موضع نصب، بدليل أنك لو عطفت عليه لنصبت، نحو: ((ظننت لزيد قائم وعمرًا منطلقاً)) فهي عاملة في ((لزيد قائم)) في المعنى دون اللفظ والالغاء هو ترك العمل لفظاً ومعنى لالمانع نحو "زيد ظننت قائم" فليس لـ "ظننت عمل في "زيد قائم" لافى المعنى، ولا فى اللفظ.

ويثبت للمضارع وما بعده من التعليق وغيره مائت للماضى، نحو: ((أظنُّ لَزَيْدًا قَائِمًا)) و ((زَيْدًا أَظنُّ قَائِمًا)) وأحواتها. وغير المتصرفة لا يكون فيها تعليق ولا إلغاء، وكذلك أفعال التحويل نحو: ((صير)) وأحواتها.

ترجمہ و تشریح:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ ان افعال کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) افعال قلوب (۲) افعال تحويل۔
پھر افعال قلوب کی دو قسمیں تھیں۔ (۱) محصر ذہ (۲) غیر محصر ذہ۔

متصرفہ وہ افعال قلوب کہلاتے ہیں جو هَبَّ اور تَعَلَّمَ کے علاوہ ہیں اور ان سے ماضی مضارع اسم فاعل اسم مفعول مصدر سب استعمال ہوتے ہیں اور ان سب کیلئے وہی احکام ثابت ہو گئے جو ان کے ماضی کیلئے ہیں۔ (شرح میں مثالیں موجود ہیں) اور غیر متصرفہ افعال (یعنی هَبَّ اور تَعَلَّمَ) سے صرف امر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے (جس کی پوری تفصیل پہلے گزر چکی) یہاں شعر لانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تَعَلَّمَ صیغہ امر کے ساتھ ہی استعمال ہوا ہے اسی طرح هَبَّ کی مثال وَالْأَفْهَبُنِي امْرَأًا هَالِكًا میں هَبَّ امر ہی استعمال ہوا ہے۔ (اس شعر کی تشریح بھی چند صفحات پہلے گزری ہے)

افعال قلوب متصرفہ کا تعلق اور الغاء کے ساتھ خاص ہونا:

اس تمہید کے بعد شارح متن کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ افعال قلوب متصرفہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تعلق بھی ہوتی ہے اور الغاء بھی، یعنی تعلق اور الغاء دونوں کا ہونا افعال قلوب کے ساتھ خاص ہیں اگرچہ ان

دونوں میں ایک یعنی تعلق ان افعال کے علاوہ میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ان میں الغاء نہیں ہوتا اور بعض ایسے افعال ہوتے ہیں کہ جن میں صرف الغاء ہوتا ہے تعلق نہیں ہوتی۔

تعلق کی تعریف:

تعلق کا لغوی معنی معلق ہو جانا، اور اصطلاح میں ”عامل کے عمل کا لفظوں میں متروک ہو جانا کسی مانع کی وجہ سے یعنی عامل عمل تو کرے لیکن لفظوں میں نہ کرے بلکہ معنی میں کرے اس کو محلاً اعراب کہتے ہیں جیسے ظننت لزیڈ قائم“ یہاں لزیڈ قائم میں ظننت نے عمل نہیں کیا ہے اس لئے کہ یہاں مانع موجود ہے جو کہ لام ہے اس لئے کہ لام صدارت کلام چاہتا ہے اب اگر یہاں ظننت کو عمل دیا جائے تو لام کی صدارت فوت ہو جائے گی، لیکن عمل یہاں محلاً ہوا ہے اس لئے کہ اگر اس پر عطف ہوتا ہے تو وہ معطوف منصوب ہو جاتا ہے مثلاً ظننت لزیڈ قائم وعمراً منطلقاً یہاں عمراً منطلقاً، لزیڈ قائم پر عطف ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ دونوں کا اعراب ایک ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ لزیڈ قائم اگرچہ مانع کی وجہ سے لفظاً منصوب نہیں (بنا بر مفعولیت) لیکن معنی اور محلاً منصوب ہے۔

الغاء کی تعریف:

اس کا لغوی معنی ہے لغو قرار دینا اور اصطلاح میں ”عامل کے عمل کا لفظاً و معنی متروک ہو جانا بغیر کسی مانع لفظی کے جیسے زیڈ ظننت قائم یہاں ظننت نے زیڈ قائم میں عمل نہیں کیا ہے نہ لفظاً نہ معنی، یہاں اگرچہ لفظی مانع نہیں لیکن معنوی مانع موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جب عامل درمیان میں آتا ہے یا بعد میں آتا ہے تو وہ ضعیف ہوتا ہے اور ضعیف عامل عمل نہیں کرتا۔

ویشت للمضارع وما بعده الخ:

تعلق اور الغاء جس طرح ماضی میں ہوتے ہیں اسی طرح مضارع، اسم فاعل وغیرہ میں بھی ہوتے ہیں، جبکہ غیر متصرف (هَب، تَعَلَّمَ) میں نہ تعلق ہوتی ہے نہ الغاء اس لئے کہ وہ صرف ایک ہی لفظ یعنی امر کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو اس کے مناسب یہ ہے کہ وہ ہر وقت عمل کریں۔ اور افعال تحویل (صیتر اور اس کے اخوات) میں بھی تعلق والغاء دونوں نہیں ہوتے اس لئے کہ یہ قوی عامل ہیں یہ خود ذات میں اثر انداز ہوئے ہیں اور ان کو ایک حالت سے دوسری

حالت میں تبدیل کرتے ہیں مثلاً اتَّخَذَ فعل تحویل ہے اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا میں اتَّخَذَ نے لفظ ابراهيم میں اثر کیا جو کہ ذات ہے اور مُخَلَّة (دوستی) کی طرف ان کو منتقل کر دیا لہذا یہ قوی عامل ہو گئے اور قوی عامل ہر صورت میں عمل کرتے ہیں چاہے مؤخر ہوں یا مقدم اس وجہ سے اس میں تعلیق والغاء نہیں ہوتے۔ بخلاف افعال قلبیہ کے کہ وہ ذات میں اثر نہیں کرتے بلکہ ان احوال میں کرتے ہیں جو ان کے مفاعیل سے ماخوذ ہوتے ہیں مثلاً ظَنَنْتُ زَيْدًا قائمًا میں ظَنَنْتُ نے زید میں اثر نہیں کیا اور نہ اس کو کسی حالت سے تبدیل کیا بلکہ اس کے مفعول سے اخذ شدہ حدث (قیام میں) اثر کیا لہذا یہ کمزور عامل ہوئے اس وجہ سے اس میں تعلیق بھی ہوگی اور الغاء بھی۔

وَجَوُزِ الْاَلْغَاءِ لَا فِى الْاِبْتِدَاءِ
وَالْوَضْعِ وَالشَّانِ، اَوْ لَامِ الْاِبْتِدَاءِ
فِى مُوْهِمِ الْاَلْغَاءِ مَا تَقْدُمَا
وَالْتَّزِمَ التَّمْلِيْقُ قَبْلَ نَفْسِ مَا
وَ"اِنَّ" وَ"لَا" لَامِ الْاِبْتِدَاءِ، اَوْ قَسَمِ
كَلْمًا، وَالْاَسْتِفْهَامُ ذَا لِهٖ اَنْحَتَمِ

ترجمہ:..... الغاء کو آپ جائز قرار دیں شروع کے علاوہ میں، اور ضمیر شان کو یا لام ابتداء کو مقدمہ رمانیں اس کلام میں جو اس وہم میں ڈالے کہ مقدم ہونے کی صورت میں الغاء ہوا ہے۔ اور تعلق کو "ما" "اِنَّ" "لا" کی نفی سے پہلے لازم کیا گیا ہے۔ لام ابتداء اور قسم بھی اسی طرح ہے اور استفہام کیلئے بھی یہ حکم حتمی (یقینی اور ضروری) ہے۔

(ش) يجوز الغاء هذه الأفعال المتصرفة إذا وقعت في غير الابتداء، كما إذا وقعت وسطاً، نحو: ((زَيْدٌ ظَنَنْتُ قَائِمٌ)) أو آخرًا نحو "زَيْدٌ قَائِمٌ ظَنَنْتُ" وإذا توسطت فقبل الأعمال والالغاء سيان، وقبل: الإعمال أحسن من الإلغاء، وإن تأخرت فالإلغاء أحسن، وإن تقدمت امتنع الإلغاء عند البصريين، فلا تقول: ((ظَنَنْتُ زَيْدًا قَائِمًا)) بل يجب الإعمال؛ فنقول: ((ظَنَنْتُ زَيْدًا قَائِمًا)) فإن جاء من لسان العرب ما يهوم إلغاء ما مقدمة أوَّل على إضمار ضمير الشان، كقوله:

۱۲۹- أَرْجُو وَأْمَلُ أَنْ تَدْنُو مَوَدَّتُهَا

وَمَا إِخَالُ لَدَيْنَا مِنْكَ تَنْوِيلُ

فالتقدير: ((وما إخاله لدينا منك تنويل)) فالهاء ضمير الشأن، وهى المفعول الأول، و((لدينا

منك تنويل)) جملة فى موضع المفعول الثانى، وحينئذ فلإلغاء؛ أو على تقدير لام الابتداء؛ كقوله:

۱۳۰- كَذَاكَ أَذْبَتْ حَتَّى صَارَ مِنْ خُلُقِي

أَنْبَى وَجَدْتُ لِمَلَكَ الشَّيْمَةَ الْآدَبُ

التقدير: ((انى وجدت لملاك الشيمة الأدب)) فهو من باب التعليق، وليس من باب الإلغاء

فى شىء.

وذهب الكوفيون- وتبعهم ابوبكر الزبيدى وغيره- إلى جواز إلغاء المتقدم؛ فلا يحتاجون

إلى تأويل البيتين.

وإنما قال المصنف: ((وجوز الإلغاء)) لينبه على أن الإلغاء ليس بلازم، بل هو جائز، فحيث

جاز الإلغاء جاز الأعمال كما تقدم، وهذا بخلاف التعليق (لأنه لازم، ولهذا قال: ((والتزم التعليق))

فيجب التعليق إذا وقع بعد الفعل ((ما)) النافية، نحو: ((ظننت ما زيد قائم))، أو ((إن)) النافية،

نحو: ((علمت إن زيد قائم)) ومثله بقوله تعالى: ﴿وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا﴾، وقال بعضهم:

ليس هذا من باب التعليق فى شىء؛ لأن شرط التعليق أنه إذا حذف المعلق تسلط العامل على ما بعده

فينصب مفعولين، نحو: ((ظننت ما زيد قائم))؛ فلوحذفت ((ما)) لقلت: ((ظننت زيدا قائما)) والآية

الكريمة لا يتأتى فيها ذلك؛ لأنك لو حذف المعلق وهو ((إن)) - لم يتسلط ((تظنون)) على

((لبثتم))؛ إذ لا يقال: وتظنون لبثتم، هكذا زعم هذا القائل، ولعله مخالف لما هو كالمجمع عليه - من

أنه لا يشترط فى التعليق هذا الشرط الذى ذكره - وتمثيل النحويين للتعليق بالآية الكريمة وشبهها

يشهد لذلك.

وكذلك يعلق الفعل إذا وقع بعده ((لا)) النافية، نحو: ((ظننت لا زيد قائم ولا عمرو)) أو لام

الابتداء، نحو: ((ظننت لزيد قائم)) أو لام القسم، نحو: ((علمت ليقوم من زيد)) ولم يعد لها أحد من

النحویین من المعلقات أو الاستفهام وَلَهُ صَوْرٌ ثَلَاثٌ. أَنْ يَكُونَ أَحَدًا الْمَفْعُولِينَ اسْمِ اسْتِفْهَامٍ، نَحْوُ: ((عَلِمْتُ أَيُّهُمْ أَبُوكَ))، الثَّانِيَةَ: أَنْ يَكُونَ مِضَافًا إِلَى اسْمِ اسْتِفْهَامٍ، نَحْوُ: ((عَلِمْتُ غُلَامٌ أَيُّهُمْ أَبُوكَ))، الثَّالِثَةَ: أَنْ تَدْخُلَ عَلَيْهِ أَدَاةُ الاسْتِفْهَامِ، نَحْوُ: ((عَلِمْتُ أَيْدِيَّ عِنْدَكَ أُمِّ عَمْرٍو))؟ و((عَلِمْتُ هَلْ زَيْدٌ قَائِمٌ أُمِّ عَمْرٍو))؟

ترجمہ و تشریح:

کہاں الغاء ہوتا ہے؟

الغاء اور تعلق کی تعریف کے بعد اب وہ جگہیں بتائی جا رہی ہیں جہاں یہ دونوں ہوتے ہیں۔

چنانچہ متن کی شرح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ یہ افعال متصرفہ جب شروع کے علاوہ درمیان میں یا آخر میں واقع ہو جائیں تو ان کا الغاء جائز ہے جیسے: زَيْدٌ ظَنَّتُ قَائِمًا، زَيْدٌ قَائِمٌ ظَنَّتُ، اب جب درمیان میں واقع ہوں تو بہتر کیا ہے بعض کے نزدیک عمل دینا، یا ملٹی بنا نا دونوں برابر ہیں اس لئے کہ جب درمیان میں واقع ہونے کی وجہ سے یہ عامل ضعیف ہو گئے تو اس کے ساتھ عامل معنوی مقاوم ہوا اور وہ ابتداء ہے اور بعض کے نزدیک عمل دینا بہتر ہے اس لئے کہ عامل اگرچہ درمیان میں ہے لیکن لفظی ہونے کی وجہ سے اس میں قوت ہے اس وجہ سے عمل دینا چاہئے، اور اگر مؤخر ہو جائے جیسے: زَيْدٌ قَائِمٌ ظَنَّتُ تو پھر الغاء بہتر ہے۔

اب تقدیم کی صورت میں (جیسے: ظَنَّتُ زَيْدًا قَائِمًا) بصرین کے ہاں عمل دینا واجب ہے اور الغاء ممتنع ہے لہذا: ظَنَّتُ زَيْدًا قَائِمًا۔ پڑھنا جائز نہیں بلکہ ظَنَّتُ زَيْدًا قَائِمًا پڑھنا ضروری ہے بصرین کے مطابق اگر لسان عرب میں ایسا کلام آجائے جس میں بظاہر تقدیم کی صورت میں الغاء ہوتا ہو نظر آتا ہو تو اس صورت میں ضمیر شان کو مقدّر مانا جائے اور وہ ضمیر شان اس کیلئے اسم ہوگی اور ما بعد کا جملہ خبر۔ جیسے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۲۹ - أَرْجُو وَأُمِّلُ أَنْ تَدُنُو مَوَدَّتِهَا

وَمَا إِخَالُ لَدَيْنَنَا مِنْكَ تَنْوِيلُ

ترجمہ:..... مجھے امید ہے کہ سعادت کی محبت قریب ہو جائے گی اور میں خیال نہیں کرتا کہ ہمارے پاس آپ کا کوئی عطیہ ہو۔

تشریح المفردات:

(ارجو) مکلم کا صیغہ ہے از نصر امید کرنا (أمل) کا بھی یہی معنی ہے۔ (تَدَلُّوْا) دَنَا يَدُلُّوْا، نصر سے بمعنی قریب ہونا (مودة) دوستی، محبت، ازسمع (إخال) بکسر الهمزة سَمِعَ سے واحد مکلم کا صیغہ ہے خیال کرنا، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ (أخال) بفتح الهمزة ہو جس طرح بنواسد کی رائی ہے لیکن زیادہ تر استعمال اس کا ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

منک: یہاں محبوبہ کو خطاب ہے شروع شعر میں اس کو غائب تصور کر لیا پھر اس کو خطاب کیا، علم معانی کی اصطلاح میں اس کو التفات من الغیوبة الی التکلم کہا جاتا ہے (التفات کی باقی تسمیں مختصر المعانی میں موجود ہیں)

شان و روو:..... کعب بن زہیر مشہور شاعر ہیں ان کے والد بھی بلند پایہ شاعر تھے والد نے حضرت نبی آخر الزمان ﷺ کے آنے کی خبر اپنے بیٹے کعب کو دی تھی خود انتقال کر گئے۔ بعثت کے بعد کعب کے بھائی پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے کعب اپنے بھائی کے اسلام لانے پر سخت ناراض ہوا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعب کے قتل کا حکم دیا اسلئے کہ انہوں نے بھائی کے اسلام لانے کی مذمت میں شعر کہا تھا۔ بالآخر کعب خود دربار نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف میں ایک لہجہ قصیدہ پڑھا جو جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

بَانَكَ سَعَادُ فَلَئِي الْيَوْمَ مَقْبُولٌ
مُتَيْمٌ الرَّهْ أَلَمْ يُفَدَ مَكْبُولٌ
وَمَا سَعَادُ غَدَلَةَ الْبَيْنِ إِذْ رَحَلْتُ
إِلَّا غَنُّ غَضِيضِ الطَّرْفِ مَكْحُولٌ

الیٰ هذا الشعر المذكور فی الكتاب. (السبع المعلقات میں پورا قصیدہ موجود ہے)

محل استشہاد:

(مَا أَخَالَ لَدَيْنَا مِنْكَ تَنْوِيلٌ) محل استشہاد ہے یہاں بظاہر الغاء ہوا ہے اور إخال مقدم بھی ہے۔

مربین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں احوال کیلئے ضمیر شان مقدر ہے اور وہ اس کا اسم ہے اور لَدَيْنَا مِنْكَ
توسیل جملہ ہو کر مفعول ثانی ہے۔

اور یا یہاں پر لام ابتداء مقدر ہے ای لَدَيْنَا الْخ اس صورت میں تعلق ہے لیکن الغاء نہیں جس طرح اس
دوسرے شعر میں ہے۔

كَذَاكَ أَذْبَتْ حَتَّى صَارَ مِنْ خُلُقِي

أَنْسَى وَجَدْتُ مَلَكَ الشَّيْمَةِ الْأَذْبِ

ترجمہ:..... اسی طرح مجھے ادب دیا گیا یہاں تک کہ میرے اخلاق میں سے یہ بات
ہو گئی کہ میں نے پایا کہ اخلاق کا دار و مدار ادب ہے۔

تشریح المفردات:

(کذاک) میں پہلے شعر کے مضمون کی طرف اشارہ ہے پہلا شعر یہ ہے۔

اَكْبَهُ حِينَ اُنَادِيهِ لَا كَرَمَهُ
وَلَا اَلْقَبَهُ، وَالسَّوْءَةَ اَللَّقْبُ

جس میں شاعر کہہ رہا ہے کہ میں اپنے مدوح کو کینیت سے پکار کر تا ہوں نہ کہ لقب سے اس لئے کہ لقب سے
پکارنا ہمارے ہاں برا ہے۔ آگے شاعر کہتا ہے کہ مجھے اسی طرح ادب دیا گیا ہے۔

ملاک: میم کے کسرہ اور فتح کے ساتھ بمعنی مدار، موقوف علیہ، (الشَّيْمَةُ) جمع کا صیغہ ہے شیمتہ اس کا مفرد ہے بمعنی
خصلت۔

محل استشہاد:

(انسی وجدت ملاک الشَّيْمَةِ الْأَذْبِ) محل استشہاد ہے۔ یہاں کوفین کے مسلک کے مطابق بظاہر
الغاء ہوا ہے ورنہ اگر الغاء نہ ہوتا تو وجدت ملاک الشَّيْمَةِ الْأَذْبِ ہوتا ملاک اور ادب دونوں منصوب ہوتے
اگرچہ وجدت فعل قلب مقدم بھی ہے (ان کے مسلک کی تفصیل گزر گئی کہ جس طرح افعال قلبیہ درمیان میں ہوں یا
مؤخر ہوں تو الغاء (عمل نہ دینا) جائز ہے اس طرح اگر شروع میں آجائے پھر بھی جائز ہے بطور استشہاد کے مندرجہ بالا

شعران کی دلیل ہے۔ بصرین اس شعر میں تاویل کرتے ہیں کہ یہاں الغاء نہیں ہوا ہے بلکہ تعلق ہوئی ہے اور ملاک سے پہلے لام ابتداء مقدر ہے اور تقدیر عبارت ہے: انسی وجدت لملاک الشیمة الخ اور یا اس میں عمل ہوا ہے تعلق اور الغاء کے قبیل سے نہیں اس صورت میں سابق شعر کی طرح اس میں بھی ضمیر شان مقدر ہے اور وہ اس کیلئے اسم ہے اور مابعد کا جملہ مفعول ثانی ہے۔ واضح رہے کہ بصرین کی تکلفانہ تاویلات پر سبھی کو اعتراض ہے۔

وذهب الكوفیون الخ

چونکہ کوفین اور ان کے ہمنوا ابو بکر زبیدی وغیرہ نے کہا ہے کہ تقدیم کی صورت میں بھی الغاء جائز ہے اس لئے دونوں مندرجہ بالا شعروں کی وہ تاویل نہیں کرتے۔

وانما قال المصنف:

مصنف نے وجوز الاغاء کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ الغاء لازم نہیں بلکہ جائز ہے جہاں الغاء جائز ہے وہاں اعمال بھی جائز ہے بخلاف التعلیق۔

فیجب التعلیق الخ:

وہ جگہیں جہاں تعلق ہوتی ہے:

..... فعل قلب کے بعد جب ما نافیہ آجائے تو اس صورت میں تعلق واجب ہے جیسے: ((ظَنَّتُ مَا زِيدًا قَائِمًا)) یا ان نافیہ آجائے جیسے: عَلِمْتُ اِنْ زَيْدًا قَائِمًا۔ یہاں ظننت اور علمت نے عمل نہیں کیا ہے ورنہ تو زید اور قائم بنا بر مفعولیت منصوب ہوتے۔

ومثلوا له بقوله تعالى الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ تعلق کیلئے حضرات علماء نحو نے اللہ رب العزت کے اس قول کو مثال کے طور پر پیش کیا

ہے۔

”وَتَظُنُّونَ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا“

اب بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ مثال تعلق کے باب سے نہیں ہے اس لئے کہ تعلق کیلئے شرط یہ ہے کہ جب مُعَلَّق (بکسر اللام، جس کی وجہ سے تعلق ہوئی ہے) کو حذف کیا جائے تو تو عامل مابعد کی طرف متوجہ ہو کر دو مفعولوں کو نصب دیتا ہو جیسے: "ظَنَّتُ مَا زِيدٌ قَائِمٌ" اب یہاں تعلق ہے اور تعلق کی شرط اس میں پائی جاتی ہے اس لئے کہ اگر ما کو حذف کیا جائے تو زید اور قائم پر ظننت مسلط ہو جائے گا اور یہ دونوں منصوب پر بنا بر مفعولیت ہو جائینگے اور یہاں آیت کریمہ میں اگر معلق (إِنْ) کو حذف کیا جائے تو تَظَنُّونَ كَالْبَشْتَمِ پر مسلط ہونا صحیح نہیں اس لئے کہ وَتَظَنُّونَ لِبَشْتَمٍ نہیں کہا جاتا، شارح ایسے حضرات پر رد فرما رہے ہیں کہ یہ جمہور کے قول کے خلاف ہے اس لئے کہ جمہور نے تعلق کیلئے اس آیت کریمہ کو پیش کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلق کیلئے ذکر کردہ شرط ضروری نہیں۔

وَكَذَلِكَ يُعَلِّقُ الْفِعْلُ الْخ:

اسی طرح فعل میں تعلق ہوگی جب اس کے بعد لانا فیر آجائے جیسے: ظَنَّتُ لَا زِيدٌ قَائِمٌ وَلَا عَمْرُوٌ" یا لام ابتداء آجائے جیسے: ظَنَّتُ لَزِيدٌ قَائِمٌ يَا لَامِ قَوْمٍ جِيسے: عَلِمْتُ لِيَقَوْمٍ زِيدٌ (شارح فرماتے ہیں کہ لام قسم کو نحو یوں میں سے کسی نے بھی تعلقات میں شمار نہیں کیا ہے) یا اس کے بعد استفہام آجائے پھر استفہام کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) دونوں مفعولوں میں سے کوئی ایک اسم استفہام ہو جیسے: عَلِمْتُ أَيُّهُمْ أَبُوكَ.

(۲) اسم استفہام کی طرف مضاف ہو جیسے: عَلِمْتُ غَلَامٌ أَيُّهُمْ أَبُوكَ.

(۳) اس پر حرف استفہام داخل ہو جیسے: عَلِمْتُ أَزِيدٌ عِنْدَكَ أَمْ عَمْرُوٌ عَلِمْتُ هَلْ زِيدٌ قَائِمٌ أَمْ عَمْرُوٌ،

لَعَلِمَ عِرْفَانٍ وَظَنَّ تَهْمَهُ

تَعَدِيَةٌ لِوَأَحَدٍ مُلْتَزَمَةٌ

ترجمہ:..... جو علم عرف کے معنی میں ہو اور جو ظنُّنْ أَتَهُمْ کے معنی میں ہو اس کیلئے

ایک مفعول کی طرف محدود ہونا لازم ہے۔

(ش) إذا كانت ((علم)) بمعنى عرف تعدت إلى مفعول واحد، كقولك: ((علمت زيدا)) أي:

عرفته، ومنه قوله تعالى: ﴿وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا﴾

و كذلك إذا كانت ((ظن)) بمعنى اتهم تعدت إلى مفعول واحد، كقولك: ((ظننت زيدا))

ای اتهمته، ومنه قوله تعالى: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِظَنِينٍ﴾ ای: بمتهم.

ترجمہ و تشریح:

عَلِمَ، عَرَفَ اور ظَنَّ كَاتِهَمَ کے معنی میں مستعمل ہونا:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر عَلِمَ فعل قلب اپنے معنی کے بغیر عَرَفَ کے معنی میں آجائے تو اس صورت میں

بجائے دو مفعولوں کے ایک مفعول کی طرف متعدی ہوگا جیسے: علمتُ زيدا ای عَرَفْتَهُ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا ای لا تعرفون شيئًا.

اسی طرح ظَنَّ جب اتَّهَمَ کے معنی میں ہو تو ایک مفعول کی طرف متعدی ہوگا جیسے: ظننتُ زيدا ای

اتهمته اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِظَنِينٍ ای بمتهم (یہ ایک قراءت ہے ورنہ تو قرآن کریم میں ”ض“ کے ساتھ آیا ہے)

وَلَرَأَى الرَّؤْيَا نِمَّ مَا الْعِلْمَا

طَالِبَ مَفْعُولِينَ مِنْ قَبْلِ التَّمْيِ

ترجمہ:..... جمرای رؤیت (خواب میں دیکھنا) کے معنی میں ہو اس کیلئے آپ وہ حکم

منسوب کریں جو اس سے پہلے عَلِمَ کیلئے ہے اس حال میں کہ وہ دو مفعولوں کو طلب

کرنے والا ہو۔

(ش) إذا كانت رأى حلمية-أى: للرؤيا فى المنام-تعدت إلى المفعولين كما تعدى إليهما ((علم))

المذكورة من قبل، وإلى هذا أشار بقوله: ((ولرأى الرؤيا نيم)) أى النسب لرأى التى مصدرها الرؤيا ما

نسب لعلم المتعدية إلى النين؛ فعبر عن الحلمية بما ذكر؛ لأن ((الرؤيا)) وإن كانت تقع مصدر

الغير ((رأى)) الحلمية، فالمشهور كونها مصدرها.

ومثال استعمال ((رأى)) الحلمية متعدية إلى النين قوله تعالى: ﴿إِنى أرى أعصر خمراً﴾؛

فالياء مفعول أول، و((أعصر خمراً)) جملة فى موضع المفعول الثانى، وكذلك قوله:

۱۳۱- اَبُو حَنْشٍ يُورُّنِي، وَطَلَّقَ
 وَعَمُّمَارًا، وَأَوْنَةَ أُنْجَالًا
 أَرَاهُمْ رُفْقَتِي، حَتَّى إِذَا مَا
 تَجَافَى اللَّيْلُ وَأَنْخَزَلَ أَنْجَزَالًا
 إِذَا أَنَا كَأَلْدَى يَجْرِي لِوَرْدٍ
 إِلَى آلٍ؛ فَلَمْ يُدْرِكْ بِلَا لَأَ

فالهاء والميم في ((أراهم)): المفعول الأول، ((رفقتي)) هو المفعول الثاني:

ترجمہ و تشریح:

رای حلمیہ کی تعریف اور مثال:

رای آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں آتا ہے یعنی حالت بیداری میں دیکھنا اور بعض مرتبہ خواب میں دیکھنے کے معنی میں آتا ہے جیسے راہت رؤیا صالحہ اس کو رای حلمیہ کہا جاتا ہے اسی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب رای رؤیت فی المنام کے معنی میں ہو تو اس صورت میں عَلِمَ کی طرح یہ بھی دو مفعولوں کی طرف صحیحی ہوتا ہے۔ (حلمیہ) کہا اس لئے کہ اگرچہ رای حلمیہ کے علاوہ کیلئے بھی مصدر ہوا کرتا ہے لیکن مشہور قول کے مطابق یہ ”رای“ حلمیہ ہی کے لئے مصدر ہوتا ہے۔

ومثال الخ:

رای حلمیہ کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے (نقلاً عن صاحب السجن) انی ارانی اعصرُ خمراً“ یا م شکلم اس کیلئے مفعول اول ہے اور اعصر خمراً جملہ مفعول ثانی ہے اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۱- اَبُو حَنْشٍ يُورُّنِي، وَطَلَّقَ
 وَعَمُّمَارًا، وَأَوْنَةَ أُنْجَالًا
 أَرَاهُمْ رُفْقَتِي، حَتَّى إِذَا مَا
 تَجَافَى اللَّيْلُ وَأَنْخَزَلَ أَنْجَزَالًا

إِذَا أَنَا كَأَلِدِي يَجْرِي لِي وَرِدٌ

إِلَى آلٍ، فَلَمْ يُدْرِكْ بِلَا لَأ

ترجمہ:..... ابوحنس میری نیند کو اڑاتا ہے اور طلق و عمار اور بعض اوقات میں اٹالہ بھی، میں ان کو خواب میں اپنے ساتھ دیکھتا ہوں، جب رات ختم اور چلی جاتی ہے تو اچانک میں ہو جاتا ہوں اس آدمی کی طرح جو سراب کے پاس بیٹھے پانی کیلئے چلتا ہے پس وہ نہیں پاتا اتنا پانی جس سے وہ اپنا گلا تر کر سکے۔

www.KitaboSunnat.com

تشریح المفردات:

(ابوحنس، طلق عمار، اٹالہ) یہ شاعر کے دوست ہیں جو شاعر کو چھوڑ کر ملک شام گئے تھے شاعر ان کی جدائی کے صدمہ کو ذکر کر رہا ہے۔ (يُؤرَقْنِي) باب تفقيل سے بمعنی جگانا، نیند اڑا دینا، (اٹالا) یہ اٹالہ کا مرخم ہے ترخیم اگرچہ منادئی میں ہی ہوتی ہے لیکن غیر منادئی میں یہاں ضرورۃً ترخیم ہے، الف اشباعی ہے (آونۃ) اوان کی جمع سے جس طرح ازمنۃ، زمان اور امکانہ مکان کی جمع ہے۔

(سجافى الليل وانخزل النخزالا) رات کا چلا جانا، منقطع ہو جانا، (ورد) بیٹھا پانی، پانی کا گھاٹ، جمع اس کی اوراد آتی ہے، (آل) سراب، جودن کو نصف النہار کے وقت پانی دکھائی دیتا ہے، (بلا لا) الف اشباعی ہے بلال ہر وہ چیز جس سے گلا تر ہو جائے پانی ہو یا کچھ اور، یہاں پانی مراد ہے۔

محلن استشہاد:

(أراهم رلفقتی) محلن استشہاد ہے۔ یہاں (أرى) نے دو مفعولوں میں عمل کیا ہے ایک (هم) ضمیر بارز متصل، اور دوسرا (رلفقتی) اور اری یہاں حلمیہ ہے یعنی خواب میں دیکھنے کے معنی میں ہے۔

وَلَا تُجِزُّهُنَا بِلَا ذَلِيلٍ

سُقُوطِ مَفْعُولَيْنِ أَوْ مَفْعُولٍ

ترجمہ:..... (ظن کے باب میں) آپ بلا ذلیل جائز نہ کریں دو مفعولوں یا ایک مفعول کے ساقط ہونے کو۔

ش) لایجوز فی هذا الباب سقوط مفعولین ولا سقوط احدهما الا اذا دلّ دليل علی ذلك فمثال حذف المفعولین للدلالة أن يقال "هل ظننت زیدا قائما" فتقول "ظننتُ" التقدير "ظننتُ زیدا قائما" فحذفت لمفعولین لدلالة ما قبلهما علیهما ومنه قوله -

۱۳۲- بِأَيِّ كِتَابٍ أَمْ بِأَيِّ سُنَّةٍ

تَرَى حُبَّهُمْ عَارًا عَلَيَّ وَتَحْسَبُ؟

ای: ((وتحسب حُبَّهُمْ عَارًا عَلَيَّ، فحذف المفعولین - وهما: ((حُبَّهُمْ))، و((عَارًا عَلَيَّ)) - لدلالة ما قبلهما علیهما.

ومثال حذف أحدهما للدلالة أن يقال: ((هَلْ ظَنَنْتَ أَحَدًا قَائِمًا))؟ فتقول: ((ظَنَنْتَ زَيْدًا)) ای: ظننت زیدا قائما، فحذف الثاني للدلالة علیه، ومنه قوله:

۱۳۳- وَلَقَدْ نَزَلَتْ - فَلَا تَظُنِّي غَيْرَهُ

مِنِّي بِمَنْزِلَةِ الْمُحِبِّ الْمُكْرَمِ

ای: ((فَلَا تَظُنِّي غَيْرَهُ واقعا)) ف ((غیره)) هو المفعول الأول، و((واقعا)) هو المفعول الثاني.

وهذا الذي ذكره المصنف هو الصحيح من مذاهب النحويين.

فإن لم يدل دليل على الحذف لم يجز: لافيهما، ولا في أحدهما؛ فلا تقول: ((ظننت))، ولا ((ظننت زیدا، ولا ((ظننت قائما)) تريد ((ظننت زیدا قائما)).

ترجمہ و تشریح:

ظن کے باب میں قرینہ کے وقت دو مفعولوں کا حذف جائز ہے:

پہلے یہ بات گزر گئی کہ ظن و اخواتہا کے دو مفعول ہوا کرتے ہیں اب یہ بتا رہے ہیں کہ اس باب میں دونوں مفعولوں کو یا ایک کو بھی ساقط کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ حذف کی صورت میں فائدہ نہیں ہوگا بلکہ محض ظن یا علم کی خبر دینا مقصود ہوگی جو کہ پہلے سے معلوم ہے۔

ہاں اگر اس پر کوئی دلیل دلالت کرے تو پھر جائز ہے۔ دلالت کی صورت میں دو مفعولوں کے حذف کی مثال یہ ہے کہ کہا جائے هَلْ ظَنَنْتَ زَيْدًا قَائِمًا تو چونکہ یہاں سوال میں زید اور قائم پر دلالت ہے اس لئے جواب میں ظننت کہہ کر دونوں مفعولوں کو حذف کر سکتے ہیں چنانچہ آپ کہیں گے ((ظننت)) اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۳۲- بَأَيِّ كِتَابٍ أُمُّ بَيْتَةٍ مُنْتَهَى

تَسْرَى خُبْرَهُمْ عَارًا عَلِيٍّ وَتَحْسَبُ؟

ترجمہ:..... کس کتاب یا کس حدیث کی دلیل کی وجہ سے تو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اہل بیت کے ساتھ میرے لئے محبت کرنا عار ہے۔

تشریح المفردات:

(تسرى) رائی مصدر سے بمعنی اعتقاد کے ہیں۔ (عار) باعث شرم بات، عیب، طعنہ (وتحسب) اس میں واو کو اے کے معنی میں لینا زیادہ اچھا ہے، (حبہم) میں ہم ضمیر آل بیت کی طرف راجع ہے۔

محل استشہاد:

(تَحْسَبُ) کے دونوں مفعولوں (حبہم، عَارًا عَلِيٍّ) کو حذف کیا گیا ہے اس لئے کہ ما قبل کا کلام ان پر دال ہے۔

و مثال حذف احدہما الخ:

ایک مفعول کے حذف کی مثال یہ ہے کہ کہا جائے ((هَلْ ظَنَنْتَ احَدًا قَائِمًا)) اور آپ جواب میں کہیں ظننت زیدًا ای ظننت زیدًا قَائِمًا (یہاں ثانی مفعول قَائِمًا کو حذف کیا ہے اسلئے کہ سوال میں اس پر دلالت موجود ہے۔ اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۳۳- وَلَقَدْ نَزَلَتْ - فَلَا تَظُنِّي غَيْرَهُ

مِنِّي بِمَنْزِلَةِ الْمُحَبِّ الْمُكْرَمِ

ترجمہ:..... اللہ کی قسم تحقیق تو میرے نزدیک بمنزلہ محبوب اور باعزت کی ہو گئی ہے لہذا میرے اوپر اس کے علاوہ (واقع ہونے) کا گمان نہ کر۔

www.KitaboSunnat.com

شرح المفردات:

(نزلت) محذوف قسم کا جواب ہے ای واللہ نزلت (المحب) اسم مفعول کا صیغہ ہے أَحَبُّ يُحِبُّ
جائزہ باب افعال سے استعمال اس کا کم ہے اس سے اسم مفعول زیادہ تر محبوب کے وزن پر آتا ہے اور اسم فاعل
جائزہ باب افعال سے زیادہ تر آتا ہے۔ (المحکوم) اسم مفعول کا صیغہ ہے عزت کیا ہوا، معزز۔

محلن استشہاد:

(فَلَا تَطْنِيْ غَيْرَهُ) محلن استشہاد ہے۔ اسی طرح کہ فَلَا تَطْنِيْ غَيْرَهُ کا مفعول ثانی، واقعاً یا حاصل
تصاریح کی وجہ سے حذف ہو چکا ہے، جمہور نحویوں کے ہاں یہ جائز ہے۔

فان لم يدل الخ:

مذکورہ حذف ان صورتوں میں جائز تھا جہاں حذف پر قرینہ موجود تھا اگر حذف پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس
صورت میں نہ دونوں مفعولوں کا حذف جائز ہے اور نہ ایک کا۔ لہذا صرف (ظننت) یا ظننت زیادہ نہیں کہا جاتا
اسی طور کہ اس سے مراد (ظننت زيداً قالماً) ہو۔

وَكَتَّظْنُ اجْمَعُلْ تَقُولُ اِنْ وَايَ

مُسْتَفْهَمًا، وَاَلَمْ يَنْفَعِلْ

بِهِيَ وَظَرْفٍ اَوْ كَطَرْفٍ، اَوْ عَمَلٍ

وَ اِنْ بِمَعْنَى ذِي فَصَلَةٍ يُنْتَمِلُ

ترجمہ:..... آپ بقول کہ ظنن کی طرح عمل میں کہیں اگر تقوون مل جائے اس
کے ساتھ جس سے استفہام کیا جاتا ہے اس حال میں کہ تقوول اور استفہام میں
فاصلہ نہ ہو سوائے ظرف، شبہ طرف معمول فعل کے، اور ان تینوں میں اگر کسی ایک
کا فاصلہ بھی آپ لائیے تو اس کا احتمال ہے (یعنی یہ فاصلہ معترض نہیں اس کے ہوتے

ہوئے بھی ظن کی طرح جاری ہو سکتا ہے۔

(ش) القول شأنہ اذا وقعت بعده جملة أن تحكى، نحو: ((قال زيد عمر ومنطلق))، و((تقول زيد منطلق)) لكن الجملة بعده في موضع نصب على المفعولية.

ويجوز إجراؤه مجرى الظن؛ فينصب المبتدأ والخبر مفعولين، كما تنصيهما ((ظن)).

والمشهور أن للعرب في ذلك مذهبين؛ أحدهما - وهو مذهب عامة العرب - أنه لا يجري

القول مجرى الظن إلا بشرط - ذكرها المصنف - أربعة، وهي التي ذكرها عامة النحويين؛ الأول:

أن يكون الفعل مضارعاً؛ الثاني: أن يكون للمخاطب، وإليهما أشار بقوله: ((اجعل تقول)) فإنه

((تقول)) مضارع، وهو للمخاطب؛ الشرط الثالث: أن يكون مسبقاً باستفهام، وإليه أشار بقوله:

((إن ولي مستفهامه))؛ الشرط الرابع: أن لا يفصل بينهما - أي بين الاستفهام والفتل - بغير ظرف،

ولا مجرور، ولا معمول الفعل، فإن فصل بأحدهما لم يضر، وهذا هو المراد بقوله: ((ولم يفصل بغير

ظرف - إلى آخره))

فمثال ما اجتمعت فيه الشروط قولك: ((أتقول عمرًا منطلقاً))، فعمرًا: مفعول أول،

ومنطلقاً: مفعول ثان، وبعنه قوله:

۱۳۳ - مَتَى تَقُولُ الْقُلُوصَ السَّرْوَةَ سِمَا

يَحْمِلُنَّ أَمْ قَائِمًا وَقَائِمًا

فلو كان الفعل غير مضارع، نحو: ((قال زيد عمرًا ومنطلقاً)) لم ينصب القول مفعولين عند

هؤلاء، وكذا إن كان مضارعاً بغير تاء، نحو: ((يقول زيد عمرًا ومنطلقاً)) أولم يكن مسبقاً

بإستفهام، نحو: ((أنت تقول عمرًا ومنطلقاً)) أو سبق بإستفهام، ولكن فصل بغير

ظرف، ولا جازم ومجرور، ولا معمول له، نحو: ((أنت تقول زيدًا منطلقاً)) فإن فصل بأحدهما لم يضر،

نحو: ((أعندك تقول زيدًا منطلقاً)) و((أنت تقول زيدًا منطلقاً)) و((أعمرًا تقول منطلقاً))، وبعنه

قوله:

۱۳۵- أَجْهَالًا تَقُولُ بَنِي لُؤَيٍّ

لَقَمَرُ أَيْبِكَ أَمْ مُتَجَاهِلِينَ

بنی (لؤئی): مفعول اول، وجہالا: مفعول ثان.

وإذا اجتمعت الشروط المذكورة جاز نصب المبتدأ والخبر مفعولين لتقول، نحو: ((أتقول

زيدًا منطلقًا))، و جاز رفعهما على الحكاية، نحو: ((أتقول زيدًا منطلقًا)).

ترجمہ و تشریح:

تَقُولُ كَمَا تَظُنُّ كِي طَرَحِ عَمَلِ كَرْنَا:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ ”قول“ کے بعد اگر جملہ واقع ہو جائے تو عینہ اس جملہ کی حکایت کی جائے گی

جیسے: قَالَ زَيْدٌ عَمْرٌ وَمَنْطَلِقٌ، تَقُولُ زَيْدٌ مَنْطَلِقٌ، یہاں عمرو و منطلق کی حکایت مقصود ہے۔ لہذا بغیر کسی تغیر

کے اس کو عینہ ذکر کر دیا گیا لیکن یہ جملہ (عمرو و منطلق) محلاً منصوب بنا بر مفعول بہ ہے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ اس کو ظن

کی طرح عمل دیا جائے چنانچہ یہ مبتدأ خبر دونوں کو نصب دے اور وہ دونوں اس کیلئے مفعول ہو گئے۔

شارح فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں عرب کے دو مسلک ہیں۔

(۱) پہلا مسلک عام عرب کا ہے۔

(۲) دوسرا مسلک تسلیم کا ہے۔

پہلا مسلک یہ ہے کہ قول کو ظن کی طرح عمل دیا جاسکتا ہے اس طور پر کہ چار شرطوں کا لحاظ رکھا جائے اور یہ

چار شرطیں وہی ہیں جن کو عام نحویوں نے بھی ذکر کیا ہے۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ فعل مضارع ہو۔

(۲) دوسری یہ کہ مخاطب کا صیغہ ہو ان دونوں شرطوں کی طرف مصنف نے مختصر لفظ ”اجعل تقول“ میں اشارہ کیا

ہے اس لئے کہ یہاں تقول مضارع بھی ہے اور مخاطب کا صیغہ بھی ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ اس سے پہلے استفہام ہو ”إِنْ وَلِيَّ مَسْتَفْهَمًا بَه“ کے ساتھ مصنف نے اس قول کی طرف اشارہ

کیا ہے۔

(۴) چوتھی یہ کہ استفہام اور فعل کے درمیان ظرف، مجرور معمول فعل کے علاوہ کسی اور کا فاصلہ نہ ہو البتہ ان تینوں کا فاصلہ صحیح ہے۔ ”ولم یفصل بھو ظرف“ کے ساتھ مصنف نے اس شرط کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔
اب یہ چاروں شرطیں جس مثال میں جمع ہیں وہ ”اتَقُولُ عَمْرًا مَطْلَقًا“ والی مثال ہے لہذا یہاں تقول نے تظن کی طرح عمل کیا ہے عمرو اسی کیلئے مفعول لذل اور منطلقاً مفعول ثانی ہے اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۴- مَتَى تَقُولُ الْقُلُوصَ الرُّوَاسِمَا

يَحْمِلْنَ أُمَّ قَاسِمٍ وَقَاسِمَا

ترجمہ:..... آپ کب گمان کریں گے جو ان اور حمزہ رواؤں میں پائی کہ وہ میرے پاس اٹھا

لائیگی ام قاسم اور قاسم کو۔

تشریح المفردات:

(تَقُولُ بمعنی تظن) اس لئے کہ اس میں مذکورہ چار شرطیں پائی جاتی ہیں۔ (القلص) قاف اور صاد کے ضمہ کے ساتھ قلو ص کی جمع ہے جو ان اونٹنی کو کہا جاتا ہے۔ (الرواسم) یہ القلص کی صفت ہے راسمۃ کی جمع ہے جس کا معنی ہے سخت روندنے کی وجہ زمین پر نشانات کا پڑ جانا، یارسیم سے ماخوذ ہے اونٹوں کی ایک چیز رقا ریم کا نام ہے۔ (يَحْمِلْنَ) ضرب سے ہے بمعنی اٹھانا، یہ اس کیلئے مفعول ثانی ہے ایک روایت میں (یدلین) آیا ہے بمعنی قریب ہونا (ام قاسم) زیادہ کی بہن کی۔

محل استشہاد:

(متى تقول القلص الرواسما) محل استشہاد ہے یہاں چونکہ ذکر کردہ چار شرطیں پائی جا رہی ہیں اس لئے تقول بمعنی تظن کے ہوا اور (القلص الرواسما) اس کیلئے مفعول اور (يحملن الخ) جملہ اس کیلئے مفعول ثانی۔

شان و روو:..... ہدبہ بن خشم (جو کہ حجاز کا مشہور شاعر ہے) کے پچازاد بھائی نے ہدبہ کی بہن قاطمہ کے ساتھ اظہار عشق کرتے ہوئے یہ شعر کہا:

عُوجِي عَلَيْنَا يَا فاطمة

اماترين الدمع منى ساجما

ترجمہ:..... اے فاطمہ ہماری طرف توجہ کر کیا تو بہتا ہوا آنسو نہیں دیکھتی۔ پھر اسی کے جواب میں ہدہبہ نے زیادہ کی بہن ام قاسم سے اظہار عشق کرتے ہوئے مندرجہ بالا شعر پڑھا ہی منی نقول الخ اس شعر کے سننے پر زیادہ نے ہد بہ کو مارا اور اس کے والد کو زخمی کیا ہد بہ نے زیادہ کو قتل کر کے انتقام لیا بالآخر ہد بہ کو بھی قصاصاً قتل کیا گیا۔

فلو كان الفعل الخ:

اب چار شرطوں کے احترازی ہونے کو بتا رہے ہیں۔ نقول بمعنی بظن ہونے کیلئے چار شرطیں تھیں۔ فعل مضارع ہو، مخاطب ہو۔ اس سے پہلے استفہام ہو۔ استفہام اور فعل میں اجنبی کا فاصلہ نہ ہو۔ لہذا اگر فعل غیر مضارع ہو جیسے ”قال زيد عمرو منطلق“ یا مخاطب کا صیغہ نہ ہو جیسے: ”يقول زيد عمرو منطلق“ یا اس سے پہلے استفہام نہ ہو جیسے ”أنت تقول عمرو منطلق“ یا استفہام ہو لیکن اجنبی کا فاصلہ ہو جیسے: ”أنت تقول زيد منطلق“ تو ان تمام صورتوں میں ”قول“ ظن کے معنی میں نہیں ہوگا اور دو مفعولوں کو نصب نہیں دے گا۔

اگر ظرف کا فاصلہ ہو جیسے ”اعندك تقول زيد منطلقاً“ یا چار مجرور کا ہو جیسے ”أهلى الدار تقول زيداً منطلقاً“ یا معمول کا ہو جیسے ”اعمرات تقول منطلقاً“ تو ان صورتوں میں فاصلہ مضر نہیں یعنی قول ظن کے معنی میں ہو کر دو مفعولوں کو نصب دے گا اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۵- اجھالانقول بنى لوى

لعمراينك أم متجاهلينا

ترجمہ:..... تیرے والد کی زندگی کی قسم کیا تو بنو لوی (یعنی قریش) کو قبیلہ مضر کی فضیلتوں سے ناواقف سمجھتا ہے (کہ قریش نے باوجود اس کے کہ مضر قبیلہ یمن والوں سے بدرجہا بہتر ہے یمن والوں کو مختلف ولایتیں دی ہیں) یا تو سمجھتا ہے کہ قریش ہرگتف جاہل بنے بیٹھے ہیں۔ (یہاں شاعر گیت بن زید قبیلہ مضر سے تعلق رکھتا ہے

قریش نے بجائے مضر والوں کے اہل یمن کو ترجیح دی تھی اس پر شاعر گد شکوہ کر رہا ہے

تشریح المفردات:

(جُھَلَا) جاہل کی جمع ہے تاکہ ایک روایت نُؤَامَا آیا ہے۔ نسام کی جمع ہے بمعنی سوئے ہوئے۔ (بنو لؤی) اس سے مراد سارے قریش ہیں کیونکہ ان میں اکثر کانسب لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر تک پہنچتا ہے اس طرح وہ ابو القریش کہلاتے ہیں۔ (مُتَجَاهِلِينَ) باب تفاعل سے اسم فاعل کا مینہ ہے باب تفاعل میں ایک خاصیت تکلف کی بھی ہوتی ہے یہاں وہی مراد ہے یعنی وہ آدمی جو جاہل نہیں لیکن اپنے آپ کو تکلف جاہل بنائے۔ جو حضرات شعر کے شروع میں نُؤَامَا نقل کرتے ہیں ان کے ہاں متجاہلینا کی جگہ متساومینا ہے یعنی وہ آدمی جو خود تکلف اپنے کو ملادیں۔

محل استشہاد:

(أَجْهَلًا تَقُولُ بَنِي لُؤَيٍ) محل استشہاد ہے یہاں تَقُولُ نے تَطْنُ کی طرح عمل کیا ہے اس کا مفعول اول (جُھَلَا) اور ثانی "بنی لؤی" ہے یہاں اگرچہ استفہام اور فعل کے درمیان "جُھَلَا" کا فاصلہ آیا ہے لیکن یہ فاصلہ مضر نہیں یعنی اس کے ہوتے ہوئے بھی تَقُولُ تَطْنُ کی طرح عمل کرے گا اس لئے کہ یہ فاصلہ خود تَقُولُ فعل کا معمول ہے بایں طور کہ یہ اس کیلئے مفعول ثانی ہے۔

وإذا اجتمعت النخ:

شارح فرماتے ہیں کہ اس تفصیل کے بعد واضح ہوا کہ جب مذکورہ بالا چاروں شرطیں پائی جائیں تو مبتدأ خبر کی منصوب بنا بر مفعولیت کرنا بھی جائز ہے جیسے "أَقُولُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا" اور بنا بر حکایت ان کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے جیسے: أَتَقُولُ زَيْدًا مُنْطَلِقًا

وَاجْرِي الْقَوْلَ كَطْنٍ مُنْطَلِقًا

عِنْدَ سُلَيْمٍ نَحْوُ قَوْلِ ذَا مُنْطَلِقًا

ترجمہ:..... اور قول کو طن کی طرح مطلقاً جاری کر دیا گیا ہے سلیم کے ہاں جیسے قَوْلِ ذَا

مُشْفِقًا۔ (آپ اس پر شفقت کرنے والا خیال کریں)

(ش) اُشاراً الی المذہب الثانی للعرب فی القول، وهو مذہب سلیم؛ فیجرون القول مجری الظن فی نصب المفعولین، مطلقاً، ای: سواء كان مضارعاً أم غير مضارع، وجدت فيه الشروط المذكورة لم توجد، وذلك نحو: ((قُلْ ذَا مُشْفِقًا)) ف ((ذَا)) مفعول أول، و ((مُشْفِقًا)) مفعول ثان، ومن ذلك قوله.

۱۳۶- قَالَتْ وَكُنْتُ رَجُلًا فَطِينًا

هَذَا الْقَمْرُ اللَّهُ إِسْرَائِينَا

ف ((هَذَا)): مفعول أول لقالت: و ((إِسْرَائِينَا)): مفعول ثان.

ترجمہ و تشریح:

قول کے متعلق ایک مسلک گزر گیا کہ یہ ظن کے ساتھ معنی اور عمل میں تب شریک ہوگا جب اس میں ذکر کردہ شریکین پائی جائیں ورنہ نہیں اب یہاں سے قول کے اندر دوسرا مسلک بتا رہے ہیں جو سلیم کا ہے ان کے ہاں قول ظن کی طرح ہے دو مفعولوں کو نصب دینے میں مطلقاً چاہے مضارع ہو یا غیر مضارع، اس میں مذکورہ شرطیں پائی جاتی ہوں یا نہیں جیسے: "قُلْ ذَا مُشْفِقًا" یہاں قول مضارع بھی نہیں مخاطب کا صیغہ بھی نہیں اس سے پہلے استفہام بھی نہیں پھر بھی عمل ہوا ہے ذال اس کیلئے مفعول اول اور مشفقاً مفعول ثانی ہے اور اسی شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۳۶- قَالَتْ وَكُنْتُ رَجُلًا فَطِينًا

هَذَا الْقَمْرُ اللَّهُ إِسْرَائِينَا

ترجمہ: میری بیوی نے کہا (حالانکہ میں ایک سمجھدار آدمی تھا) اللہ کی قسم یہ (گوہ)

تو بنی اسرائیل کی مسح شدہ صورتوں میں سے ہے۔

تشریح المفردات:

(فطیناً) جمع کے باب سے صیغہ صفت ہے اور نصر سے بھی استعمال ہوتا ہے اس مادہ کا مشہور وصف فطین ہے، کچھ دار کو کہتے ہیں۔ (اسرائین) یہ اسرائیل میں ایک لغت ہے جس طرح جوہن کہو جوہیل اور اسماعین

کہہ کر اسماعیل مراد لیا جاتا ہے۔ اسرائیل کا معنی ہے ”عبداللہ“ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔

شان و رُو:..... شاعر ایک اعرابی تھا جو گوہ شکار کر کے گھر لایا تو اس کو بیوی نے ملامت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بنی اسرائیل کی مسخ شدہ صورتوں میں سے ہے جس پر شاعر نے یہ شعر کہا کہ میں ایک مجھدار آدمی تھا اس کے باوجود میری بیوی نے میرے اوپر یہ بے جا اعتراض کیا۔ واضح رہے کہ یہ اس کی بیوی کا زعم باطل ہے اور عرب بھی یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ گوہ جانور بنی اسرائیل کی مسخ شدہ صورتوں میں سے ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی مسخ شدہ صورتیں تین دن کے بعد ختم ہوئیں تھیں اور ان کی کوئی نسل باقی نہیں رہی۔

محل استشہاد:

(قالت - هذا - اسرائینا) محل استشہاد ہے یہاں قال نے ظن کی طرح عمل کیا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اس نے دو مفعولوں کو نصب دیا ہے۔ ذام مفعول اول (جو ہذا میں ہے) اور اسرائینا مفعول ثانی۔ ان کے ہاں چونکہ اسرائینا منصوب ہے اس لئے یہ مفعول جانی ہوا قائل کیلئے۔

البتہ بعض حضرات نے اس شعر میں ایسی تاویل کی ہے کہ جس سے مذکورہ شعر مصنف یا شارح کے موافق نہیں ہوتا اور وہ یہ کہ ہذا مبتدا ہے اور اسرائینا منصوب نہیں بلکہ محلاً مجرد ہے اور اس میں دو مضاف حذف ہیں ای ہذا مسموخ بنی اسرائینا مضاف کو حذف کر کے اسرائینا مضاف الیہ کو برقرار رکھا اور مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو برقی رکھنا جائز ہے اگرچہ اس طرح قلیل ہے۔ اور مضاف الیہ اسرائینا پر غیر منصرف ہونے کی وجہ سے کسرہ نہیں آتا اس لئے کہ اس میں دو سبب علمیت اور عجمہ پائے جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اس تاویل پر اسرائینا (ای ہذا مسموخ بنی اسرائینا) ہذا سے خبر ہے قول کیلئے مفعول نہیں لہذا اس سے مصنف یا شارح کا استدلال صحیح نہیں۔ لیکن صاحب منحة الجلیل نے یہاں انصاف کی بات کہی ہے کہ یہ بات تو سچی ہے کہ قول کے ذریعہ سے دو مفعولوں کو مطلقاً نصب دینا بعض عرب کی ایک لغت ہے لہذا کوئی بعید نہیں کہ شاعر بھی ان ہی عرب میں سے ہو جن کی یہ لغت ہے۔

واللہ اعلم

وَصَلْتُ إِلَى هَذَا الْمَقَامِ تَحْرِيرًا فِي ۱۳ شَعْبَانَ ۱۲۲۵ هـ فَالْحَمْدُ لِلَّهِ

أَعْلَمَ وَارَى

الَّتِي ثَلَاثَةٌ رَأَى وَعَلِمَ
عَلِمُوا إِذَا صَارَ ارَى وَأَعْلَمَ

ترجمہ:..... رآی اور علیم جب آری اور اعلمنا ہو جائیں تو پھر نحوی حضرات تین مفعولوں کی طرف ان کو متحدی کرتے ہیں (یعنی ہمزہ سے پہلے دو اور ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد تین مفعولوں کی طرف متحدی ہوتے ہیں) (عَلِمُوا) جمع کا صیغہ ہے مراد اس سے علماء نحو ہیں کہ وہ ان کو تین کی طرف متحدی کرتے ہیں۔

(ش) اشارة بهذا الفصل إلى ما يتعدى من الأفعال إلى ثلاثة مفاعيل؛ فذكر سبعة أفعال: منها ((أعلم، وارى))؛ فذكر أن أصلهما ((علم، وراى))، وأنها بالهمزة يتعديان إلى ثلاثة مفاعيل؛ لأنهما قبل دخول الهمزة عليهما كانا يتعديان إلى مفعولين نحو "علم زيد عمرو وانطلقا" و"راى بكر خالد أخاك" فلما دخلت عليهما همزة النقل زادتهما مفعولا ثالثا، وهو الذى كان فاعلا قبل دخول الهمزة، وذلك نحو: ((أعلمت زيدا عمرو انطلقا)) و((أرى خالد بكر أخاك))؛ فزيدا، ومفعول أول، وهو الذى كان فاعلا حين قلت: ((علم زيد، وراى خالد))،

وهذا هو شأن الهمزة، وهو: أنها تصير ما كان فاعلا مفعولا، فإن كان الفعل قبل دخولها لازما صار بعد دخولها متعديا إلى واحد، نحو: ((خرج زيد، وأخرجت زيدا)) وإن كان متعديا إلى واحد صار بعد دخولها متعديا إلى اثنين، نحو: ((لبس زيد جبنة)) فتقول: ((لبست زيدا جبنة)) وسبأى الكلام عليه، وإن كان متعديا إلى اثنين صار متعديا إلى ثلاثة، كما تقدم فى ((أعلم، وارى))،

ترجمہ و تشریح:

وہ افعال جو تین مفعولوں کی طرف متحدی ہوتے ہیں

اس فصل میں ان افعال کا ذکر کیا جا رہا ہے جو تین مفعولوں کی طرف متحدی ہوتے ہیں، ان میں سے یہاں سات افعال کو ذکر کیا گیا ہے۔ اعلم، آری کو پہلے ذکر کیا ان دونوں کی اصل علیم، رآی تھی ہمزہ کے داخل ہونے سے

پہلے یہ دو مفعولوں کی طرف حجتی ہوا کرتے تھے۔ جیسے: عَلِمَ زَيْدٌ عَمْرًا مُنْطَلِقًا، رَأَى خَالِدٌ بَكْرًا أَحَاكًا، لیکن جب ان پر ہمزة النقل (چونکہ یہ ایک باب سے دوسرے باب کی طرف منتقل کرتا ہے اس وجہ سے اس کو همزة النقل کہتے ہیں) داخل ہو گیا تو اس نے ایک تیسرے مفعول کا بھی اضافہ کیا اور یہ تیسرا مفعول وہی ہے جو اس ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے قائل تھا جیسے: اَعْلَمْتُ زَيْدًا عَمْرًا مُنْطَلِقًا، رَأَيْتُ خَالِدًا بَكْرًا أَحَاكًا۔ یہاں ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد زید اور خالد مفعول ہوئے جبکہ ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے عَلِمَ زَيْدٌ، رَأَى خَالِدٌ میں یہ دونوں قائل تھے۔

شارح فرماتے ہیں کہ یہ ہمزہ کی شان ہے کہ اس کے داخل ہونے سے پہلے جو قائل ہوتا ہے وہ اس کے داخل ہونے کے بعد مفعول بن جاتا ہے پس اگر اس کے داخل ہونے سے پہلے وہ فعل لازمی ہو جیسے: خَسِرَ زَيْدٌ تو اس کے داخل ہونے کے بعد وہ حجتی بیک مفعول ہوگا جیسے اَخْرَجْتُ زَيْدًا اور اگر پہلے ایک مفعول کی طرف متعدی ہو تو اس کے داخل ہونے کے بعد دو مفعولوں کی طرف حجتی ہوگا جیسے كَبِسْتُ زَيْدًا جَبَّةً، الْبُسْتُ زَيْدًا جَبَّةً اور دو کی طرف متعدی ہو تو اس کے داخل ہونے کے بعد تین کی طرف حجتی ہوگا جیسا کہ ”اعلم“ ”اری“ میں گزر گیا۔

وَمَا لِمَفْعُولِي عِلْمٍ مُنْطَلِقًا

لِلثَّانِ وَالثَّلَاثِ اِيضًا حَقًّا

ترجمہ:..... جو احکام عِلْمٍ کے دو مفعولوں کیلئے ہیں مطلقاً تو وہی احکام اَعْلَمَ، اَرَى

کے دوسرے اور تیسرے مفعول کیلئے بھی ثابت ہیں۔

(ش) اى: يثبت للمفعول الثانى والمفعول الثالث من مفاعيل ((اعلم، وارى)) مائت لمفعول

((علم، وراى))، من كونهما مبتدا وخبر اى الاصل، ومن جواز الإلغاء والتعليق بالنسبة إليهما ومن

جواز حذفهما أو حذف أحدهما إذا دل على ذلك دليل.

ومثال ذلك: ((اعلمت زيدا عمرا قائما)) فالثانى والثالث من هذه المفاعيل أصلها

المبتدا والخبر - وهما ((عمرو قائم)) - ويجوز إلغاء العامل بالنسبة إليهما، نحو: ((عمرو أعلمت

زيدا قائم)) ومنه قولهم: ((البركة أعلمتنا الله مع الأكارم)) ف ((لا): مفعول أول، و ((البركة

بتدا، و ((مع الاكابر)) ظرف فی موضع الخیر، وهما اللذان كانا مفعولين، والاصل: ((اعلمنا الله
بركة مع الاكابر))، ويجوز التعليق عنهما؛ فتقول: ((اعلمت زيداً العمر وقائم))
ومثال حذفهما للدلالة أن يقال: هل أعلمت أحداً عمراً قائماً؟ فتقول: أعلمت زيداً ومثال
حذف أحدهما للدلالة أن تقول في هذه الصورة: ((اعلمت زيداً عمراً)) أي: قائماً، أو ((اعلمت زيداً
قائماً)) أي: عمراً قائماً.

ترجمہ و تشریح:

اس سے پہلے عَلِمْتُ، رَأَى کے دونوں مفعولوں کیلئے کچھ احکام ذکر ہوئے مثلاً یہ کہ ان کے دونوں مفعول اصل
کے اعتبار سے مبتدا خبر ہوتے ہیں جیسے: عَلِمْتُ زَيْدًا عَمْرًا قَائِمًا میں عمرو اور قائم مفعول بننے سے پہلے اصل میں
مبتدا خبر تھے چنانچہ عمرو و قائم کہا جاتا تھا اور یہ کہ ان میں الغاء و تعلق دونوں ہوا کرتے ہیں اور یہ کہ ان دونوں کا یا
ایک کا دلالت کی وجہ سے حذف جائز ہے یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ یہ سارے احکام اَعْلَمْتُ، أَرَى کے دوسرے اور تیسرے
مفعول کیلئے بھی ثابت ہو گئے۔

چنانچہ اَعْلَمْتُ زَيْدًا عَمْرًا قَائِمًا میں دوسرا اور تیسرا مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر ہیں، اسی طرح اس
میں بھی الغاء جائز ہے جیسے عمرو و اَعْلَمْتُ زَيْدًا قَائِمًا اور اسی سے ان کا یہ قول بھی ہے۔ ”الْبِرْكَةُ أَعْلَمْنَا اللَّهُ
مَعَ الْأَكَابِرِ“ یہاں (لا) ضمیر متکلم مفعول اول ہے (البركة) مبتدا ہے (مع الاكابر) ظرف ہے خبر کی جگہ پر واقع
ہے اور یہ دونوں پہلے مفعول تھے اصل عبارت یوں تھی ”أَعْلَمْنَا اللَّهُ الْبِرْكَةَ مَعَ الْأَكَابِرِ“ تعلق کی مثال
جیسے ”أَعْلَمْتُ زَيْدًا عَمْرًا قَائِمًا“ دونوں کے حذف کی مثال بوجہ دلالت کے یہ ہے کہ کہا جائے ”هَلْ أَعْلَمْتُ
أَحَدًا قَائِمًا“ اور جواب میں صرف اَعْلَمْتُ زَيْدًا کہہ کر دو مفعولوں کو حذف کیا جائے، ایک کے حذف کی مثال یہ ہے
کہ آپ اسی صورت میں کہہ دیں ”أَعْلَمْتُ زَيْدًا عَمْرًا“ یا ”أَعْلَمْتُ زَيْدًا قَائِمًا“

وَإِنْ تَسَمَّيْتَ السَّوْاحِدَ بِإِلَّا

هَمْزٍ فَلَا تَسْمِيَنَّ بِهِ تَسْوِئًا

وَالثَّانِ مِنْهُمَا كَتَابِي الثَّنَى كَسْنَا

فَهَرَبَ بِهِ فِى كُلِّ حَكْمٍ ذُو الْحِسْمَا

ترجمہ: اگر آئی اور علم ہمزہ کے بغیر ایک مفعول کی طرف صحیحی ہوں تو ہمزہ کے

ساتھ دو کی طرف صحیحی ہونگے اور ان کا دوسرا مفعول ”کسنا“ کے دوسرے مفعول کی

طرح ہے۔ پس یہ ہر حکم میں اس کا تابع ہے۔

(ش) تقدم أن ((أى، وعلم)) إذا دخلت عليهما همزة النقل تعديا إلى ثلاثة مفاعيل، وأصل في هذين

البيتين إلى أنه إنما ثبت لهما هذا الحكم إذا كانا قبل الهمزة يتعديان إلى مفعولين، وأما إذا كانا قبل

الهمزة يتعديان إلى واحد—كما إذا كانت ((رأى)) بمعنى أبصر، نحو: ((رأى زيد عمرا)) و((علم))

بمعنى عرف نحو: ((علم زيد الحق))—فإنهما يتعديان بعد الهمزة إلى مفعولين، نحو: ((أريت زيدا

عمرا)) و((أعلمت زيدا الحق)) والثانى من هذين المفعولين كالمفعول الثانى من مفعولى ((كسنا))

و((أعطى)) نحو: كسوت زيدا جبة)) و((أعطيت زيدا درهما)) فى كونه لا يصح الإخبار به عن

الأول؛ فلا تقول: [زيد الحق، كما لا تقول] ((زيد درهم))، وفى كونه يجوز حذفه مع الأول، وحذف

الثانى وإبقاء الأول، وحذف الأول وإبقاء الثانى، وإن لم يدل على ذلك دليل؛ فمثال حذفهما:

((أعلمت وأعطيت))، ومنه قوله تعالى: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى﴾، ومثال حذف الثانى وإبقاء الأول:

((أعلمت زيدا، وأعطيت زيدا)) ومنه قوله تعالى: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾، ومثال

حذف الأول وإبقاء الثانى نحو: ((أعلمت الحق، وأعطيت ذرهما)) ومنه قوله تعالى: ﴿حَتَّى

يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ وهذا معنى قوله: ﴿وَالثَّانِ مِنْهُمَا—إلى آخر البيت))۔

ترجمہ و تشریح:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ رأى، عسىم پر جب ہمزہ داخل ہو جائے تو یہ تین مفعول کی طرف صحیحی

ہونگے اب ان دو اشعار میں اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ مذکورہ حکم اس وقت ہے جب یہ دونوں ہمزہ کے

ہونے سے پہلے دو مفعولوں کی طرف صحیحی ہوتے ہوں۔ ورنہ اگر ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے ایک مفعول کی طرف

حدی ہوں مثلاً جب ”رای“ اَيْصَرَ کے معنی میں ہو جیسے ”رای زیداً عمراً“ اور عَلِمَ “عَرَفَ کے معنی میں ہو جیسے عَلِمَ زیداً الحق” تو ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد صرف دو کی طرف محدودی ہو گئے جیسے ”أَرَيْتُ زیداً عمراً“

عَلِمْتُ زیداً الحق“

الثانی النخ:

دوسرے شعر کی تشریح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ ان دو مفعولوں میں دوسرے مفعول کا حکم وہی ہے جو ”عَسَا“ اور ”أَعْطَى“ کے دوسرے مفعول کا ہے کہ اس کے ذریعہ پہلے مفعول سے خبر دینا جائز نہیں لہذا ”أَعْطَيْتُ دَرَهْمًا“ میں جیسے زیداً دَرَهْمًا نہیں کہہ سکتے اسی طرح ”أَعْلَمْتُ زیداً الحق“ میں زیداً حق“ نہیں کہہ سکتے۔ اس حکم میں بھی شریک ہے کہ دوسرے مفعول کو حذف کر کے پہلے کو ذکر کریں یا برعکس، اگرچہ اس پر دلیل دلالت بھی نہ ہے۔

دونوں مفعولوں کے حذف کی مثال ”أَعْلَمْتُ“ ”أَعْطَيْتُ“ ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”فَأَمَّا مَنْ ظَلَمَ وَاتَّقَى“ دوسرے مفعول کے حذف اور پہلے کے ذکر کی مثال ”أَعْلَمْتُ زیداً“ ”أَعْطَيْتُ زیداً“ ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ ”وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى“ یہاں (مک) مفعول اول ذکر ہے اور مفعول دوم حذف ہے۔ پہلے کے حذف اور دوسرے کے ذکر کی مثال ”أَعْلَمْتُ الحق“ ”أَعْطَيْتُ دَرَهْمًا“ ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ“ یہاں (المسلمین) مفعول اول حذف ہے۔ (والشان منہما) دوسرے شعر کا یہی مطلب ہے۔

وَكُنَّا فِي الشَّجَابِقِ نَبَا، أَخْبَرَا

حَدَّثْنَا نَبَا، كَذَاكَ خَبَرَا

ترجمہ:..... پہلے اسی کی طرح نَبَا، أَخْبَرَا، حَدَّثْنَا، نَبَا بھی ہے اسی طرح خَبَرَا بھی ہے۔

تقدم أن المصنف عد الأفعال المتعلقة التي ثلاثة مفاعيل سبعة، وسبق ذكر: ((أعلم، وأرى))

ففي هذا البيت الخمسة الباقية، وهي: ((نَبَا)) كقولك: ((نَبَاْتُ زیداً عمراً قائماً)) ومنه قوله:

۱۳۷- تَبَسُّتُ زُرْعَةَ وَالسَّفَاهَةَ كاسمِهَا
يُهْدِي السِّيَّ غَرَائِبَ الْأَشْعَارِ
و((أخبر)) كقولك: ((أخبرت زيدًا أخاك منطلقًا)) ومنه قوله:

۱۳۸- وَمَا عَلَيْكَ إِذَا أَخْبَرْتَنِي دِنْفًا
وَوَغَابَ بِعُفْلِكَ يَوْمًا- أَنْ تُغُودِيَنِي؟
و((حدث)) كقولك: ((حدثت زيدًا بكرًا مقيمًا)) ومنه قوله:

۱۳۹- أَوْ مَنَعْتُمْ مَا تُسْأَلُونَ، فَمَنْ حُدِّ
تَمْرَةٌ لِنَهْ عَلَيْهِ الْوَلَاءُ
و((أبنا)) كقولك: ((أبنات عبد الله زيدًا مسافرًا)) ومنه قوله:

۱۴۰- وَأَبَيْتُ قَيْسًا وَلَمْ أَبْلُهُ
كَمَا زَعَمُوا خَيْرًا أَهْلَ الْبَيْتِ
و((خبر)) كقولك: ((خبرت زيدًا عمرًا غائبًا)) ومنه قوله:

۱۴۱- وَخَبَرْتُ سَوْدَاءَ الْغَمِيمِ مَرِيضَةً
فَأَقْبَلْتُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهَا

وإنما قال المصنف: ((وكررى السابق)) لأنه تقدم في هذا الباب أن ((أرى)) تارة تعدى إلى ثلاثة مفاعيل، وتارة تعدى إلى اثنين، وكان قد ذكر أولاً ((أرى)) المتعدية إلى ثلاثة؛ فنبه على أن هذه الأفعال الخمسة مثل ((أرى)) السابقة، وهى المتعدية إلى ثلاثة، لا مثل ((أرى)) المتأخرة، وهى المتعدية إلى اثنين.

ترجمہ و تشریح:

وہ افعال جو تین مفعولوں کی طرف صحتی ہوا کرتے تھے ان میں ”اعلم“ اور ”أرى“ کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ اب باقی پانچ کو ذکر کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک ”بنا“ بھی ہے جسے ”تبناك زيدًا“ کہا جاتا ہے۔

ثُمَّ“ اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۷ نَبْتُ زُرْعَةَ وَالسَّفَاهَةَ كاسْمِهَا

يُهْدَى إِلَى غَرَائِبِ الْأَشْعَارِ

ترجمہ:..... مجھ زرعة کے حلق خبر دی گئی ہے کہ وہ مجھے عجیب اور غیر مانوس اشعار بھیجتا ہے (اور بے وقوفی اپنے معنی میں اسی طرح قبیح ہے جس طرح بے وقوفی کا لفظ، شاعر کا مطلب یہ ہے کہ زرعة بے وقوف اور کمزور عقل والا آدمی ہے)

تشریح المفردات:

(نبت) باب کفعل سے ماضی مجہول واحد متکلم کا صیغہ ہے خبر دار کرنا، نبأ اور خبر میں بعض حضرات فرق نہیں کرتے اور بعض کے نزدیک (نبأ) (خبر) سے خاص ہے اس لئے کہ (نبأ) کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو زیادہ اہمیت والا اور طبی شان ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ”عَمَّ يَسَاءَ لَوْنِ عَنِ النَّبِإِ الْعَظِيمِ“ (السفاہة) بے وقوفی و عقل کا کمزور ہونا از سماع (وَالسَّفَاهَةَ كاسْمِهَا أَرَادَ أَنَّ السَّفَاهَةَ فِي مَعْنَاهَا لِبَيْحَةِ كَمَا أَنَّ اسْمَهَا قَبِيحٌ) يَهْدِي بِابِ اَفْعَالٍ مَعَهُ بِرِيَّةٍ، تَهْدِيًا (غَرَائِبِ) غَرِيْبَةٍ كِي جَمْعٍ هِيَ عَجِيْبٌ اَوْرَانُو كِي بَاتٍ۔ يِهَابُ (غَرَائِبِ اَلْاَشْعَارِ) سَعِ وِه اَشْعَارِ مَرَادُ هِي جِن كَا قَائِلٌ بَا قَاعِدِه تَجْرِبَه كَارِ شَاعِرِنَه هُو، اَس طَرَحْ اَدَمِي كَعِ اَشْعَارِ هِي عَجِيْبٌ و غَرِيْبٌ كَلْتِي هِي۔

شمان و رومو:..... یہ نابغہ ذبیانی کا شعر ہے اس میں زرعة بن عمرو بن عویلد کی مذمت بیان کر رہا ہے یہ دونوں عکاظ بازار میں ایک دوسرے سے طے زرعة نے نابغہ ذبیانی کو بسوا مسد کی دشمنی اور ان کی قطع تعلق پر ابھارا آپس میں حلیف ہونے کی وجہ سے اس طرح کرنا چونکہ دھوکے میں آ رہا تھا اس وجہ سے نابغہ نے انکار کر دیا زرعه اپنی جانب چل پڑا اور نابغہ کو دھمکیاں دینے لگا اور اس کے خلاف اشعار کہنے لگا نابغہ کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے یہ شعر کہا ”نَبْتُ زُرْعَةَ الخ“

محلن استشہاد:

(نبت زرعة..... یهدی) محلن استشہاد ہے۔ یہاں بتائیں مفعولوں کی طرف صعدی ہے مفعول اول (ث)

ضمیر نائب فاعل ہے اور مفعول ثانی زرعة ہے اور یُھْدَىٰ اِلَیْ غرائب الاشعار“ جملہ مفعول ثالث ہے۔

تین مفعولوں کی طرف صحیحی ہونے والا ایک فعل ”اُخْبِرْتُ“ بھی ہے جیسے ”اُخْبِرْتُ زَيْدًا اُحَاكٍ مُنْطَلِقًا“ اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۸- وَمَا عَلَيْكَ - إِذَا أُخْبِرْتُ نَبِيًّا دُفِنَا

وَعَابَ بِسُؤْلِكَ يَوْمًا - أَنْ تَصُودِيَنِي؟

ترجمہ:..... کس چیز نے آپ کو میری عیادت کرنے سے روکا جب آپ کو میرے پیار ہونے کی خبر دی گئی حالانکہ ایک دن آپ کا شوہر بھی گھر سے غائب تھا۔ (یعنی باوجود میرے مریض (مریضِ عشق) ہونے کے آپ میری عیادت کو کیوں نہیں آئی)

تشریح المفردات:

(وما علیک) استفہام انکاری ہے ای ”ای شئی لست علیک فی عیادتی“ (دلف) بروزن کہتے ہیں دائمی مرض کو کہتے ہیں جو انسان کی قوتوں کو ختم کر دے۔ یہاں عشق کا مرض مراد ہے۔ (بعل) شوہر، ہوی، جمع بعال و بھول (تعودی) نصر سے عیادت کرنا، واحد مؤنث حاضر کا ضیغہ ہے آخر سے نون حذف ہوا ہے (عیادۃ) مریض کی حراں پر کسی کو کہتے ہیں۔

محل استشہاد:

(اُخْبِرْتُ نَبِيًّا دُفِنَا) محل استشہاد ہے یہاں ”اُخْبِرْتُ“ نے تین مفعولوں میں عمل کیا ہے مفعول اول تاہ ضمیر ہارز جو کہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، اور دوسرا مفعول یاہ متکلم اور تیسرا دلفنا۔

وحدث الخ:

حدث بھی تین مفعولوں کی طرف متحرکی ہوتا ہے جیسے ”حَدَّثْتُ زَيْدًا بِسُؤْلِ مَقِيْمًا“ اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۹- أَوْ مَنَعْتُمْ مَا تَسْأَلُونَ، فَمَنْ حُدَّ

تَمَوَّةٌ لِهَ عَلَيْنَا الْوَلَاءُ

ترجمہ:..... (تم سے بھائی بندی اور مساوات کا مطالبہ کیا گیا تھا) اور تم نے منع کیا اس چیز کو جو تم سے مانگی گئی تھی پس کون ہے جس کے بارے میں تمہیں خبر دی گئی کہ اس کو ہمارے اوپر غلبہ حاصل ہے؟ (استفہام انکاری ہے یعنی کوئی بھی نہیں جس کو ہمارے اوپر غلبہ حاصل ہو)

تشریح المفردات:

(أو منعتم) ما قبل کے شعر پر عطف ہے، (منعتم) ای مانسا لکم ان تعطوه من النصف والاخاء والمساواة، (الولاء) بمعنی غلبہ، بلندی ایک روایت میں (علاء) آیا ہے۔

محل استشہاد:

(حد ثتموه) لہٰ علینا الولاء محل استشہاد ہے یہاں حد ث نے تین مفعولوں میں عمل کیا ہے ایک نائب قائل مخاطب کی ضمیر ہے اور دوسرا (ہ) ضمیر غائب اور تیسرا جملہ ”لہٰ علینا الولاء“ ہے۔

وَأَنبَأَ التَّح:

تین مفعولوں کی طرف متحدی ہونے والا ایک فعل ”انبا“ بھی ہے جیسے ”أَبَاؤُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ زَيْنًا مُّسَاوِرًا“ اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۰- وَأَبْنُكُمْ قَيْسًا وَلَمْ أَبْلُهُ

كَمَا زَعَمُوا خَيْرًا أَهْلَ الْيَمَنِ

ترجمہ:..... مجھے قیس کے بارے میں خبر دی گئی (اور میں نے خود اس کا امتحان نہیں لیا یعنی میں نے اس پر تجربہ نہیں کیا) کہ وہ یمن والوں میں سے بہترین آدمی ہے۔

تشریح المفردات:

(قیس) یہاں قیس بن معدیکرب مراد ہے، اہشی میمون بن قیس اس کی تعریف کر رہا ہے۔ (لم ابلہ) بلا پہلو امتحان لینے کے معنی میں ہے نصر سے ہے محزوم بحذف الواو ہے۔

محل استشہاد:

(ابنث قبسا..... خیر اهل الیمن) محل استشہاد ہے یہاں ”انبا“ نے تین مفعولوں میں عمل کیا ہے اول تاہ شکلم ہے جو نائب فاعل واقع ہے دوسرا مفعول قبسا اور تیسرا خیر اهل الیمن ہے۔

وخبیر الخ:

خبیر بھی تین مفعولوں کی طرف محدود ہوتا ہے جیسے: ”خبیرت زیدا عمرا غانبا“ اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۱- وَخَبِرْتُ سَوْدَاءَ الْغَمِيمِ مَرِيضَةً

فَأَقْبَلْتُ مِنْ أَهْلِى بِمِصْرَ أَعُوذَهَا

ترجمہ..... مجھے خبر دی گئی کہ سوداء الغمیم (محبوبہ کا لقب ہے) بیمار ہے تو میں مصر میں

اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر اس کی عیادت کیلئے آیا۔

تشریح المفردات:

(سوداء الغمیم) یہ محبوبہ کا لقب ہے چونکہ وہ غمیم نامی جگہ میں رہتی تھی اس وجہ سے یہ لقب پڑ گیا، غمیم

حجاز کے ایک علاقے کا نام ہے۔ (بمصر) ترکیب کے اعتبار سے ”اہلسی“ کیلئے مفت ہے ای ”الکائنیں بمصر (اعوذھا) اقبلت“ کی تاہ سے حال مقدّمہ ہے۔

شان و رود:..... یہ شعر عوام بن عقبہ بن کعب بن زہیر کا ہے ان کے والد اور دادا سب شاعر تھے شاعر بنو عبد اللہ بن

غطفان کی ایک عورت پر عاشق ہوا اور اس کے والد کو بھی اسی عورت کے ساتھ عشق تھا عوام روزگار کیلئے گیا راستہ

میں پتہ چلا کہ اس کی محبوبہ بیمار ہے وہاں سے مصر چھوڑ کر عیادت کیلئے اپنی محبوبہ کے پاس آیا، محبوبہ نے اشارہ

کر کے پوچھا تو عوام نے جواب دیا کہ میں آپ کی عیادت کیلئے آیا ہوں۔

آپس کی بات چیت کے بعد محبوبہ نے عوام کو واپس جانے کی اجازت دی۔ چنانچہ وہ چلا گیا اس کے چلے جانے

کے بعد محبوبہ اس کے فراق اور بیماری کی وجہ سے انتقال کر گئی، یہاں شاعر اسی نقشہ کو پیش کر رہا ہے۔

محل استشہاد:

(خَبْرُثُ سَوْدَاءَ الْغَمِيمِ مَرِيضَةً) محل استشہاد ہے یہاں ”خَبْرُثُ“ نے تین مفعولوں میں عمل کیا ہے ایک تاء ضمیر جو نائب فاعل واقع ہے۔ دوسرا (سوداء الغمیم) اور تیسرا مریضۃ۔

وانماقال المصنّف الخ:

مصنّف نے ”وکارئی السابق نباء الخ“ کہا اس لئے کہ اس سے پہلے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ”اری“ کبھی تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور کبھی دو مفعولوں کی طرف۔ پہلے مصنّف نے جس ”اری“ کو ذکر کیا ہے وہ تین مفعول کی طرف متعدی ہونے والا ہے۔ یہاں مصنّف نے (وکارئی السابق نباء الخ) کھلکا اشارہ کیا کہ نباء اور اس کے علاوہ دیگر افعال پہلے والے ذکر کردہ ”اری“ کی طرح ہیں یعنی تین مفعول کی طرف یہ بھی متعدی ہوتے ہیں اور اس ”اری“ کی طرح نہیں جس کا ذکر بعد میں ہوا یعنی جو دو مفعول کی طرف متعدی ہے۔

اللَّهُمَّ

سُبْحَانَ اللَّهِ
وَتَعَالَى

الْفَاعِلُ

الْفَاعِلُ الَّذِي كَمَرُفُوْعِي "أَتَى

زَيْدٌ" مُنِيرًا وَجْهَهُ بِعَمِّ الْفَتَى

ترجمہ:..... قائل وہ ہے جو اتنی زید، منیراً و جہہ اور نعم الفتی کے دونوں مرفوع

کی طرح ہو۔ (اتنی زید فعل متصرف اور نعم الفتی فعل غیر متصرف اور "منیراً

وجہہ" مرفوع بشبہ الفعل کی مثال ہے)۔

(ش) لمصافح من الكلام على نواسخ الابتداء شرع في ذكر ما يطلبه الفعل التام من المرفوع وهو

الفاعل، أو نائبه وسياتي الكلام على نائبه في الباب الذي يلي هذا الباب.

فاما الفاعل فهو: الاسم، المسند إليه فعل، على طريقة فعل، أو شبهه، وحكمه الرفع والمراد

بالاسم: ما يشمل الصريح، نحو: ((قام زيد)) والمؤول به، نحو: ((يعجبني أن تقوم)) أي: قيامك.

فخرج ب ((المسند إليه فعل)) ما أسند إليه غيره، نحو: ((زيد أخوك)) أو جملة، نحو:

((زيد قام أبوه)) أو ((زيد قام)) أو ما هو في قوة الجملة، نحو: ((زيد قائم غلامه)) أو زيد قائم)) أي:

هو.

وخرج بقولنا ((على طريقة فعل)) ما أسند إليه فعل على طريقة فعل، وهو النائب عن الفاعل،

نحو: ((ضرب زيد))

والمراد بشبه الفعل المذكور: اسم الفاعل، نحو: ((قائم الزيدان))، والصفة المشبهة، نحو:

((زيد حسن وجهه)) والمصدر، نحو: ((عجبت من ضرب زيد عمراً)) واسم الفعل، نحو: ((هيئات

العقبي)) والظرف والجار والمجرور، نحو: ((زيد عندك أبوه)) أو ((في الدار غلاماً)) والفعل

التفضيل، نحو: ((مررت بالأفضل أبوه)) فأجوبه، ثم فروع بالأفضل، وإلى ما ذكر أشار المصنف

بقوله: ((كمرفوعي أتى - الخ))

والمراد بالمرفوعین ما كان مرفوعاً بالفعل أو بما يشبه الفعل، كما تقدم ذكره، ومثل المرفوع بالفعل بمثالین: أحدهما مرفوع بفعل متصرف، نحو: ((أتی زید))، والثانی مرفوع بفعل غیر متصرف، نحو: ((نعم الفتی))، ومثل للمرفوع بشبه الفعل بقوله: ((منیراً وجهه)).

ترجمہ و تشریح:

سو اسخ الابداء پر تفصیلی کلام گزر چکا اب اس چیز کو ذکر کر رہے ہیں جس کو فعل تام (اگرچہ ناخ ہو جیسے: ننت) طلب کرتا ہے اور وہ فاعل یا نائب فاعل کہلاتا ہے۔ نائب فاعل کا ذکر اس باب کے بعد آئے گا انشاء اللہ یہاں فاعل کو ذکر کر رہے ہیں۔

فاعل کی تعریف:

فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہو ”فَعَلٌ“ کے طریقہ پر یا شبہ فعل کی نسبت کی گئی ہو اور اس کا حکم مرفوع ہونا ہے۔

اسم کہا تو یہ اسم صریح کو بھی شامل ہو جیسے ”قام زید“ اور اس کو بھی شامل ہوا جو صراحتاً تو فعل ہو لیکن ساویلاً بالمصدر اسم ہو جیسے یعجبنی ان تقوم، ان جب مضارع پر داخل ہو تو اس کو مؤول بالمصدر کرتا ہے ”المسند الیہ فعل“ کہا تو احتراماً کیا اس سے جس کی طرف غیر فعل کا اسناد کیا گیا ہو جیسے زید اخو ک یا جملہ کا اسناد ہو جیسے ”زید قام ابوه“، زید قام، یا مکمل جملہ کا اسناد تو نہ ہو لیکن ”فی قوۃ الجملة“ کا ہو جیسے ”زید قائم علامہ“ یا زید قائم ”ای ہو

علی طریقہ فَعَلٌ۔ فعل کے طریق پر اسناد ہو یعنی فعل معروف کا اسناد ہو اس سے احتراماً کیا اس اسناد سے جو علی طریقہ فعل“ ہو یعنی فعل مجہول والا ہو جیسے ضرب زید۔

المراد بشبه الفعل الخ:

شبہ فعل سے مراد اسم فاعل ہے جیسے: ”القائم الزیدان“ اور صفت مشبہ جیسے ”زید حسن وجہہ“ اور مصدر جیسے ”عجبت من ضرب زید عمراً، اسم فعل جیسے ھینھات العقیق“ طرف اور جار مجرور جیسے: زید سندک ابوه“ فی الدار غلاماً“ اسم تفضیل جیسے ”مرزٹ بالافضل ابوه“ اسی کی طرف مصنف نے

کمر فروعی الخ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

مرفوعین سے مراد مرفوع بالفعل اور مرفوع بشبہ الفعل ہیں، مرفوع بالفعل کی دو مثالیں مصنف نے دی ہیں ایک وہ ہے جو مرفوع بالفعل المتصرف ہو جیسے ”اتنی زید“ اور ایک وہ ہے جو مرفوع بالفعل الغير المتصرف ہو۔ جیسے نعم الفتی، منیراً و جہلاً۔

وَبَعْدَ فَعَلٍ فَاعِلٌ فَإِن ظَهَرَ

فَهُوَ وَإِلَّا فَضَمِيرٌ اسْتَتَرَ

ترجمہ:..... فعل کے بعد فاعل ہوتا ہے پس اگر فاعل ظاہر ہو تو وہی مطلوب ہے ورنہ فاعل

وہ ضمیر ہوگا جو مستتر ہے۔

(ش) حکم الفاعل التأخر عن رافعه۔ وهو الفعل أو شبهه۔ نحو: ((قام الزيدان، وزيد قائم غلاماه، وقام زيد)) ولا يجوز تقديمه على رافعه؛ فلا تقول: ((الزيدان قام))، ولا ((زيد قام)) على أن يكون ((زيد)) فاعلاً مقدماً، بل على أن يكون مبتدأ، والفعل بعده رافع لضمير مستتر، والتقدير ((زيد قام هو)) وهذا مذهب البصريين، وأما الكوفيون فأجازوا التقديم في ذلك كله.

وتظهر فائدة الخلاف في غير الصورة الأخيرة۔ وهي صورة الأفراد۔ نحو: ((زَيْدٌ قَامٌ))؛ فتقول على مذهب الكوفيين: ((الزيدان قام)) والزيدون قام)) وعلى مذهب البصريين يجب أن تقول: ((الزيدان قاماً، والزيدون قاموا))، فتأتي بالف وواو في الفعل، ويكونان هما الفاعلين، وهذا معنى قوله: ((وبعد فعل فاعل))۔

وأشار بقوله فإن ظهر فإن مرفوع فإن ظهر فلا إضمار

نحو: ((قام زيد))، وإن لم يظهر فهو ضمير، نحو: ((زيد قام)) أي: هو.

ترجمہ و تشریح:

فاعل ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے:

فاعل چونکہ وضعاً فعل کے بعد ہوتا ہے اس وجہ سے فاعل کی تقدیم جائز نہیں دوسری بات یہ ہے کہ فاعل کی تقدیم کی صورت میں مبتداء کے ساتھ التباس آتا ہے۔ مثلاً اگر فاعل کی تقدیم کو جائز قرار دیا جائے تو زیدٌ قامَ میں پتہ نہیں چلے گا کہ یہاں زید مبتداء ہے اور قام سے خبر دی جا رہی ہے یا قیام کا اسناد کرنا مقصود ہے۔ لہذا بصریین کے یہاں فاعل کی تقدیم جائز نہیں۔ چنانچہ زیدٌ قامَ والی ترکیب میں زید مبتداء اور قام فعل فاعل جملہ خبر واقع ہے، اور کوفیین کے ہاں ان تمام صورتوں میں فاعل کی تقدیم جائز ہے۔

شمرہ اختلاف:

اختلاف کا شمرہ مفرد کے علاوہ شنیہ جمع میں ظاہر ہوتا ہے کوفیین کے مذہب کے مطابق ”الزیدان قامَ، الزیدون قامَ“ کہنا جائز ہے اور بصریین کے نزدیک ”الزیدون قاما“ اور الزیدون قاموا“ پڑھنا ضروری ہے یعنی فعل میں آپ الف یا اولاً بیٹے اور یہی دونوں فاعل ہونگے۔ مصنف کے قول ”وَبَعْدَ فَعَلٍ فَاعِلٌ“ کا یہی معنی ہے۔

فان ظهر الخ:

اس سے مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ فعل اور شبہ فعل کیلئے مرفوع (فاعل) کا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ ظاہر ہو تو پھر اضاہر نہیں ہوگا جیسے ”قامَ زیدٌ“ اگر ظاہر نہ ہو تو فاعل ضمیر ہوگی۔ جیسے ”زیدٌ قامَ ای ہُو“

وَجَرْدُ الْفِعْلِ إِذَا مَا أُنْزِلَا

لَا نَيْنِ أَوْ جَمْعِ ك ((فَارَ الشَّهَدَا))

وَقَدْ يُقَالُ: سَمِعَا، وَسَعِدَا

وَالْفِعْلُ لِلظَّاهِرِ - بَعْدَ - مُسْنَدٌ

ترجمہ:..... (آپ شنیہ جمع کی علامت سے) فعل کو خالی کر دیں جب وہ شنیہ یا جمع کی طرف مستند ہو جیسے: فَارَ الشَّهَدَا (شہید کا میاب ہو گئے) یہاں فاعل جمع کا صیغہ

ہے (یعنی شہداء) اور اس کا مفرد جمع کی علامت سے خالی ہے اور کبھی سَعِدًا،
سَعِدُوا (یعنی فعل کو تنزیہ جمع لا کر) بھی کہا جاتا ہے اور حال یہ ہے کہ فعل اس کے بعد
اسم ظاہر کی طرف منہ ہوتا ہے۔

(ش) مذہب جمہور العرب انہ إذا أسند الفعل إلى ظاهر - مثنى ، أو مجموع - وجب تجزئہ من
علامة تدل على التثنية أو الجمع، فيكون كحاله إذا أسند إلى مفرد؛ فتقول: ((قام الزيدان، وقام
الزيدون، وقامت الهندات))، كما تقول: ((قام زيد)) ولا تقول على مذهب هؤلاء: ((قاما الزيدان))،
ولا ((قاموا الزيدون))، ولا ((قمن الهندات)) فتأتي بعلامة في الفعل الرفع للظاهر، على أن يكون
ما بعد الفعل مرفوعاً به، وما اتصل بالفعل - من الألف، والواو، والتون - حروف تدل على تثنية الفاعل
أو جمعه، بل على أن يكون الاسم الظاهر مبتدأ مؤخرًا، والفعل المتقدم وما اتصل به اسمًا في موضع
رفع به، والجملة في موضع رفع خبرًا عن الاسم المتأخر.

ويحتمل وجهًا آخر، وهو: أن يكون ما اتصل بالفعل مرفوعاً به كما تقدم، وما بعده يدل
مما اتصل بالفعل من الأسماء المضمرة - أعني الألف، والواو، والتون -

ومذهب طائفة من العرب - وهم بنو الحارث بن كعب، كما نقل الصفار في شرح الكتاب -
أن الفعل إذا أسند إلى ظاهر - مثنى، أو مجموع - أتى فيه بعلامة تدل على التثنية أو الجمع؛ فتقول:
((قاما الزيدان، وقاموا الزيدون، وقمن الهندات)) فتكون الألف والواو والتون حروفًا تدل على
التثنية والجمع، كما كانت التاء في ((قامت هند)) حرفًا تدل على التانيث عند جميع العرب،
والاسم الذي بعد المذكور مرفوع به، كما ارتفعت ((هند)) ب ((قامت))، ومن ذلك قوله:

١٣٢ - تَوَلَّى قِتَالَ الْمَارِقِينَ بِنَفْسِهِ
وَقَدْ أَسْلَمَاهُ مُبَعَّدًا وَحَمِيمًا

وقوله:

١٣٣ - يَلُومُونَنِي فِي اشْتِرَاءِ النَّمِيِّ
لِأَهْلِي؛ فَكُلُّهُمْ يَمْعِدِلُ

قوله:

۱۳۴- رَأَيْنَ الْغَوَائِيَّ الشَّيْبَ لَاحَ بِعَارِضِي
فَأَعْرَضَنَ عَنِّي بِالْخُدُودِ النَّوَاضِرِ

ف ((مُبَعَّدٌ وَحَمِيمٌ)) مرفوعان بقوله: ((أسلماه)) والألف في ((أسلماه)) حرف يدل على كون الفاعل الثنين، وكذلك ((أهلي)) مرفوع بقوله ((يلوموني)) والواو حرف يدل على الجمع، ((الغواني)) مرفوع ب ((رأين)) والنون حرف يدل على جمع المؤنث، وإلى هذه اللغة أشار المصنف بقوله: ((وقد يقال سعدا وسعدوا - إلى آخر البيت)).

ومعناه أنه قد يؤتى في الفعل المسند إلى الظاهر بعلامة تدل على التثنية، أو الجمع؛ فأشعر قوله ((وقد يقال)) بأن ذلك قليل، والأمر كذلك.

وإنما قال: ((والفعل للظاهر بعد مسند)) لئنه على أن مثل هذا التركيب إنما يكون قليلاً إذا جعلت الفعل مسنداً إلى الظاهر الذي بعده، وأما إذا جعلته مسنداً إلى المتصل به - من الألف، والواو، والنون - وجعلت الظاهر مبتدأ، أو بدلاً من الضمير؛ فلا يكون ذلك قليلاً، وهذه اللغة القليلة هي التي يعبر عنها النحويون بلغة: ((أكلوني البراغيث))، ويعبر عنها المصنف في كتبه بلغة ((يتعالبون فيكم ملائكة بالليل وملائكة بالنهار))، ف((البراغيث)) فاعل أكلوني))، و((ملائكة)) فاعل ((يتعالبون))، هكذا زعم المصنف.

ترجمہ و تشریح:

فاعل ظاہر کے وقت فعل کا حکم اور اس میں اختلاف

جمہور عرب کا مسلک یہ ہے کہ فعل جب فاعل ظاہر کی طرف مسند ہو یعنی اس کا فاعل اسم ظاہر ہو اور وہ فاعل ثننیہ صحیح ہو تو اس صورت میں فعل کو ثننیہ جمع کی علامت سے خالی کرنا ضروری ہے۔ لہذا اس کا حکم ایسا ہی ہوگا جس طرح مفرد کی طرف مسند کا ہوتا ہے یعنی فعل کو صرف مفرد لایا جائے گا جیسے قام الزیدان، قام الزیدون، قامت الہنداث، ان کے مسلک پر قائما الزیدان، قاموا الزیدون، فتمن الہنداث نہیں کہا جائے گا بایں طور کہ فعل کا مابعد اس کیلئے

فاعل ہو اور وہ اسی فعل کی وجہ سے مرفوع ہو اور الف واؤ نون محض تثنیہ جمع پر دلالت کرنے کیلئے لائے گئے ہوں بلکہ اس صورت میں (الزیدان، الزیدون، الہندات) مبتدأ مؤخر ہونگے اور قاما، قاموا - فَمَنْ خبر مقدم ہونگے۔ (شارح فرماتے ہیں) کہ ان میں ایک دوسرا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ جو فعل کے ساتھ متصل ہیں مثلاً الف، واؤ، نون وہی اس کیلئے فاعل ہیں اور یہ مبدل مند ہے اور ما بعد کا اسم ظاہر ان ہی الف واؤ نون سے بدل ہیں۔

ومذهب طائفة من العرب الخ:

بنو الحارث بن کعب (جو عرب کا ایک طاقتور ہے) کے نزدیک (جس طرح مفسرانے کتاب کی شرح میں نقل کیا ہے) کے نزدیک جب فعل اسم ظاہر تثنیہ یا جمع کی طرف مسند ہو تو اس میں علامت لائی جائیگی جو دلالت کرے گی فاعل کے تثنیہ یا جمع ہونے پر (واضح رہے کہ ان کے ہاں فاعل اسم ظاہر تثنیہ یا جمع کی صورت میں فعل پر علامت تثنیہ یا جمع لانا ضروری نہیں بلکہ صرف جواز کی حد تک ہے کبھی وہ لاتے ہیں اور کبھی نہیں)

لہذا آپ ان کے مسلک کے مطابق کہیں گے ”قَامَا الزیدان، قَامُوا الزیدون فَمَنْ الہندات“ الف واؤ نون تثنیہ جمع پر دلالت کرنے والے حروف ہونگے جس طرح ”قَامَتْ ہند“ میں تاء تمام عرب کے ہاں تائید پر دلالت کرتی ہے اور بعد کا اسم اسی فعل کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۴۲- تَوَلَّى قَتَالَ الْمَارِقِينَ بِنَفْسِهِ

وَقَدْ أَسْلَمَاهُ مُبَقَّدًا وَحَوِيْمًا

ترجمہ:..... حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے وین سے نکلنے والوں کے ساتھ لڑائی

کی خود ذمہ داری لی حالانکہ ان کو انجینی اور دوست سب لوگوں نے چھوڑا تھا۔

تشریح المفردات:

(تَوَلَّى) باب تفعّل سے واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے کس چیز کی ذمہ داری لینا، سرپرستی کرنا (المارقین) نصر سے دین سے خارج ہونے والے یہاں خوارج مراد ہیں، قیامت کی علامات والی حدیث شریف بھی ہے یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة“ (اسلما) باب افعال سے کسی کی بدد کو چھوڑنا

(مبعد) عین کے کسرہ یافتہ کے ساتھ بمعنی اجنبی (حمیم) قرینی آدمی، گہرا دوست۔

شان و رود:..... یہ شعر عبید اللہ بن قیس کا ہے چونکہ یہ جن تین عورتوں پر عاشق تھا تینوں کا نام رقیبہ تھا اس وجہ سے "قیس الرقیبات" کہلانے لگا۔ حضرت مصعب بن زبیرؓ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ خلافت امویہ کے خلاف نکل آئے تھے شاعر بھی ان ہی بھائیوں کے ساتھ تھا، حضرت مصعب بن زبیرؓ آخر کار دشمنوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما گئے ان کے مرثیہ میں شاعر مذکور نے یہ شعر کہا۔

محلن استشہاد:

(اسلماء مبعود و حمیم) محلن استشہاد ہے یہاں قائل تشبیہ ہے جمہور کے نزدیک "اسلماء مبعود و حمیم" مفرد فعل ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے باوجود تشبیہ آیا ہے، ہوا الحارث بن کعب والوں کے مسلک کے مطابق، جمہور اس میں وہی دو تاویل کرتے ہیں جن کا ذکر ابھی پہلے ہو گیا۔ اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۴۳- يَلُوْمُوْنِيْ فِيْ اِشْتِرَاءِ النَّخْلِ

لِ اَهْلِ بَيْتِيْ؛ فَكُلُوْهُمُ يَمْعِدُلُ

ترجمہ:..... میرے گھر والے مجھے کھجور کے درخت خریدنے پر ملامت کرتے ہیں پس ان میں سے ہر ایک (یعنی ہر کس و ناکس) ملامت کرتا ہے۔

تشریح المفردات:

(یلومون) لام یلوم نصر سے بمعنی ملامت کرنا، (اشتراء) باب الفتحال کا مصدر ہے خریدنا (نخيل) کھجور کے درخت اسم جمع ہے اس لفظ سے اس کا واحد نہیں اور (نخل) اسم جنس جمع ہے جس کے بارے میں کلمہ کی بحث میں گزر چکا کہ اس میں اور اس کے مفرد میں تاء کے ذریعہ فرق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں اس کا مفرد نخلة ہے (اهل) اہل و عیال، بیوی بچے، (یعدل) ضرب سے ملامت کرنا، اگرچہ حاشیة الخضرى میں اس کو نصر سے بھی کہا ہے۔

محل استشہاد:

(یلو مولیٰ..... اہلی) محل استشہاد ہے یہاں فاعل (اہل) معنی کے اعتبار سے جمع ہے اسلئے فعل کو بھی جمع لایا ہے صحیح قول کے مطابق یلو مولیٰ بمعنی مفرد ہونا چاہیے۔
اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

رَأَيْنَ الْغَوَانِي الشَّيْبَ لَاحَ بِعَارِضِي
فَأَعْرَضَنَ عَنِّي بِالْخُدُودِ الْنَوَاضِرِ

ترجمہ:..... خوبصورت عورتوں نے میرے چہرے کے ایک حصہ پر بالوں کی سفیدی دیکھی تو تروتازہ خوب صورت رخساروں کے ذریعہ انہوں نے مجھ سے اعراض کیا۔

تشریح المفردات:

(الغواني) غانية کی جمع ہے ”وہی المرءة التي استغنت بحسنها وجمالها عن الزينة، وہ عورت جو اپنے حسن وجمال کی وجہ سے زینت اختیار کرنے سے مستغنی ہو۔ (الشيب) بالوں کی سفیدی (لاح) نصر سے ہے بمعنی ظاہر ہونا عارض چہرے کا ایک حصہ، ایک رخ (الخدود) خد کی جمع ہے بمعنی رخسار، (النواضير) ناضرة کی جمع ہے بمعنی تروتازہ اور خوبصورت۔

محل استشہاد:

(رأين الغواني) محل استشہاد ہے یہاں فاعل اسم ظاہر کی طرف فعل مند ہے فصیح لغت کے مطابق رات مفرد کے صیغہ کے ساتھ ہونا چاہئے تھا لیکن پھر بھی جمع کے ساتھ آیا ہے۔

ومعناه انه الخ:

(قد يقال سعدا وسعدوا) کہہ مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ فعل کے ساتھ ثنیہ جمع کی علامتوں کو لانا جب فاعل اسم ظاہر ہو یہ کبھی کبھی ہوتا ہے یعنی یہ قلیل ہے (بایں وجہ کہ مصنف نے مضارع پر قد داخل کیا ہے اور قد جب مضارع پر داخل ہو تو تقلیل کا معنی دیتا ہے)

وَأَمَّا قَالِ الْخ:

شارح فرماتے ہیں کہ مصنف نے ”والفعل للظاهر بعد مسند“ کہہ کر اس بات پر تشبیہ کی کہ اس طرح کی ترکیب اس وقت قلیل ہے جب آپ فعل کو اسم ظاہر کی طرف منہ کریں یعنی اسم ظاہر کو فاعل بنائیں اور اگر آپ گزشتہ تفصیل کے مطابق قاسما، قاموا، قمن میں الف، واو، نون کو فاعل بنائیں اور اسم ظاہر کو مبتدا کر دیں یا الف واو، نون کو مبتدا منہ اور اسم ظاہر کو بدل بنائیں تو اس صورت میں قلیل نہیں۔

اسی لغت قلیلیہ کو نحوی حضرات ”اکسونی البراغیث“ کی لغت کے نام سے یاد کرتے ہیں (یہاں بھی البراغیث اسم ظاہر جمع ہے فاعل واقع ہے اور اس کا فعل بھی جمع ہے، ترجمہ مجھے پتو کھا گئے) اور مصنف نے اپنی بعض کتابوں میں ”یتعاقبون فیکم ملائکة باللیل وملائکة بالنهار“ کی لغت سے اس کی تعبیر کی ہے (یہاں فاعل ملائکة جمع اسم ظاہر ہے فعل بھی ”یتعاقبون“ جمع آیا ہے۔

وَيَرْفَعُ الْفَاعِلُ فِعْلًا أَضْمِرًا

کَمَثَلِ ”زَيْدٌ“ فَيَسِي جَوَابٌ ”مَنْ قَرَأَ“؟

ترجمہ:..... اور فاعل کو رفع دیتا ہے وہ فعل بھی جو ضمیر ہو جسے کہا جائے ”زید“ (بغیر فعل کے) اس شخص کے جواب میں جو کہے ”مَنْ قَرَأَ“ (یعنی کبھی قرینہ کے وقت فعل کو حذف کرنا بھی جائز ہے یہاں سائل کے سوال میں چونکہ فعل مذکور ہے اس لئے جواب میں اس کو حذف کیا)

(ش) إِذَا دَلَّ دَلِيلٌ عَلَى الْفِعْلِ جَازَ حَذْفُهُ، وَإِبْقَاءُ فَاعِلِهِ، كَمَا إِذَا قِيلَ لَكَ: ((مَنْ قَرَأَ))؟ فَنَقُولُ: ((زَيْدٌ))
التقدير: ((قَرَأَ زَيْدٌ))

وقد ي حذف الفعل وجوبا، كقوله تعالى: ((وَأَنْ أَحَدَهُ مِنَ الْمَشْرُوكِينَ اسْتَجَارَكَ))
((أَحَدَهُ)) فاعل بفعل محذوف وجوبا، والتقدير: ((وَأَنْ اسْتَجَارَكَ [أَحَدَهُ اسْتَجَارَكَ]))، وكذلك كل اسم مرفوع وقع بعد ((أَنْ)) أو ((إِذَا)) فإنه مرفوع بفعل محذوف وجوبا، ومثال ذلك في ((إِذَا)) قوله تعالى: ((إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ)) ف((السَّمَاءُ)) فاعل بفعل محذوف، والتقدير: ((إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ)) وهذا مذهب جمهور المعربين، وسأتي الكلام على هذه المسألة

فی باب الاشتغال، إن شاء الله تعالى

ترجمہ و تشریح:

قرینہ کی وجہ سے فعل کو حذف کرنا جائز ہے:

جب فعل پر کوئی دلالت کرنے والا قرینہ ہو تو فعل کو حذف اور فاعل کو برقرار رکھ سکتے ہیں، مثلاً کہا جائے مَسْنُ قَرَوَ، اور جواب میں ”زید“ کہا جائے۔

شارح فرماتے ہیں کہ کبھی فعل کو جو بنا بھی حذف کر سکتے ہیں جیسے باری تعالیٰ کے اس قول میں ”وَإِنْ أَخَذَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتِجَارَكَ“ اس میں تقدیر عبارت یوں ہے ”وَإِنْ اسْتِجَارَكَ أَخَذَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ“ یہاں أَخَذَ سے پہلے فعل کو جو بنی طور پر حذف کیا گیا ہے اس لئے کہ بعد میں اس کا مفسر (تفسیر کرنے والا) یعنی مشرکین کے بعد والا ”استجارک“ ذکر ہے تو اس سے پہلے فعل کو اس لئے حذف کیا تا کہ مفسر اور مفسر میں اجتماع لازم نہ آئے جو کہ ناجائز ہے۔

اسی طرح جو اسم ”إذا“ کے بعد واقع ہو جیسے ”إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ“ اس کے فعل کو بھی وجوہاً حذف کیا جاتا ہے تقدیر عبارت ہے ”إِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ انشَقَّتْ“ اس مسئلہ کی مزید تفصیل ”اشتغال العامل من المعمول“ یعنی ما اضمر عامله علی شريطة التفسير کی بحث میں آئے گی، انشاء اللہ۔

وَتَاءُ تَانِيثٍ تَلِي الْمَاضِي، إِذَا

كَانَ لِأَنْسَى ”ك“ أَبَتْ هِنْدُ الْأَذَى

ترجمہ:..... تاء تانیث ماضی کے ساتھ آتی ہے جب ماضی مؤنث فاعل کی طرف سے ہو (کان) میں ہو ضمیر ماضی کی طرف راجع ہے (کان) کے اندر ہو ضمیر مستتر اس کا اسم ہے اور خبر اس کی محذوف ہے۔ ”اِی كَانَ مُسْتَعْدًا لِأَنْسَى“ جیسے ابَتْ هِنْدُ الْأَذَى (یہاں هِنْدُ مؤنث فاعل کی طرف ابَتْ ماضی کو مستند کیا گیا اس لئے ماضی کے ساتھ تاء تانیث آگئی)

(ش) إِذَا اسند الفعل الماضي إلى مؤنث لحقته تاء ساكنة تدل على كون الفاعل مؤنثاً، ولا فرق لما ذلك بين الحقيقي والمجازي، نحو: ((قَامَتْ هِنْدُ، وَطَلَعَتِ الشَّمْسُ))، لكن لها حالان: حالة لزاماً

حالة جواز، وسیاتی الکلام علی ذلک.

ترجمہ و تشریح:

فعل کامؤنث فاعل کی طرف مسند ہونا:

جب فعل ماضی مؤنث فاعل کی طرف مسند ہو تو اس صورت میں فعل کے ساتھ تاء ساکنہ آتی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فاعل مؤنث ہے، شارح فرماتے ہیں کہ تاء تانیث آنے میں مؤنث حقیقی اور مؤنث مجازی کے درمیان فرق نہیں بلکہ دونوں کے ساتھ آتی ہے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس کی دو حالتیں ہیں۔

(۱) بعض میں لازمی طور پر تاء تانیث آتی ہے جیسے مؤنث حقیقی میں "قَامَتْ هِنْدٌ" پڑھنا ضروری ہے۔

(۲) بعض میں جوازی طور پر تاء تانیث آتی ہے جیسے طَلَعَ الشَّمْسُ، طَلَعَتِ الشَّمْسُ اس کی مزید تفصیل آگے

آئیگی انشاء اللہ۔

وَأَتَمَّا لُزِمَ فِعْلٌ مُضْمَرٌ

مُتَّصِلٌ، أَوْ مَفْهُومٌ ذَاتٌ حَرٌّ

ترجمہ:..... تاء تانیث مضمّر متصل فاعل کے فعل کے ساتھ لازم ہوتی ہے یا اس اسم ظاہر کے فعل کے ساتھ لازم ہوتی ہے جو مؤنث کو بتائے۔ (جو فوج یعنی شرمگاہ کو کہتے ہیں)

ش) تلزم تاء التانیث الساكنة الفعل الماضي في موضعين:

أحدهما: أن يسند الفعل إلى ضمير مؤنث متصل، ولا فرق في ذلك بين المؤنث الحقيقي المجازی؛ فتقول: ((هند قامت، والشمس طلعت))، ولا تقول: ((قام)) ولا ((طلع))، فإن كان الضمير منفصلاً لم يؤث بالتاء، نحو: ((هند ما قام إلا هي))

الثاني: إن يكون الفاعل ظاهراً حقيقياً التانیث، نحو: ((قامت هند)) وهو المراد بقوله: ((أو مفهوم ذات حر))، وأصل حر حرج، فحدقت لام الكلمة

فهم من كلامه أن التاء لا تلزم في غير هذين الموضعين؛ فلا تلزم في المؤنث المجازی الظاهراً فتقول: ((طلع الشمس، وطلعت الشمس)) ولا في الجمع، على ماسیاتی تفصیله.

ترجمہ و تشریح:

تاء تانیث فعل کے ساتھ کہاں لازم ہوتی ہے؟

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ تاء تانیث ساکنہ فعل کے ساتھ دو جگہوں میں لازماً آتی ہے۔

۱..... ایک اس صورت میں جب فاعل مؤنث کی ضمیر ہو یعنی فعل کا اسناد ہوا ہو متصل مؤنث کی ضمیر کی طرف، اس میں حقیقی اور مجازی مؤنث کے درمیان فرق نہیں۔ چنانچہ **هَذَا قَامَتْ، الشَّمْسُ طَلَعَتْ** پڑھنا ضروری ہے اس میں **قَامَ** "طَلَعَ" نہیں پڑھ سکتے۔

ہاں اگر ضمیر متصل کے بجائے منفصل ہو تو پھر تاء کو نہیں لایا جائے گا۔ جیسے: **"هَذَا مَلَأَ الْاِهْلِي"**

۲..... دوسری جگہ جہاں فعل کے ساتھ تاء تانیث ضروری ہے وہ ہے جب اسم فاعل ظاہر مؤنث حقیقی ہو مصنف کے قول **"اَوْ مُفْهِمِ ذَاتِ حِرٍّ"** سے یہی مراد ہے، حیر اصل میں حِرٌّ تھا بَدَلٌ کی طرح اس کا لام کلمہ بھی حذف ہوا ہے۔۔۔ (حیر) فرج المرأة (عورت کی شرمگاہ) کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں مطلق فرج مراد ہے۔

وفہم الخ:

مصنف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو جگہوں کے علاوہ کہیں اور فعل کے ساتھ تاء تانیث لازم نہیں۔ چنانچہ اسم ظاہر مؤنث مجازی کے فاعل میں ضروری ہے۔ لہذا آپ **طَلَعَ الشَّمْسُ، طَلَعَتِ الشَّمْسُ** پڑھ سکتے ہیں۔

اسی طرح جمع میں بھی **قَامَ الرِّجَالُ قَامَتِ الرِّجَالُ** دونوں (تاء تانیث کے ساتھ یا اس کے بغیر) پڑھ سکتے ہیں۔

وَقَدْ يُبَيِّحُ الْفَضْلُ تَرَكَ التَّاءِ فِي

نَحْوِ "أَنَّى الْقَاضِي بِنْتِ الْوَأَقْفِ"

ترجمہ:..... کبھی "انسی القاضی بنت الواقف" جیسی مثالوں میں فاصلہ تاء کے

چھوڑنے کو جائز کرتا ہے۔ (یعنی مثال مذکور میں فعل اور فاعل کے درمیان اِلا کے

علاوہ فاصلہ آنے کی وجہ سے فعل سے تاء تانیث کو ہٹا سکتے ہیں)

(من) إذا فصل بين الفعل والفاعل المؤنث الحقيقي بغير ((إلا)) جاز إثبات التاء وحذفها، والأجود الإثبات؛ فنقول: ((أتى القاضى بنت الواقف)) والأجود ((أتت)) وتقول: ((قام اليوم هند)) والأجود ((قامت))

ترجمہ و تشریح:

جب فعل اور فاعل مؤنث حقیقی میں الّا کے علاوہ کسی اور چیز کا فاصلہ آجائے تو اس صورت میں تاء کو بھی لاسکتے ہیں اور حذف بھی کر سکتے ہیں بہتر تو یہ ہے کہ تاء ثابت رہے۔ جیسے: أتى القاضى بنت الواقف میں "أتت" اور "قام اليوم هند" میں قامت پڑھنا بہتر ہے۔

والحذف مع فضل بالآ فضلًا

ك "ماز كمالًا فضلًا بن العلاء"

ترجمہ:..... تاء کے حذف کو فاصلہ کے ساتھ مفضل بنایا گیا ہے (یعنی تاء کے حذف کو فضیلت حاصل ہے اس طرح حذف مفضل بیضا اسم مفعول ہوا) جیسے: ماز كمالًا فضلًا بن العلاء، پاک نہیں مگر ابن العلاء کی بیٹی۔

(من) وإذا فصل بين الفعل والفاعل المؤنث ب ((إلا)) لم يجوز إثبات التاء عند الجمهوز، فنقول: ((ما قام إلا سنبو ما طلع إلا الشمس)) ولا ((ما طلعت إلا الشمس))، ولقد جاء في الشعر كقولہ:

۱۳۵- وما بقيت إلا الصلوع الجراشع

فقول المصنف: ((إن الحذف مفضل على الإثبات)) يشعر بأن الإثبات - أيضًا - جائز، وليس كذلك لأنه إن أراد به أنه مفضل عليه باعتبار أنه ثابت في النثر والنظم، وأن الإثبات إنما جاء في الشعر لصحیح، وإن أراد أن الحذف أكثر من الإثبات فغير صحیح لأن الإثبات قليل جدًا.

ترجمہ و تشریح:

جب فعل اور مؤنث فاعل کے درمیان الّا کا فاصلہ آجائے تو اس صورت میں تاء کو ثابت کرنا جائز نہیں۔ یہ

جمہور کا مسلک ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں جو قائل محذوف ہوتا ہے وہ حقیقتاً ذکر ہوتا ہے اس لئے کہ معنی اس طرح ہے ”مَسَامِ أَمَّا أَلْهِنْدُ“ تاہم تاہم کے اثبات کو مصنف نے جائز قرار دیا اس لئے کہ اس میں ظاہر اور مضمون (جس پر تلفظ کیا جاتا ہے) کا اعتبار ہے۔ چونکہ قائل ہندؤ مؤنث ہے اور اسی پر ظاہر میں تلفظ کیا جاتا ہے اس لئے ظاہر کی رعایت کرتے ہوئے مصنف نے تاہم کے ثابت ہونے کو بھی جائز قرار دیا۔ چنانچہ مَسَامِ أَلْهِنْدُ، مَسَامِ أَلْشَّمْسِ پڑھنا ضروری ہے۔ اس میں مَسَامِ أَلْهِنْدُ مَطْلَعُ أَلْشَّمْسِ صحیح نہیں۔ کبھی شعر میں اس کے خلاف (یعنی تاہم کے ساتھ) بھی وارد ہوا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۵- وَمَسَامِ أَلْشَّمْسِ مَطْلَعُ أَلْشَّمْسِ

ترجمہ:..... اور باقی نہیں رہی (میری اونٹنی کی کوئی چیز) مگر موٹی اور کھوکھلی پسلیوں کی

ہڈیاں۔

(شاعر اپنی اونٹنی کی تعریف کر رہا ہے کہ کثرت سفر اور زیادہ ہنکانے کی وجہ سے وہ کمزور اور لاغر ہو چکی ہے اس میں شاعر اپنی بجا کاشی اور مصروفیت و بہادری کی تعریف کر رہا ہے، اس سے پہلے والے شعر میں شاعر نے یہ کہا تھا کہ زیادہ ہنکانے اور نخرہ دہنوں نے میری اونٹنی کے پیٹ کو دبلا اور پتلا کر دیا۔

تشریح المفردات:

(الضلع) ضلع کی جمع ہے اس کی جمع أضلاع اور اضلع بھی آتی ہے، معنی پہلی کھدور و دلی حدیث ان النساء خلقن من ضلع ایسر“ (جواضع) بروزن لقالہ، جواضع کی جمع ہے موٹی اور کھوکھلی۔

محل استشہاد:

”مَسَامِ أَلْشَّمْسِ مَطْلَعُ أَلْشَّمْسِ“ محل استشہاد ہے یہاں فعل کے ساتھ تاہم تاہم آئی ہے۔ حالانکہ فعل اور قائل مؤنث میں الا کا فاصلہ بھی ہے۔ جمہور کے ہاں شعر کے علاوہ میں یہ جائز نہیں۔

فقول المصنف الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ مصنف نے ”والحذف مع فصل بالافضل“ کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حذف کو ذکر پر فضیلت حاصل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاہم کو ذکر کرنا (یعنی اثبات تاہم) بھی جائز ہے اس لئے

سے اگر ان کی مراد یہ ہے کہ حذف کو ذکر پر اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ حذف نظم اور نثر دونوں میں ہے اور اثبات صرف شعر میں ہے تو پھر صحیح ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ حذف اثبات کے مقابلہ میں صحیح ہے۔ (تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اثبات بھی ہے لیکن وہ نسبتاً حذف کے مقابلے میں قلیل ہے) تو پھر صحیح نہیں اس لئے کہ اثبات نہ صرف یہ کہ نسبتاً قلیل ہے بلکہ وہ بہت ہی زیادہ قلیل ہے۔

واضح رہے کہ حاشیۃ الخضری میں ہے کہ مصنف نے اس کے علاوہ باقی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ حذف نثر میں بھی جائز ہے اگرچہ یہ جمہور کے خلاف قول ہے، قرآن کریم کی ایک قراءت ”لما صبحوا لا یؤی الا مساکنہم“ (مساکنین کے رفع کے ساتھ اور دوسری قراءت ”ان کسانث الا حیصحة، صیحة“ کے رفع کے ساتھ) مصنف استدلال کرتے ہیں کہ جہاں نثر میں فعل کے اندر تاء کو ذکر کیا ہے، جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ متواتر قراءت نہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شارح کا اعتراض ثقیل ثانی پر ہے (کہ مصنف کے کلام سے نسبتاً قلیل ہونا معلوم ہوتا ہے والحال ان لا اثبات قلیل جدا) واللہ اعلم۔

وَالْحَذْفُ قَدِیْبِیْ بِلَا قَضْلِ، وَوَقِعَ

ضَمِیْرُ ذِی الْمَجَازِ فِی شِعْرِی وَوَقِعَ

ترجمہ:..... کبھی تاء تانیہ کا حذف اس فعل سے بھی واقع ہوتا ہے جو مؤنث فاعل کی طرف مسند ہو اور فعل فاعل کے درمیان فاصلہ نہ ہو اور کبھی یہ حذف واقع ہوتا ہے شعر میں ہا وجود اس کے کہ فاعل ضمیر ہوتی ہے اور عائد ہوتی ہے مؤنث مجازی کی طرف۔

ش) قَدْ حَذَفَ التَّاءَ مِنَ الْفِعْلِ الْمَسْنَدِ إِلَى مُؤنثٍ حَقِیْقِیٍّ مِنْ غَیْرِ فِعْلِیٍّ، وَهُوَ قَلِیْلٌ جَدًّا، حَسْبِیْ سَبْوِیْہِ: ((قال فلانة))، وَقَدْ حَذَفَ التَّاءَ مِنَ الْفِعْلِ الْمَسْنَدِ إِلَى ضَمِیْرِ الْمَوْثِ الْمَجَازِیِّ، وَهُوَ خَاصٌّ بِالشِّعْرِ، كَقَوْلِهِ:

۱۲۶- لِلْأَمْسْرَةِ وَذَقْتُ وَذَلَّتْ وَذَلَّتْ

وَلَا أَرْضَ ابْتَقَلَّ ابْتَقَالَهَا

ترجمہ و تشریح:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا جبکہ فاعل مؤنث حقیقی ہوتا ہے پھر بھی فعل سے تاہ کو حذف کیا جاتا ہے۔ شارح فرماتے ہیں یہ بہت قلیل ہے سیبویہ رحمہ اللہ نے عرب سے ”قال فلانة“ کی حکایت کی ہے اس میں فاعل ظاہر مؤنث حقیقی ہے پھر بھی فعل مذکر آیا ہے، حالانکہ گذشتہ قواعد کی رو سے مؤنث آنا چاہیے۔ دوسری بات جو شارح بیان کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ فاعل مؤنث مجازی کی ضمیر ہوتی ہے (گذشتہ قاعدہ کی روشنی میں اس صورت میں فعل مؤنث لایا جاتا ہے جیسے ”هنا قاسمت“ الشمس طلعت لیکن پھر بھی فعل کو مذکر لایا جاتا ہے شارح کے نزدیک یہ شعر ہی کے ساتھ خاص ہے (اگرچہ ابن کبیر رحمہ اللہ کے ہاں شعر کی طرح نثر میں بھی جائز ہے جیسے الشمس طلعت پڑھنا ان کے ہاں جائز ہے) جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۶- فَلَا مُزْنَةَ وَدَقَّتْ وَدَقَّهَا

وَلَا أَرْضَ ابْقَلْ ابْقَالَهَا

ترجمہ:..... نہیں ہے کوئی بادل جس نے اس بادل جیسی بارش برساتی ہو اور نہیں ہے کوئی زمین جس نے اس زمین کی طرح اگایا ہو۔

تشریح المفردات:

(لا) تانیہ ملغاة یا ہے (لیس) کی طرح عمل کرنے والا ہے۔ (مؤنث) پانی سے بھرا ہوا بادل قرآن کریم میں ہے ”أنتم الزلتموه من المزن أم نحن المنزلون“ (ودقت) یعنی امطرت بارش کا ہونا (ودقها) متعجب بنا پر مفعول مطلق ہے (ہا) ضمیر مؤنث کی طرف راجع ہے ای ودقت ودقامل ودقها“ قرآن کریم میں ہے ”الودق يخرج من خلاله“ (بقل) نصر سے زمین کا سبزہ اگانا، اس میں بھی تقدیر عبارت ہے ”ابقل ابقالها“ شاعر یہاں نفع دینے والے بادل اور زمین کی تعریف کر رہے ہیں۔

محل استشہاد:

(ابقل) محل استشہاد ہے یہاں فعل کی تاہ کو حذف کیا گیا ہے حالانکہ یہ مؤنث مجازی (ارض) کی ضمیر کی طرح

یعنی اس کا قائل ضمیر مستتر ہے جو مؤنث مجازی (ارض) کی طرف راجع ہے ضرورت شعری کی وجہ سے فعل کو ذکر لایا ہے۔

وَالْتَاءُ مَعَ جَمْعِ بَيِّنَاتٍ مِنَ
مُدَّكَّرٍ - كَالْتَاءِ مَعَ إِحْدَى اللَّيْنِ
وَالْحَذْفِ فِي "نِعْمَ الْفَتَاةُ" اسْتَحْسَنُوا
لِأَنَّ قَضْدَ الْجَنَسِ فِيهِ بَيْنٌ

ترجمہ:..... جمع مذکر سالم کے علاوہ جمع کے ساتھ تاء کا حکم اس طرح ہے جس طرح لَیْن کے مفرد کی تاء کا ہے (یعنی جس طرح لَیْن کے مفرد لَیْنَة کی تاء کا حکم ہے کہ اس کو لایا بھی جاسکتا ہے اور حذف بھی کیا جاتا ہے کَسِرَ اللَّيْنَةُ، كَسِرَتِ اللَّيْنَةُ دونوں جائز ہیں اسی طرح جمع مذکر سالم کے علاوہ یعنی جمع مذکر مکسر و مؤنث مکسر میں بھی دونوں جائز ہیں) اور "نِعْمَ الْفَتَاةُ" کے اندر نحوی حضرات نے حذف کو بہتر جانا ہے اس لئے کہ اس میں جنس کا تصدیر کرنا واضح ہے۔

(ش) إذا اسند الفعل إلى جمع: فإما أن يكون جمع سلامة لمذكر، أو لا، فإن كان جمع سلامة لمذكر، لم يجر افتتان الفعل بالتاء، فتقول: ((قام الزيدون))، ولا يجوز: ((قامت الزيدون))، وإن لم يكن جمع سلامة لمذكر - بأن كان جمع تكسير لمذكر كالرجال، أو لمؤنث كالهنود، أو جمع سلامة مؤنث كالهنود - جاز إثبات التاء وحذفها، فتقول: ((قام الرجال، وقامت الرجال، وقام الهنود، وقامت الهنود، وقامت الهنود، وقامت الهنود))، فإثبات التاء لتأوله بالجماعة، وحذفها لتأوله الجمع.

وأشار بقوله: ((كالتاء مع إحدى اللين)) إلى أن التاء مع جمع التكسير، وجمع السلامة مؤنث، كالتاء مع [الظاهر] المجازي التائث كلينة؛ فكما تقول: ((كسرت اللينة، وكسر اللينة)) قول: ((قام الرجال، وقامت الرجال)) وكذلك باقي ما تقدم.

وأشار بقوله: ((والحذف في نعم الفتاة - إلى آخر البيت)) إلى أنه يجوز في ((نعم)) وأخواتها - إذا كان فاعلها مؤنثا - إثبات التاء وحذفها، وإن كان مفردا مؤنثا حقيقيا؛ فتقول: ((نعم المرأة هند)) ونعمت المرأة هند)) وإنما جاز ذلك لأن فاعلها مقصود به استغراق الجنس، فعومل معاملة جماع التوكسير في جواز إثبات التاء وحذفها، لشبهه به في أن المقصود به متعدد ومعنى قوله ((استحسنوا)) أن الحذف في هذا ونحوه حسن، ولكن الإثبات أحسن منه.

ترجمہ و تشریح:

جب فاعل جمع واقع ہو:

جب فعل کا اسناد کیا گیا ہو جمع کی طرف یعنی فاعل جمع واقع ہو جائے تو یادہ جمع مذکر سالم کی ہوگی تو اس صورت میں فعل کے ساتھ تاء کو لانا صحیح نہیں۔ لہذا "قام الزیدون" پڑھا جائے گا "قامت الزیدون" پڑھنا صحیح نہیں اور اگر جمع مذکر سالم کی نہیں یا جمع مذکر کسر کی ہوگی جیسے الرجال یا جمع مؤنث مکتسر کی ہوگی جیسے "الہنود" ہند کی جمع ہے یا جمع مؤنث سالم کی ہوگی جیسے "الہنود" تو ان تمام جموں میں تاء کو ثابت رکھنا اور حذف کرنا دونوں جائز ہیں چنانچہ "قام الرجال قامت الرجال اور "قام الہنودات" قامت الہنودات "قام الہنود" قامت الہنود سب پڑھ سکتے ہیں، لیکن صورتوں میں تاء کو اس وجہ سے لایا جاتا ہے کہ ان میں "جماعة" کی تاویل کی جائے اور جماعة مؤنث ہے لہذا فعل بھی مؤنث ہوگا۔ لہذا التقدير قامت جماعة الرجال الخ اور حذف اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس میں لفظ "جمع" کی تاویل کی جائے گی اور لفظ "جمع" مذکر ہے لہذا فعل بھی مذکر ہوگا۔ لہذا التقدير قامت الرجال الخ قرآن کریم میں اس طرح کی جموں میں دونوں کا جواز معلوم ہوتا ہے جیسے "وقال لسوة ای نسوة" اذا جاءك المؤمنات ای جمع المؤمنات "غلبت الروم وغیره۔

وأشار بقوله "كالتاء مع احدى اللين"

كالتاء الخ کے ساتھ مصنف نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جمع کسر مذکر مؤنث، یا جمع سالم مؤنث کے ساتھ تاء کا حکم اس طرح ہے جس طرح مؤنث مجازی ظاہر کی تاء کا ہے۔ (جس کی مثال لينة ہے۔ یعنی اینٹ) جس میں کسر اللينة، کسرت اللينة دونوں پڑھ سکتے ہیں اس طرح قام الرجال، قامت الرجال دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

وَأَمَّا بِقَوْلِهِ وَالْحَدْفُ فِي نَعْمِ الْفَتَاةِ الْخ:

(وَالْحَدْفُ فِي نَعْمِ الْفَتَاةِ) کہہ کر مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ”نعم“ اور اس کے اخوات کا فاعل جب مؤنث ہو تو اس فعل میں تاء کو برقرار بھی کر دیا جاسکتا ہے اور حذف بھی کر سکتے ہیں (اگرچہ وہ مؤنث حقیقی کیوں نہ ہو) نَعْمِ الْمَرْأَةِ هِنْدٌ، نَعْمَتِ الْمَرْءِ هِنْدٌ، دونوں پڑھ سکتے ہیں اور یہ اس لئے جائز ہے کہ ”نعم“ کے فاعل ”المرأة“ میں الف لام عہد کیلئے نہیں بلکہ جنسی ہے اور مقصود اس کے فاعل سے استغراق جنس ہے تو اس کے ساتھ بھی جمع تفسیر کا معاملہ کیا گیا کہ اس میں بھی تاء کا حذف اور اثبات دونوں جائز ہیں بایں وجہ کہ یہ جمع تفسیر کے ساتھ مقصود کے متحد ہونے میں مشابہ ہے۔

اور ”استحسنوا“ کا مطلب یہ ہے کہ ان میں حذف حسن ہے لیکن تاء کا اثبات احسن (بمعنی اسم تفضیل) بہت

بہتر ہے۔

وَأَصْلٌ فِي الْفَاعِلِ أَنْ يَتَّصِلَ

وَالْأَصْلُ فِي الْمَفْعُولِ أَنْ يَنْفَصِلَ

وَقَدْ يُجَاءُ بِخِلَافِ الْأَصْلِ

وَقَدْ يَجِيءُ الْمَفْعُولُ قَبْلَ الْفَاعِلِ

ترجمہ:..... اصل فاعل میں یہ ہے کہ وہ فعل کے ساتھ متصل ہو اور مفعول میں اصل یہ ہے

کہ وہ فعل سے منفصل (جدا) ہو اور کبھی اصل کے بغیر بھی لایا جاتا ہے ہے اور کبھی مفعول

فعل سے پہلے آتا ہے۔

(ف) الْأَصْلُ أَنْ يَلِيَّ الْفَاعِلُ الْفِعْلَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَفْصَلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْفِعْلِ فَاصِلٌ؛ لِأَنَّهُ كَالْجُزْءِ

مِنْهُ، وَلِذَلِكَ يُسَكَّنُ لَهُ آخِرَ الْفِعْلِ؛ إِنْ كَانَ ضَمِيرٌ مُتَكَلِّمٌ، أَوْ مُخَاطَبٌ، نَحْوُ: ((ضَرِبْتُ، وَضَرَبْتُ))

وَأَمَّا سَكْنُوهُ كَمَا رَأَيْتَ تَوَالِيَّ أَرْبَعِ مَتَحَرِّكَاتٍ، وَهِيَ إِذَا يَكُونُ ذَلِكَ فِي الْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ؛ فَذَلِكَ

ذَلِكَ عَلَى أَنَّ الْفَاعِلَ مَعَ فِعْلِهِ كَالْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ.

والأصل في المفعول أن ينفصل من الفعل: بأن يتأخر عن الفاعل، ويجوز تقديمه على الفاعل إن خلا مسأله كره؛ فتقول: ((ضرب زيداً عمرو))، وهذا معنى قوله: ((وقد يجاء بخلاف الأصل)).

وأشار بقوله: ((وقد يجى المفعول قبل الفعل)) إلى أن المفعول قد يتقدم على الفعل، وتحت هذا قسمان:

أحدهما: ما يجب تقديمه، وذلك كما إذا كان المفعول اسم شرط، نحو: ((أباً تضرب [أضرب] أو اسم استفهام، نحو: ((أبى رجل ضربت؟)) أو ضميراً منفصلاً لو تأخر لزوم اتصاله، نحو: ((أباًك بعد))، فلو أخر المفعول لزوم الاتصال، وكان يقال: ((لعبدك))، فيجب التقديم، بخلاف قولك: ((الدرهم إياه أعطيتك))، فإنه لا يجب تقديم ((إياه)) لأنك لو أخرته لجاز اتصاله وانفصاله على ما تقدم في باب الضمرات؛ فكنت تقول: ((الدرهم أعطيتك، وأعطيتك إياه))، والثاني: ما يجوز تقديمه وتأخيره، نحو: ((ضرب زيداً عمرو))؟ فتقول: ((عمراً ضرب زيداً)).

ترجمہ وشریح:

فاعل فعل کے ساتھ متصل ہوتا ہے:

غالب اور راجح فاعل میں یہ ہے کہ یہ فعل کے ساتھ متصل ہوا کرتا ہے فعل اور فاعل میں فاصل نہیں ہوتا، اس لئے کہ فاعل فعل کیلئے جزء کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ اس کیلئے فعل کا آخر ساکن کیا جاتا ہے اگر فاعل شکم کی ضمیر ہو یا مخاطب کی ہو جیسے "ضربت" "ضربت" فعل کو اس وجہ سے ساکن کیا جاتا ہے کہ پے درپے چار حرکات کا آنا صحیح نہیں جیسا کہ ارشاد الصرف کا دوسرا قانون ہے۔

"اجتماع أربع حركات متواليات دريك كلمه وحكم وى ممنوع است"

اور چار حرکات کے پے درپے آنے کو ایک ہی کلمہ میں منع کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فاعل اپنے فعل کے ساتھ ایک ہی کلمہ کی طرح ہے۔

مفعول فعل سے الگ ہوتا ہے

مفعول کے اندر غالب یہ ہے کہ وہ فعل سے الگ ہوتا ہے یعنی فعل کے بعد فاعل ہوتا ہے اور فاعل کے بعد مفعول ہوتا ہے، کبھی مفعول کی تقدیم فاعل پر بھی ہوا کرتی ہے بشرطیکہ اس میں کوئی خرابی نہ ہو (جس کا ذکر بعد میں آ رہا ہے، اِنْ خَلَامًا سَيَذَكُوهُ اِگر وہ خالی ہو اس سے جس کو مصنف بعد میں ذکر کریگے، کا یہی مطلب ہے) جیسے صُوبَ زَيْدًا عَمْرُو، مصنف کے قول ”وَقَدْ يَجَاءُ بِخِلَافِ الْاَصْلِ“ کا یہی معنی ہے۔

وَأَشَارَ بِقَوْلِهِ الْبَخ:

”قَدْ يَجْعَلُ الْمَفْعُولَ قَبْلَ الْفِعْلِ“ کے ذریعہ مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مفعول کبھی فعل سے پہلے بھی آتا ہے اس کے تحت دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ ہے جہاں مفعول ان اشیاء میں سے ہو جو صدارت کلام چاہتے ہوں یا اس طور کہ وہ اسم شرط ہو جیسے: أَيُّهَا تَضْرِبُ أَضْرِبُ يَأْمُرُ اسْتِفْهَامُ هُوَ جَيْسٌ ”أَيُّ رَجُلٍ ضَرَبْتَ“ (یا مفعول كَمْ خبریہ ہو جیسے كَمْ عبيد ملكت، یا ان ہی میں سے ایک کی طرف مضاف ہو جیسے ”غلام من تَضْرِبُ أَضْرِبُ“ مَا لَ كَمْ رَجُلٍ غَضِبْتَ . نیز وہاں بھی مفعول کی تقدیم ضروری ہے جہاں مفعول منفصل ضمیر ہو اور تاخیر کی صورت میں اس کا متصل ہونا ضروری ہو جیسے ”أَيْسَاكَ نَعْبُدُ“ اس صورت میں ”أَيْسَاكَ“ ضمیر متصل ہے اور اگر اس کو مؤخر کر دیا جائے تو ”نَعْبُدُكَ“ ہو جائے گا۔ برخلاف ”اللّٰهُمَّ آتَاهُ اعْطَاكَ“ کے اس صورت میں آیتہ کی تقدیم واجب نہیں کیونکہ تاخیر کی صورت میں اس کا اتصال بھی جائز ہے اور اتصال بھی جیسا کہ مضمرات کی بحث میں گزر گیا۔ لہذا آپ ”اللّٰهُمَّ اعْطَاكَ، اعطيتك آتاه“ دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جہاں تقدیم بھی جائز ہے اور تاخیر بھی جیسے صُوبَ زَيْدًا عَمْرُو میں آپ عَمْرُو ضَرْبَ زَيْدًا کہہ سکتے ہیں۔ (چونکہ اعراب ظاہر ہونے کی وجہ سے القیاس نہیں اس وجہ سے تقدیم مضر نہیں)

وَأَخْبَرَ الْمَفْعُولَ اِنْ تَبَسَّ شَعْبَدِ

أَوْ أَضْمَرَ الْقَسَاعِلُ غَيْرَ مُنْحَضِرِ

ترجمہ:..... مفعول کو آپ بخبر کر دیں اگر القیاس کا ذکر ہو یا فاعل ضمیر غیر محصور ہو۔

(ش) یجب تقدیم الفاعل علی المفعول: إذا خیف التباس أحدهما بالآخر، كما إذا خفی الإعراب فیهما، ولم توجد قرینة تبین الفاعل من المفعول، وذلك نحو: ((ضرب موسى عیسی)) لیجب كون ((موسی)) فاعلاً، و ((عیسی)) مفعولاً.

و هذا المذهب الجمهور، وأجاز بعضهم تقدیم المفعول فی هذا ونحوه، قال: لأن العرب لها غرض فی الالتباس كما لها غرض فی التبیین

فإذا وجدت قرینة تبین الفاعل من المفعول جاز تقدیم المفعول وتأخیره، فقول: ((أكل موسى الكمشیری، وأكل الكمشیری موسى)) وهذا معنی قوله: ((وأخر المفعول إن لیس حلین)) ومعنی قوله: ((أو أضمر الفاعل غیر محصور)) أنه یجب أيضاً تقدیم الفاعل وتأخیر المفعول إذا كان الفاعل ضمیراً غیر محصور، نحو: ((ضربت زیداً)) فإن كان ضمیراً محصوراً وجب تأخیره، نحو: ((ما ضرب زیداً إلا أنا))

ترجمہ و تشریح:

فاعل کی تقدیم کہاں واجب ہے؟

فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب ہے جب ایک دوسرے سے التباس کا خطرہ ہو اس طرح کہ ان دونوں میں اعراب تقدیری ہونے کی وجہ سے خفی ہو اور کوئی ایسا قرینہ بھی نہ ہو جو فاعل کو مفعول سے الگ کرتا ہو۔ جیسے ضربت موسیٰ عیسیٰ اس صورت میں دونوں کے اندر فاعل ہونے کی صلاحیت ہے۔ لہذا موسیٰ کو (جو مقدم ہے) فاعل اور عیسیٰ کو مفعول بنایا جائے گا۔ یہ مذہب جمہور کا ہے، بعض حضرات (ابن السحاج رحمہ اللہ) نے مفعول کی تقدیم کو اس صورت میں بھی جائز قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ التباس میں بھی عرب کی کوئی نہ کوئی غرض ہوا کرتی جس طرح تبیین میں ہوتی ہے۔ لہذا "موسیٰ" کو مفعول بنایا جائے گا اور اس میں بھی کوئی غرض ہوگی۔

منحة الجلیل میں ابن السحاج رحمہ اللہ کے اس مسلک کو مرجوح قرار دیا گیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ممکن کہ عرب کی غرض التباس میں ڈالنا ہو اس لئے کہ التباس میں سامع حکم کے علاوہ کی مراد کو سمجھتا ہے حالانکہ لغت کو الٹا تفہیم کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ البتہ عرب سے جو چیز منقول ہو کر آئی ہے اس کا نام اجمال ہے جو جائز ہے ابن الحان کو اجمال

یہاں کے فرق میں اختلاط ہوا اس وجہ سے انہوں نے اس کے حکم میں بھی فرق نہیں کیا۔ حالانکہ ان دونوں میں فرق ہے۔ اجمال یہ ہے کہ ایک لفظ دو یا زیادہ معانی کا احتمال رکھے یاں طور کہ سامع کا ذہن کسی ایک معنی کی طرف سبقت نہ کرے مثلاً "عصر" کلمہ احتمال ہوتا ہے کہ یہ عمر کی تفسیر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ عمر کی تفسیر ہو لیکن کوئی ایک معنی سامع کے ذہن کی طرف سبقت نہیں کرتا، اور الہاں اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ دو یا زیادہ معانی کا احتمال رکھے اور غیر مقصود معنی سامع کے ذہن کی طرف سبقت کرے جیسے "ضربَ موسیٰ عیسیٰ" اس میں احتمال ہے کہ موسیٰ مضروب (مفعول) ہو لیکن سامع کے ذہن کی طرف اس کی ضاربیت (فاعلیت) کا معنی سبقت کرتا ہے اسلئے کہ اصل یہ ہے کہ فعل کے ساتھ متصل فاعل ہوا کرتا ہے۔

الغرض الہاں مقاصد بلقاء میں سے نہیں (جو ضربَ موسیٰ عیسیٰ میں ہے) البتہ اجمال ہے فالفہم وہ تہو ولاکن من الغافلین۔

فاذا وجدت الخ:

اگر کوئی قرینہ ہو جو فاعل کو مفعول سے جدا کرے تو اس صورت میں مفعول کی تقدیم بھی جائز ہے اور تاخیر بھی، جیسے اکمل موسیٰ الکمثریٰ میں اکمل الکمثریٰ موسیٰ پڑھ سکتے ہیں اگر چہ ان دونوں میں اعراب نخی ہے لیکن چونکہ کمثریٰ (ناشپاتی، امرود) کو کھایا جاتا ہے اس وجہ سے وہ مفعول کیلئے متعین ہے چاہے مقدم ہو یا مؤخر۔
و معنی قوله "او اضمر الفاعل غیر من عصر"

"او اضمر الفاعل" الخ کلمہ اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ فاعل کی تقدیم اور مفعول کی تاخیر ضروری ہے جب فاعل ضمیر غیر محصور ہو جیسے "ضربَ زیدنا" اگر فاعل محصور ضمیر ہو تو اس صورت میں اس کی تاخیر ضروری ہے جیسے "ما ضربَ زیدنا الا آنا"

وَمَا بِالْأَوْبَانِ مِنَ الْعَصْرِ

أَخْبَرُوا قَدْ سَبَقُوا إِنْ لَمْ يَسْتَلْظِمُوا

ترجمہ..... جو (فاعل یا مفعول) الای التبع کے ساتھ محصور ہو اس کو آپ کو خبر کریں اور

مقصود ظاہر ہونے کے وقت کسی مقدم بھی ہوتا ہے۔

(ش) يقول: إذا انحصر الفاعل أو المفعول بـ ((إلا)) أو بـ ((إنما)) وجب تأخيرها، وقد يتقدم المحصور من الفاعل أو المفعول على غير المحصور، إذا ظهر المحصور من غيره، وذلك كما إذا كان المحصور بـ ((إلا)) فأما إذا كان المحصور بـ ((إنما)) فإنه لا يجوز تقديم المحصور؛ إذا لا يظهر كونه محصور إلا بتأخيرها، بخلاف المحصور بـ ((إلا)) فإنه يعرب بكونه واقعاً بعد ((إلا))؛ فلا فرق بين أن يتقدم أو يتأخر.

فمثال الفاعل المحصور بـ ((إنما)) قولك: ((إنما ضرب عمر أزيد))، ومثال المفعول المحصور بإنما: ((إنما ضرب زيد عمراً))، ومثال الفاعل المحصور بـ ((إلا)): ((ما ضرب عمر إلا زيد))، ومثال المفعول المحصور بالإلا: ((ما ضرب زيد إلا عمراً))، ومثال تقدم الفاعل المحصور بـ ((إلا)) قولك: ((ما ضرب إلا عمرو زيداً))، ومنه قوله:

۱۳۷- فَلَمْ يَدْرِ إِلَّا اللَّهَ مَا هَيَّجَتْ لَنَا

عَشِيَّةَ أَنْبَاءِ الْمُدَيَّرِ وَشَامَهَا

ومثال تقديم المفعول المحصور بالإلا قولك: ((ما ضرب إلا عمر أزيد))، ومنه قوله:

۱۳۸- تَزَوَّدْتُ مِنْ لَيْسَى بِتَكْلِيمِ سَاعَةٍ

لَمَّا زَادَ إِلَّا ضَعْفَ مَابِي كَلَامَهَا

هذا معنى كلام المصنف.

واعلم أن المحصور بـ ((إنما)) لا يخلف في أنه لا يجوز تقديمه، وأما المحصور بالإلا فله ثلاثة مذاهب:

أحدها - وهو مذهب أكثر البصريين، والفرقاء، وابن الأنباري - أنه لا يخلو: إما أن يكون المحصور بها فاعلاً، أو مفعولاً، فإن كان فاعلاً امتنع تقديمه: فلا يجوز: ((ما ضرب إلا زيد عمراً)) فأما قوله: فلم يدرك إلا الله ما هيجت لنا [۱۳۷] فأول على أن ((ما هيجت)) مفعول بفعل محذوف، والتقدير: ((درى ما هيجت لنا)) فلم يتقدم الفاعل المحصور على المفعول؛ لأن هذا ليس مفعولاً للفعل المذكور، وإن كان المحصور مفعولاً جاز تقديمه، نحو: ((ما ضرب إلا عمر أزيد))

الثانی - وهو مذهب الکسانی: أنه يجوز تقديم المحصورب ((إلا)) فاعلا كان أو مفعولا.
الثالث - وهو مذهب بعض البصریین، واختاره الجزولی، والشلوبین - أنه لا يجوز تقديم
المحصورب ((إلا)): فاعلا كان أو مفعولا.
ترجمہ و تشریح:

محصور فاعل و مفعول کا حکم:

مصنف علیہ الرحمۃ اب اس فاعل اور مفعول کا ذکر کر رہے ہیں جس میں حصر کا ارادہ کیا گیا ہو، اب حصر یا تو فاعل
میں ہوگا یا مفعول میں نیز یا تو حصر الات کے ساتھ ہوگا یا "انما" کے ساتھ، کل چار صورتیں ہوں گی۔
فاعل محصور یا انما کی مثال "انما ضرب عمرو زید" مفعول محصور یا انما کی مثال "انما ضرب عمرو
زید" فاعل محصور یا انما کی مثال "ما ضرب عمرو الا زید" مفعول محصور یا انما کی مثال "ما ضرب
عمرو" اس متن میں مصنف علیہ الرحمۃ فرما رہے ہیں کہ جب فاعل یا مفعول محصور ہا آ یا یا انما ہو تو اس صورت میں ان
کی تاخیر واجب ہے۔

ہاں کبھی محصور فاعل یا مفعول غیر محصور پر بھی مقدم ہو سکتا ہے بشرطیکہ محصور ظاہر ہو یا اس طور کہ حصر الات کے ساتھ
ہو، اگر حصر انما کے ساتھ ہو تو محصور کی تقدیم جائز نہیں اس لئے کہ اس میں محصور ہونا ہی ظاہر ہوگا جب وہ مؤخر
آجائے۔ برخلاف محصور ہا لاء کے کہ وہاں الات کے بعد واقع ہو جانے کی وجہ سے اس کا محصور ہونا معلوم ہو جائے گا چاہے
مقدم ہو یا مؤخر۔

ومثال تقدم الفاعل المحصور الخ:

فاعل محصور ہا لاء کی تقدیم کی مثال آپ کا یہ قول ہے "ما ضرب الاعمر و زيدا" اور اسی سے شاعر کا یہ
قول ہے۔

۱۴۷ - فَلَمْ يَدْرِ إِلَّا اللَّهُ مَا هِيَ جِثْنَا
عَشِيَّةَ آتَاءِ الْبَارِ وَشَامَتَهَا

ترجمہ:..... جو جوش ہمیں شام کے وقت محبوبہ کے گھروں کے ارد گرد تالیوں اور اس کی علامتوں نے دلا یا اس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی نے نہیں جانا۔

تشریح المقدرات:

(ہیبت) باب تفعیل سے بمعنی جوش دلانا، براہیختہ کرنا "عشیۃ" منصوب بنا بر ظرفیت، (آناء الدیار) معطوف علیہ (شامہا) اس پر عطف اس میں (شامہا) سے پہلے واو حرف عطف ہے اصلی نہیں۔ (آناء) بلوی کی جمع ہے بروزن قفل یا بروزن صُرْدَ یا ذلْب یا کَلْب ان گڑھوں کو کہتے ہیں جو خیموں کے ارد گرد بنائے جاتے ہیں تاکہ ان میں پانی نہ جائے اور خیمے محفوظ رہیں۔ (آناء) بروزن آسار اس میں دو احتمال ہیں یا اس کے شروع میں ہمزہ ممدودہ ہے اگرچہ اصل میں انشاء تھا (عین کلہ ہمزہ تھا بروزن افعال) عین کلہ ہمزہ کو تون پر مقدم کیا جمع میں دو ہمزے ایک ساتھ جمع ہوئے دوسرا ساکن تھا اس کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے مطابق الف سے تبدیل کیا جس طرح آہار میں ہوا جو اصل میں "اہار" تھا۔ اور یہ بھی جاسکتا ہے کہ اس کو اپنی اصل پر چھوڑا جائے۔ بعض حضرات نے اس کو بروزن (ابغاد) باب افعال کا مصدر بنایا ہے لیکن یہ معتبر نہیں)

یہ ساری تحقیق صاحب منحة الجلیل کی ہے۔ بعض حضرات (علامہ عینی وغیرہ) کے نزدیک (آناء) ناھی کی جمع ہے بمعنی دوری (عشیۃ آناء الدیار) ان کے ہاں مفعول فیہ ہے (وہام) میں واو اصلی ہے (وہم) کی جمع ہے (وہم) کحال میں سوئی سے گود کر رنگ بھرنے کا نشان (وہامہا) ان کی تحقیق کے مطابق فاعل ہے ان کی ترکیب کے مطابق ترجمہ یوں ہے۔

"محبوبہ کے گھروں کی دوری کے شام اس کے ہاتھوں کی گدائی کے نشانات نے ہمارے اندر جو جذبات پیدا کئے اس کو اللہ کے علاوہ کسی نے نہیں جانا"

بہر حال علامہ عینی پر صاحب منحة الجلیل نے رد کیا ہے۔ ویسے بھی صاحب منحة الجلیل کی تحقیق واضح اور عام فہم معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم وَعِلْمُهُ اَتَمُّ۔

محل استشہاد:

(الا اللہ ما ہیبت) محل استشہاد ہے یہاں فاعل محصور (لفظ اللہ) کو غیر محصور (ما ہیبت) مفعول

مقدم کیا ہے حالانکہ مؤخر ہونا چاہیے تھا اور کسائی رحمہ اللہ کے ہاں یہ جائز ہے اس شعر سے استدلال کرتے ہیں۔
 شارح رحمہ اللہ اور جمہور کے ہاں صحیح نہیں، بعد میں شارح اس کا جواب دینگے۔ مفعول محصور بالا کی مثال ”مناضرب
 لا عمرو زید“ اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۸- تَزُوذُثْ مِنْ لَيْلَى بِنْتِ كَلْبِمْ سَاعَةً

لَمَّا زَادَ إِلَّا ضَعْفَ مَا بِي كَلَامَهَا

ترجمہ:..... میں نے اپنی محبوبہ لیلیٰ سے تھوڑی دیر بات کرتے کو اپنے لئے توشہ بنایا۔
 پس اس کی بات نے میری تکلیف کو اور بھی دو چند کر دیا۔

شرح المفردات:

(تزوذت) باب نقل سے واحد متکلم کا صیغہ ہے بمعنی توشہ لینا، قرآن کریم میں ہے ”وَلِزُوذُوا لِفَسَانٍ
 حَمْرَ الزَّادِ التَّقْوَى“ (لیلیٰ) شاعر کی محبوبہ کا نام ہے یہ مجنون بنی حامر کا شعر ہے۔ بعض حضرات نے تلاش بسیار کے
 اور جو اس کو دیوان مجنون میں نہیں پایا۔ جا حظ یا اس وجہ فرماتے ہیں کہ لوگ جس شعر میں لیلیٰ کا نام پاتے ہیں اس کو مجنون
 کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے (لیلیٰ) میر منصرف ہے الف مقصورہ کی وجہ سے۔

کلیں استشہاد:

(لمما زاد الاضعف ما بی کلامها) محن استشہاد ہے یہاں مفعول بہ (ضعف) مقدم ہوا ہے فاعل
 کلامها) پر حالانکہ مفعول محصور ہونا چاہیے تھا، تقدیم کسائی اور اکثر بھرتین کے ہاں جائز ہے اس شعر
 سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں اور باقی بھرتین اس کا جواب دیتے ہیں کہ ”زاد“ کے اندر ضمیر مستتر ہے وہ اس کا
 فاعل ہے جو ماقبل تکلیم کی طرف راجع ہے اور کلامها فاعل ہے فعل محذوف کا تقدیر عبارت یوں ہے ”زادہ
 کلامها“

صاحب منحة الجلیل نے اس تاویل کو بعید قرار دیا ہے۔ لیکن ناچیز کی رائے کے مطابق جب ”لم یدر
 لا اللہ ما هیجت لنا“ میں فعل محذوف کی تاویل ہو سکتی ہے (جس کا تفصیلی ذکر آ رہا ہے) تو اس میں بھی فعل محذوف
 کی تاویل کرنا کوئی بعید نہیں۔ ولکل وجه واللہ اعلم۔

واعلم ان المحصور بانما الخ:

اس سے پہلے شارح نے انما اور الا کے ساتھ فاعل اور مفعول کی حصر کی مثالیں اور اس سلسلہ میں مصنف کی رائے بتادی اب نئے سرے سے اس میں دیگر علماء کے مذاہب کو بیان فرما رہے ہیں (اگر شارح پہلے ہی سے بعد میں ذکر ہونے والے مسلک اور اس سلسلہ میں اختلاف ذکر کرتے تو بات میں اختصار بھی ہو جاتا اور آسانی سے مقصود بھی سمجھ میں آتا)

چنانچہ انما کے بارے میں فرمایا کہ محصور بانما کی تقدیم کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں اس لئے کہ اس میں محصور ہونا تب ہی ظاہر ہوگا جب وہ مؤخر ہو جائے (جیسا کہ پہلے گزر چکا) البتہ محصور ہالان میں تین مسلک ہیں۔

۱..... پہلا مسلک مذہب اکثر بصریین اور فرعاء اور ابن الانباری رحمہم اللہ کا ہے کہ محصور یا فاعل ہوگا یا مفعول اگر فاعل ہے تو اس کی تقدیم جائز نہیں۔ لہذا "مَضْرَبُ الْأَزِيَّةِ عَمْرًا" باقی رہا وہ شعر "لَسْمُ بَدْرٍ إِلَّا اللَّهُ مَا هِجَتْ لَنَا الْخ" ماہیجت لنا الخ

(اس میں اگرچہ بعض حضرات کی رائے مختلف ہے جیسا کہ اس شعر کے محفل استیہاد میں گزر گیا) تو اس میں تاویل یہ کی گئی ہے کہ "ماہیجت لنا" یدو کا مفعول نہیں تاکہ یہ کہا جاوے کہ فاعل محصور (لفظ اللہ) کو مفعول غیر محصور پر مقدم کیا گیا ہے بلکہ یہ فعل محذوف "دوی" کیلئے مفعول ہے۔ اور محصور اگر مفعول ہو تو اس کی تقدیم جائز ہے جیسے "مَضْرَبُ الْأَعْمَرِ زَيْدٌ"

۲..... دوسرا مذہب کسائی رحمہ اللہ کا ہے کہ محصور کی تقدیم جائز ہے چاہے محصور فاعل ہو یا مفعول، ان کی دلیل وہ دو اشعار ہیں جن کا ذکر ابھی گزر چکا۔ بعض دیگر حضرات جو ان میں تاویل کرتے ہیں ان کی طرف سے ان اشعار کے جواب کے ذکر بھی گزر چکا۔

۳..... تیسرا مذہب بعض بصریین کا ہے جزولی (پورا نام ابو موسیٰ عیسیٰ بن عبد العزیز ہے جزولہ سے ہے) ہے ۶۰۶ھ کو وفات پا گئے اور شلوین رحمہما اللہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے کہ محصور بالان کی تقدیم مطلقاً ناجائز ہے چاہے محصور فاعل ہو یا مفعول۔

وَشَاعَ نَحْوُ "خَافَ رَبَّهُ عَمَرَ"

وَشَدُّ نَحْوُ "زَانَ نَوْرَهُ الشَّجَرَ"

ترجمہ:..... اور شاع ہے کلام عرب میں "خَافَ رَبَّهُ عَمَرَ" جیسی ترکیب (عمر اپنے رب سے ڈرا) اس سے مراد ہر وہ مثال ہے جس میں مفعول کو مقدم کیا گیا ہو اور وہ مفعول ایسی ضمیر پر مشتمل ہو جو فاعل کی طرف لوٹتی ہو، جس طرح خَافَ رَبَّهُ عَمَرَ میں (ہ) ضمیر مفعول کی بعد میں فاعل عمر کی طرف راجع ہے) اور شَاذ ہے "زَانَ نَوْرَهُ الشَّجَرَ" جیسی ترکیب (درخت کو اس کی کلیوں نے خوبصورت بنایا) فاعل اس مثال میں مقدم ہے اور اس میں ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے مفعول "الشجر" کی طرف)

(ش) ای: شاع فی لسان العرب تقدیم المفعول المشتمل علی ضمیر یرجع إلی الفاعل المتأخر، وذلك نحو: ((خاف ربه عمر)) ف ((ربه)) مفعول، وقد اشتمل علی ضمیر یرجع إلی ((عمر)) وهو الفاعل، وإنما جاز ذلك - وإن كان فيه عود الضمیر علی متأخر لفظًا - لأن الفاعل منوی التقدیم علی المفعول، لأن الأصل فی الفاعل أن يتصل بالفعل؛ فهو متقدم رتبة، وإن تأخر لفظًا.

فلو اشتمل المفعول علی ضمیر یرجع إلی ما اتصل بالفاعل، فهل يجوز تقدیم المفعول علی الفاعل؟ فی ذلك خلاف، وذلك نحو: ((ضرب غلامها جار هند)) فمن أجازها - وهو الصحيح - وجه الجواز بأنه لما عاد الضمیر علی ما اتصل بمارتبته التقدیم كان كعوده علی مارتبته التقدیم؛ لأن المتصل بالمتقدم متقدم.

وقوله: ((وشد - إلی آخره)) ای شد عود الضمیر من الفاعل المتقدم علی المفعول المتأخر، وذلك نحو: ((زان نوره الشجر)) فالهاء المتصلة بنور - الذي هو الفاعل - عائدة علی ((الشجر)) وهو المفعول، وإنما شد ذلك لأن فيه عود الضمیر علی متأخر لفظًا ورتبة؛ لأن ((الشجر)) مفعول، وهو متأخر لفظًا، والأصل فيه أن يفصل عن الفعل؛ فهو متأخر رتبة.

وهذه المسألة ممنوعة عند جمهور النحویین وماورد من ذلك تأولوه، وأجازها أبو عبد الله الطوال من الكوفیین، وأبو الفتح ابن جنی، وتابعهما المصنف، وماورد من ذلك قوله:

۱۴۹- لَمَّا رَأَى طَالِبُوهَ مَصْعَبًا ذَعَرُوا
وَكَادَ، لَوْ سَاعَدَ الْمَقْدُورُ، يَنْتَصِرُ

وقوله:

۱۵۰- كَسَّاحِلْمُهُ ذَا الْجِلْمِ أَثْوَابَ سُودِدٍ
وَرَقَى نَدَاهُ ذَا النَّدَى فِي ذُرَى الْمَجْدِ

وقوله:

۱۵۱- وَلَوْ أَنَّ مَجْدًا أَخْلَدَ الذَّهْرَ وَاحِدًا
مِنَ النَّاسِ أَبْقَى مَجْدُهُ الذَّهْرَ مُطْعَمًا

وقوله:

جَزَى رَبُّهُ عَنِّي عَدِيُّ بَنِ حَاتِمٍ
جَزَاءَ الْكِلَابِ الْعَاوِيَاتِ وَقَدْ فَعَلَ

وقوله:

۱۵۳- جَزَى بَنُوهُ أَبَا الْغِيلَانَ عَن كَبِيرٍ
وَحُسَيْنٍ فِعْلٍ كَمَا يُجَزَى سِنْمَارُ

فلو كان الضمير المتصل [بالفاعل] المتقدم عائداً على ما اتصل بالمفعول المتأخر امتنعت المسألة، وذلك نحو: ((ضرب بعلمها صاحب هند))، وقد نقل بعضهم في هذه المسألة أيضاً خلافاً، والحق فيها المنع.

ترجمہ وشرح:

فاعل کی ضمیر پر مشتمل مفعول کی تقدیم کا حکم:

لسان عرب میں کثرت استعمال کے اعتبار سے ایسے مفعول کی تقدیم مشہور اور شائع ہے جو ایسی ضمیر پر مشتمل ہو جو بعد میں ذکر شدہ فاعل کی طرف لوٹتی ہو جیسے ”خفاف ربہ عمر“ میں رہہ مفعول ہے اور اس میں (ہ) ضمیر ہے جو لوٹتی

ہے ”عمر“ فاعل کی طرف۔

(شارح فرماتے ہیں) اگرچہ اس میں ضمیر متعاً لفظاً کی طرف لوٹتی ہے اور اشار قبل الذکر لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ فاعل مفعول پر مقدم ہوتا ہے اور فعل کے ساتھ متصل ہوتا ہے لیکن یہ اس لئے جائز ہے کہ فاعل مرتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے گو لفظاً مؤخر ہے تو یہ ایسا ہوا گویا کہ فاعل مقدم کی طرف ہی ضمیر راجع ہے (اور اشار قبل الذکر وہ ممنوع ہے و لفظاً اور مرتبہ دونوں ہو صرف لفظاً ممنوع نہیں کما فی ہذا المقام)

ملو اشتمل الخ:

اس سے پہلے تو وہ صورت بیان ہوئی جس میں مفعول کے اندر ضمیر تھی اور وہ لوٹ رہی تھی بذات خود فاعل کی طرف، اب یہ بتا رہے ہیں کہ اگر وہی ضمیر لوٹتی ہو اس کی طرف جو فاعل کے ساتھ متصل ہو جیسے ”ضرب غلامہا جار ہند“ (یہاں ”غلامہا“ مفعول میں ضمیر ہے جو فاعل (جار) کے ساتھ متصل (ہند) کی طرف راجع ہے) تو اس صورت میں مفعول کی تقدیم فاعل پر جائز ہوگی یا نہیں؟

شارح فرماتے ہیں کہ جنہوں نے جائز قرار دیا ہے (اور یہی صحیح ہے) انہوں نے جواز کی یہ توجیہ کی ہے کہ جب مفعول کی ضمیر متصل بالفاعل (جو مرتبہ مقدم ہے) کی طرف لوٹے تو یہ ایسا ہی ہے گویا کہ خود فعل (الذی رتبہ لتقدیم) کی طرف لوٹ رہی ہے اس لئے مقدم (فاعل) کے ساتھ متصل بھی مقدم ہوتا ہے (جنہوں نے اس کو ناجائز کہا ذرا ان کی بھی سیجی وہ فرماتے ہیں کہ یہاں مثلاً غلامہا میں (ہا) ضمیر مفسر (بصیغہ اسم مفعول) ہے اور اس کا مفسر (ہند) مؤخر ہے لفظاً اور مرتبہً باوجودیکہ فعل (ضرب) کا بھی اس (ہند) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ”بخلاف زان و رہ الشجر فانہ وان عاد علی متاخر لکن الفعل تعلق بہ وعمل فیہ“

وقوله وشد الخ:

فاعل اگر مقدم ہو اور اس میں ضمیر ہو جو لوٹ رہی ہو مؤخر مفعول کی طرف تو یہ قیاساً شاذ ہے اگرچہ کلام عرب میں زیادہ سنا گیا ہے جیسے ”زَان نُوْرَةُ الشَّجَرِ“ (ہ) ضمیر نور فاعل کے ساتھ متصل ہے اور لوٹ رہی ہے ”الشجر“ کی طرف جو مفعول ہے اور یہ شاذ اس لئے ہے کہ اس میں اشار قبل الذکر لازم آتا ہے لفظاً اور مرتبہً۔ چنانچہ شجر مفعول لفظاً بھی مؤخر ہے اور مرتبہً بھی اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ یہ فعل سے الگ ہو۔

جمہور نوحیین کے ہاں یہ منع ہے اور جہاں اس کے خلاف وارد ہوا ہے وہاں جمہور نے تاویل کی ہے۔

محمد بن احمد بن عبد اللہ الطوال (بضم الطاء وتخفيف الواو) متوفی ۲۳۳ھ اور ابوالفتح

بن جنی اور مصنف رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ اس پر وارد شدہ اشعار میں سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۹- لُمَارَاي طَالِبُوهُ مَصْعَبًا ذَعُرُوا

وَكَاذًا، لَوْ سَاعَدَ الْمَقْدُورُ، يَنْتَبِرُ

ترجمہ:..... جب حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کو (قتل کرنے کیلئے) ان کے

طلب کرنے والوں نے دیکھا تو وہ (دشمن) ڈر گئے اور قریب تھا (اگر تقدیر ان (ابن

زبیرؓ) کی مدد کرتی) تو وہ اپنا بدلہ لے لیتے۔

تشریح المفردات:

(رأى بمعنى ابصر) بمعنی دیکھنا ازفتح، (طالبوه) نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے۔ (مصعباً)

حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما مراد ہیں اے کو ان کو دشمنوں نے شہید کیا ان کے حامیوں میں سے ایک نے یہ شعر

کہا۔ (ذعروا) ماضی مجہول جمع مذکر غائب ہے ای اخذهم الخوف ان پر خوف آ گیا اور بیت چھا گئی (کاذ) فعل

ناقص اس میں (هو) ضمیر ہے وہ اس کیلئے فاعل ہے جو راجع ہے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی طرف۔ (ساعداً) باب

مفاعلة سے مدد کرنا (المقدور) اس کیلئے فاعل، مفعول بہ اس کا محذوف ہے ای ساعده (لَوْ سَاعَدَ الْمَقْدُورُ

درمیان میں جملہ معترضہ ہے)

محل استشہاد:

(طالبوه مصعباً) محل استشہاد ہے یہاں فاعل محترم (طالبوه) کی ضمیر مفعول مؤخر (مصعباً) کی طرف

راجع ہے ابو عبد اللہ طوال ابن جنی اور مصنف کے ہاں یہ جائز ہے۔

ایک شعر یہ بھی ہے۔

۱۵۰- كَسَا حِلْمُهُ ذَا الْحِلْمِ أَنْوَابَ سُؤْدِدِ

وَرَقَى نَدَاهُ ذَا النَّدَى فِي ذُرَى الْمَجْدِ

ترجمہ:..... بُرْد بَارِکُو اس کی برد باری نے سرداری کے کپڑے پہنائے اور سخی کو اس کی سخاوت نے بزرگی کی چوٹیوں پر پہنچایا۔

تشریح المفردات:

(کسا) فعل ماضی ہے ایسے دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جو اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر نہیں ہوتے، پہننے اور پہنانے کے معنی میں آتا ہے کسا تقول کسوت زیندا جبۃ وغیرہ "حلم" برد باری، صبر و تحمل، سرد مزاجی (سؤدد) بمعنی سرداری، بفتح الدال الاولیٰ، وبضمّھا کالقنفذ (رقی) بتشدید القاف واحد ذکر غائب ماضی از باب تلغیل بمعنی چڑھانا، ترقی دینا (النّدی) سخاوت و عطاء (ذری) جمع ہے ذرۃ (بضم الدال وکسرها) کی بمعنی چوٹی، بلندی حدیث شریف میں ہے "وذرۃ سنامہ الجہاد" (المجد) بزرگی شرافت و عزت۔

محل استشہاد:

(کسا حلمہ ذا الحلم، رقی نداه ذا الندی) محل استشہاد ہے فاعل متقدم (حلمہ، نداه) میں ضمیر ہے جو راجع ہے مفعول مؤخر (ذا الحلم، ذا الندی) کی طرف، یہ جمہور کے ہاں صحیح نہیں ابن جنی اور مصنف کے نزدیک جائز ہے۔ اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۵۱- وَلَوْ أَنَّ مَجْدًا أَخْلَدَ الدَّهْرَ وَاحِدًا

مِنَ النَّاسِ أَبْقَى مَجْدُهُ الدَّهْرَ مُطْعِمًا

ترجمہ:..... اگر بزرگی کسی کو ہمیشہ کیلئے دنیا میں رہنے دیتی تو مطعم کی بزرگی اس کو ہمیشہ کیلئے دنیا میں باقی رکھتی (لیکن کسی کی کوئی بزرگی کسی کو ہمیشہ رہنے نہیں دیتی اس وجہ سے مطعم کو بھی دنیا سے جانا پڑا اور اس کی بزرگی و عزت اس کے کام نہ آئی)

تشریح المفردات:

(اخلد) باب افعال سے ہمیشہ کیلئے باقی رکھنا (الدھر) اس کا اطلاق ہمیشہ پر ہوتا ہے (مطعم) مطعم بن

عدی مراد ہے۔

شان و روو:..... شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے چونکہ مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف بن قصی (جو مکہ کے مشرکوں کے سرداروں میں سے تھے) ہجرت سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی حفاظت فرماتے اور مالی تعاون کرتے، ان بہترین اوصاف کی بناء پر اسی لئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ان کے مرثیہ میں یہ شعر کہا ہے اس سے پہلے یہ شعر ہے۔

اعینُ الٰہی مینَ الناسِ، وَاَسْفَحی

بِدَمْعٍ، فَإِنْ انزَفْتَهُ فَاَسْكَبی الدَّمَا

ترجمہ:..... جس کا مطلب ہے اے میری آنکھ کیا میں لوگوں کے سردار پر نہ روؤں

اے میری آنکھ آنسو بہا دے اگر وہ بھی ختم ہے تو پھر خون بہا دے۔

www.KitaboSunnat.com

محل استشہاد:

(ابقی مجدہ مطعم) محل استشہاد ہے۔ یہاں مفعول (مطعمًا) مؤخر ہے اور فاعل مقدم (مجدہ) میں

ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے مفعول کی طرف حالانکہ وہ لفظاً اور رتبہً مؤخر ہے۔ (اس میں بھی گزشتہ تفصیل ہے)

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

جَزَى رَبُّهُ عَنِّي عَدِيَّ بْنَ حَاتِمِ

جَزَاءَ الْكِلَابِ الْعَاوِيَاتِ وَقَدْ فَعَلْ

ترجمہ:..... میری طرف سے عدی بن حاتم کو اس کا رب بدلہ دے جس طرح بھونکنے

والے کتوں کو (پتھر مار کر) سزا دی جاتی ہے اور تحقیق اس کے رب نے یہ کر لیا (یعنی

میری دعا قبول کی۔)

تشریح المفردات:

((عدی بن حاتم) مشہور صحابی رسول ہیں، شاعر نے ان پر بددعا کی ہے یا تو شاعر مذہب کے اعتبار سے صحیح

نہیں تھا یا زمانہ جاہلیت میں یہ شعر پڑھا ہوگا اور بعد میں مسلمان ہو چکا ہوگا، ورنہ تو اتنے بڑے صحابی کو اس طرح کی ظلمت

ترین بددعا دینا کسی بھی طرح جائز نہیں جن کو عبادت کا اتنا شوق تھا کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھ پر نماز کا کوئی بھی وقت نہیں

آیا مگر میں پہلے سے اس کی طرف مشتاق ہوتا تھا، میں جب بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جاتا تو آپ میری بات سنتے میرے لئے اپنی جگہ سے ہلتے (فرماتے ہیں) ایک مرتبہ میں آپ علیہ السلام کے ہاں آیا آپ کا گھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھرا پڑا تھا آپ نے مجھے جگہ دی یہاں تک کہ میں آپ کی ایک جانب بیٹھ گیا، وہ مہاجرین میں سے تھے اپنی قوم میں ایک شریف خطیب اور حاضر جواب آدمی تھے کو فہ آئے وہاں سکونت اختیار کی اور وہیں ۶۷ھ یا ۶۸ھ یا ۶۹ھ کو ۱۲۰ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ بعض حضرات نے اس شعر کی نسبت نابغہ ذبیانی کی طرف کی ہے اور بعض نے مشہور واقعہ ابو الاسود الدؤلی رحمہ اللہ کی طرف۔ واللہ اعلم۔

محل استشہاد:

(ربہ.....عدی) محل استشہاد ہے مفعول (عدی) مؤخر ہے اور فاعل مقدم (ربہ) میں ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے مفعول کی طرف۔ (مرّ تفصیلہ)
اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۵۳- جَزَى بَنُوهُ أَبَا الْغِيلَانَ عَنِ كَبِيرٍ

وَحُسْنِ فِعْلٍ كَمَا يُجْزَى سِنِمَارُ

ترجمہ:..... ابو الغیلان کو اس کے بیٹوں نے بڑھا پا، اور بہترین کارکردگی کے باوجود ایسا بدلہ دیا جو سِنِمَار کو دیا جاتا ہے۔

تشریح المفردات:

(ابا الغیلان) ایک آدمی کی کنیت ہے جس کا نام و حال معلوم نہیں ہو سکا (بنوہ) اصل میں بنون لہ تھا نون کو اضافت اور لام کو تخفیف کی وجہ سے حذف کیا (عن) بمعنی بعد (کبیر) بڑھا پا، عمر کا زیادہ ہونا، (سنِمَار) یہ ایک رومی آدمی کا نام ہے جس نے حیرہ کے بادشاہ نعمان بن امرؤ القیس کے لئے ایک عالی شان محل بنایا تھا بیس سال میں اس کی تعمیر پوری ہوئی جب وہ اس کی تعمیر سے فارغ ہوا تو بادشاہ نعمان نے اس انجینئر کو چھت سے زمین پر گرایا تاکہ اس طرح کا محل کسی دوسرے کیلئے نہ بنائے، سوء المخازلة (برابدلہ دینے) میں یہ ایک ضرب المثل بن گیا، کہا جاتا ہے ”جزائی جزاء سنِمَار“

محل استشہاد:

(بنوہ ابا الغیلان) محل استشہاد ہے بنوہ فاعل مقدم میں ضمیر ہے جو راجع ہے مفعول مؤخر کی طرف (جو ابا الغیلان ہے) پہلے تفصیل سے کئی اشعار گزرے جن میں فاعل مقدم ہے اور اس میں ضمیر ہے جو راجع ہے مفعول مؤخر کی طرف، جمہور کے ہاں یہ صحیح نہیں اور ایسے اشعار کو وہ یا تو شاذ کہتے ہیں یا ضرورت شعریہ پر حمل کرتے ہیں۔ چونکہ اس کے جواز پر ابھی پانچ چھ شواہد گزرے ہیں اس کے علاوہ بھی کلام عرب میں زیادہ تر اس طرح آیا ہے اس وجہ سے صاحب منحة الجلیل کی رائے یہ ہے کہ جواز کا یہ مسلک (جو امام حنفی اور ابن جنی اور ابو عبد اللہ الطوال، اور ابن مالک رحمہم اللہ) کا ہے (میرے نزدیک راجح ہے) (اگرچہ جمہور کے خلاف ہے) حق اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسی پر اعتماد کیا جائے ان کے نزدیک کلام عرب کے استعمال کا اعتبار ہے قواعد اس کے مقابلے میں مرجوح ہیں۔

فلو كان الضمير الخ:

اس سے پہلے فاعل کا ذکر ہوا جس میں ضمیر تھی اور وہ لوٹ رہی تھی مفعول کی طرف اب اس فاعل کا حکم بتا رہے ہیں جس میں ضمیر مفعول کے ساتھ متصل کی طرف لوٹی ہے شارح فرماتے ہیں کہ یہ صورت صحیح نہیں جیسے ”ضَرَبَ بَعْلَهَا صاحب ہند“ بعض حضرات نے اگرچہ اس میں بھی اختلاف نقل کیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ صورت ممنوع ہے۔

النَّائِبُ عَنِ الْفَاعِلِ

يُنُوبُ مَفْعُولٌ بِهِ عَنِ فَاعِلٍ

فِي مَالِهِ، كَنَيْلٍ خَيْرٍ نَائِلٍ

ترجمہ:..... مفعول بہ فاعل کی جگہ نائب ہو کر آتا ہے ان احکام میں جو فاعل کیلئے ہوتے ہیں جیسے نَيْلٌ خَيْرٍ نَائِلٍ (بہترین انعام حاصل کیا گیا)

(ش) يحذف الفاعل ويقام المفعول به مقامه، فيعطى ما كان للفاعل: من لزوم الرفع، ووجوب التأخر عن الرفع، وعدم جواز حذفه، وذلك نحو: ((نيل خير نائل)) فنيل نائل: مفعول قائم مقام الفاعل، والأصل: ((نال زيد خير نائل)) فحذف الفاعل - وهو ((زيد)) - وأقيم المفعول به مقامه - وهو ((خير نائل)) ولا يجوز تقديمه؛ فلا تقول: ((خير نائل نيل)) على أن يكون مفعولاً مقديماً، بل على أن يكون مبتدأ، وخبره الجملة التي بعده - وهي ((نيل)) والمفعول القائم مقام الفاعل ضمير مستتر - والتقدير: ((نيل [هو]) وكذلك لا يجوز حذف ((خير نائل)) فتقول: ((نيل))

ترجمہ و تشریح:

نائب فاعل کے احکام:

اس سے پہلے فاعل کا ذکر تفصیلاً گزر چکا، نیز اس کے احکام و مسائل بھی تفصیلاً بیان ہوئے اب نائب فاعل کا ذکر کر رہے ہیں (نائب فاعل کو بعض حضرات مفعول مالم یسم فاعله کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ دونوں میں فرق نہیں البتہ حاشیة الخضری میں ہے کہ نائب فاعل کی اصطلاح ”مفعول مالم یسم فاعله“ سے بہتر ہے اس لئے کہ یہ اس ظرف کو شامل نہیں ہوتا جو فاعل سے نائب ہو کر آتا ہے اس لئے کہ مطلق ذکر کے وقت مفعول بہ ہی مراد ہوتا ہے۔ جبکہ نائب فاعل سب کو شامل ہے)

چنانچہ فرمایا: فاعل کو حذف کر کے مفعول بہ کو اس کے مقام لایا جاتا ہے اور فاعل کے تمام احکام اس کو بھی دیئے جاتے ہیں مثلاً مرفوع ہونا، عامل سے مؤخر ہونا وغیرہ، جیسے ”نیل خیر نائل“ خیر نائل مفعول ہے اور

فاعل کے قائم مقام ہے جو کہ زید ہے تقدیر عبارت یوں ہے ”نال زید خیر نائل“ مفعول بہ (خیر نائل) کو حذف کر کے فاعل (زید) کو اس کے قائم مقام بنایا، اسی طرح خیر نائل کی تقدیم بھی اس طرح جائز نہیں کہ یہ مفعول مقدم ہو بلکہ ترکیب میں یہ مبتدا واقع ہو اور ”نیل“ جملہ خبر ہوگا اور نائب فاعل وہ ضمیر ہوگی جو مستتر ہے والتقدیر ”نیل ہو“

اسی طرح ”خیز نائل“ کا حذف بھی صحیح نہیں تا کہ صرف ”نیل“ کہا جاسکے۔

فَاوَّلَ الْفَعْلِ اضْمُنَّ وَالْمُتَّصِلِ

بِالْآخِرِ اَكْسِرُ فِي مُضَى كَوْصِلِ

وَأَجْعَلُهُ مِنْ مُضَارِعِ مَنْفَتِحَا

كَيْتَحَى حَى الْمَقُولِ فِيهِ يُنْتَحَى

ترجمہ:..... پس آپ فعل کے شروع کو ضمہ دیں اور آخر کے ساتھ متصل کو ماضی میں کسرہ

دیں جیسے وَصَلَ فِي وَصِلَ اور مضارع میں آپ حرف اول کو مفتوح کر دیں جیسے

يُنْتَحَى اس میں کہا جائے گا ”يُنْتَحَى“ (انتحاء) بمعنی اعتماد کرنا، پیش ہونا۔

(ش) يضم أول الفعل الذي لم يسم فاعله مطلقاً، أي: سواء كان ماضياً، أو مضارعاً، ويكسر ما قبل آخر الماضى، ويفتح ما قبل آخر المضارع.

ومثال ذلك في الماضى قولك فى وَصَلَ: ”وُصِلَ“، وفى المضارع قولك فى ’يُنْتَحَى‘:

”يُنْتَحَى“ (ترجمہ و تشریح واضح ہے)

وَالثَّانِي التَّالِي تَا الْمُؤَاعَهِ

كَالْأَوَّلِ اجْعَلُهُ بِلَا مُنَازَعَهُ

وَتَالِكَ الَّذِى بِهِمُزِ الْوَصْلِ

كَالْأَوَّلِ اجْعَلْنَهُ كَمَا سْتَحْلَى

ترجمہ:..... فعل بنی للمفعول میں دوسرے حرف کو جوتاء مطاوعت کے بعد ہے پہلے کی

طرح (مضموم) کر دیں بغیر کسی جھگڑے کے، اور ہمزہ وصل ساتھ تیسرے حرف کو بھی

پہلے کی طرح (مضموم) کر دیں۔

(ش) إذا كان الفعل المبني للمفعول مفتوحا ببناء المطاوعة ضم أوله وثانيه، وذلك كقولك في

تَذَخَّرَجَ: "تَذَخَّرَجَ" وفي "تَكْسَرُ"، "تُكْسَرُ" وفي "تَغَافِلُ": "تَغَوِّفُلُ"

وإن كان مفتوحا بهمزة وصل ضم أوله وثالثه، وذلك كقولك في "استحلي":

"استحلي" وفي "اقتدر اقتدير" وفي "انطلق": "انطلق"

ترجمہ و تشریح:

جب فعل بنی للمفعول کے شروع میں تاء مطاوعت ہو (مطاوعت کہتے ہیں تاثیر کو قبول کرنا اور پہلے کی چیز

دوسرے کو حاصل ہونا، جیسے: تَعَلَّمْتَهُ فَتَعَلَّمْ میں نے اس کو سکھا یا پس اس نے سیکھا) تو پہلے اور دوسرے حرف کو ضمہ دیا

جائے گا۔ جیسے: تَذَخَّرَجَ سے تَذَخَّرَجَ، تَكْسَرُ سے تُكْسَرُ، تَغَافِلُ سے تَغَوِّفُلُ۔

اور اگر شروع میں ہمزه وصلی ہو تو پہلے اور تیسرے حرف کو ضمہ دیا جائے جیسے: استحلی سے استَحْلِي۔

اقتدر سے اِقْتَدِرْ، انطلق سے اِنْطَلِقْ۔

وَأَكْسِرُ أَوْ أَشْمِمُ فَأَثَلِي أَعْلُ

عِينًا وَضَمُّ جَاءَ كَ "بُوعَ" فَاحْتُمِلُ

ترجمہ:..... کسرہ دیں یا اشام کریں ثلاثی معتل العین کے فاء میں اور ضمہ بھی آیا ہے

جیسے "بُوعَ" پس اس کا بھی احتمال ہے۔

(ش) إذا كان الفعل المبني للمفعول ثلاثيا معتل العين سمع في فائه ثلاثة أوجه: (۱) إخلاص

الكسر، نحو: ((قيل، وبيع)) ومنه قوله:

۱۵۴ - حِيَّكْتُ عَلَى يَسْرِينِ إِذْ تَحَاكُ

تَخْتَبِطُ الشُّوْكَ وَلَا تُشَاكُ

(۲) وإخلاص الضم، نحو: ((قوله، وبوع))، ومنه قوله:

۱۵۵- كَيْتٌ ، وَهَلْ يَنْفَعُ شَيْئًا كَيْتٌ؟

كَيْتٌ شَبَابٌ أَبُوعٌ فَاشْتَرَيْتُ

وہی لغت بنی دبیر و بنی فقعیس [وہما من فصحاء بنی اسد]

(۳) والإشمام- وهو الإتيان بالفاء حركة بين الضم والكسر- ولا يظهر ذلك إلا في

اللفظ، ولا يظهر في الخط، وقد قرئ في السبعة قوله تعالى: ﴿وقيل يا أرض ابلعي ماءك وياسماء

أقلعي وغيض الماء﴾ بالإشمام في ((قيل)) و((غيض))

ترجمہ و تشریح:

قيل بيع كيتين وجهين:

جب فعل بنی للمفعول ہو اور ثلاثی معتل العین ہو تو اس کی فاء میں تین وجہیں جائز ہیں۔ (صرف کسرہ جیسے

”قيل“ ”بيع“ اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۵۴- جِيْكَتٌ عَلَيَّ نِيْرِيْنِ اِذْ تُحَاكُ

تَخْتَبِطُ الشُّوْكَ وَلَا تُشَاكُ

ترجمہ:..... یہ چادر بنی گئی ہے دو مضبوط اکٹھے دھاگوں پر جب اس کو بنا جا رہا تھا یہ

مارتی ہے کانٹے کو اور خود اس میں کانٹا نہیں چبھتا۔

تشریح المفردات:

(حیکت) از ضرب بمعنی بنا (نیرین) نیر کا حثیہ ہے بمعنی اکٹھے دھاگے، کپڑے کا نقش و نگار، کہا جاتا ہے رجُلٌ

ذو نیرین اپنے ساتھی سے دگنی قوت والا ”حربٌ ذات نیرین“ سخت جنگ (تختبط) واحد مؤنث عائب کا مینہ ہے باب

التعال ضرب سے بمعنی زور سے مارنا، سخت روندنا چکلتا (الشوک) کانٹا (لا تشاک) ای لا یدخلها شوک ”نصر

سے بمعنی کانٹا چھونا۔

محل استشہاد:

(حیکت) محل استشہاد ہے فعل ثلاثی معتل العین ہے اور اخلاص کسر کے ساتھ ہے۔

۳..... دوسری وجہ ثلاثی معتل العین کے معنی للمفعول میں اخلاص ضم ہے یعنی فاعلمہ پر ضمہ کا ہونا جیسے ”قول“
”ع“

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۵۵- لَيْتٌ ، وَهَلْ يَنْفَعُ شَيْئًا لَيْتٌ

لَيْتٌ شَبَابًا بَعْدَ فَاشْتَرَيْتُ

ترجمہ:..... کاش (اور کیا کاش کا لفظ کچھ نفع دیتا ہے؟ کاش) کہ جوانی نہیں جاتی پس
میں اس کو خریدتا۔

تشریح المفردات:

(لےت) حرف تمنیٰ ناصبہ ہے۔ اسم کو نصب خبر کو رفع دیتا ہے ناممکن شئی کی حتمتاً کیلئے آتا ہے۔ یہاں تین مرتبہ ”لےت“ کا لفظ آیا ہے پہلا لےت مشہور حرف تمنیٰ ہے دوسرا باعتبار لفظ یقع فعل کیلئے فاعل ہے اور مرفوع بنا بر فاعلیہ ہے اسلئے کہ مقصود لفظ ”لےت“ ہے تیسرا والا (لےت) پہلے والے کی تاکید ہے لہذا تیسرے کا اسم اور خبر نہیں ہے ”وَهَلْ يَنْفَعُ شَيْئًا لَيْتٌ“ جملہ مترضہ ہے۔ (هل) سے استفہام انکاری مراد ہے اس لئے کہ ایک روایت میں ”وَمَا يَنْفَعُ شَيْئًا لَيْتٌ“ آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ لےت کا لفظ کوئی نفع نہیں دیتا ہے۔

محلن استشہاد:

(بوع) محلن استشہاد ہے اخلاص ضم والی روایت ہے عرب کی ایک جماعت بنو دیر اور بنو فقہس کی لغت ہے جو بنو اسد کے فصحاء میں سے تھے۔

۳..... تیسری لغت اشام کی ہے یعنی فاعلمہ پر ایسی حرکت لانا جو ضمہ اور کسرہ کے درمیان ہو، خط کے اندر یہ ظاہر نہیں ہوتا البتہ تلفظ میں ظاہر ہو جاتا ہے، منجد میں ہے کہ قاریوں اور نحو یوں کے نزدیک ہونٹ کے ساتھ بغیر آواز نکالے ہوئے حرکت کی طرف اشارہ کرنے کو اشام کہتے ہیں۔ قراءت سبعہ میں ”وقیل یسأرض ابلعی ماء ک ویاسماء اقلعی وغیض الماء“ کی آیت میں قیل اور ”غیض“ اشام کے ساتھ آیا ہے۔

وَإِنْ بِشَكْلِ خَيْفٍ لَيْسَ يُجْتَنَبُ

وَمَالِبَاعٍ قَدْ يُرَى لِنَحْوِ حَبِّ

ترجمہ:..... اگر کسی صورت میں التباس کا خطرہ ہو (یعنی مذکورہ تین وجوہات اخلاص کسرہ
اخلاص ضم، اشمام میں سے) تو اس سے اجتناب کیا جائے گا نیز جو حکم بَاع کے فاء
کیلئے ہے وہ حَبِّ (یعنی مضاعف کے فاء کیلئے بھی دیکھا گیا ہے۔

(ش) إذا أسند الفعل الثلاثي المتعل العین - بعد بنائه للمفعول - إلى ضمير متكلم أو مخاطب
أو غائب: فإما أن يكون واوياً، أو يائياً.

فإن كان واوياً - نحو: ((سام)) من السوم - وجب - عند المصنف - كسر الفاء أو الإشمام؛
فتقول: ((سمت)) ولا يجوز الضم؛ فلا تقول: ((سمته))؛ لئلا يلتبس بفعل الفاعل، فإنه بالضم ليس
إلا، نحو: ((سمت العبد))

وإن كان يائياً - نحو: ((باع)) من البيع - وجب - عند المصنف أيضاً - ضمه
أو الإشمام؛ فتقول: ((بعث يا عبد)) ولا يجوز الكسر؛ فلا تقول: ((بعث))؛ لئلا يلتبس بفعل الفاعل؛
فإنه بالكسر فقط، نحو: ((بعث الثوب))

وهذا معنی قولہ: ((وإن بشکل خیف لیس یجتنب)) ای: وإن خیف اللبس فی شکل من
الأشكال السابقة - أعني الضم، والكسر، والإشمام - عدل عنه إلى شكل غيره لا لیس معه.

هذا ما ذكره المصنف، والذي ذكره غيره: أن الكسر في الواو، والضم في الياء،
والإشمام هو المختار، ولكن لا يجب ذلك، بل يجوز الضم في الواو، والكسر في الياء.

وقوله: ((ومالبا ع قد يرى لنحو حَبِّ)) معناه أن الذي ثبت لفاء ((باع)) - من جواز الضم،
والكسر، والإشمام - يثبت لفاء المضاعف، نحو: ((حَبِّ))؛ فتقول: ((حَبِّ))، و((حَبِّ)) وإن شئت
أسممت.

جمعہ و تشریح:

اس سے پہلے معتل العین کے ماضی مجہول میں تین وجہوں کے جواز کا ذکر ہوا اب مصنفؒ یہ فرما رہے ہیں کہ یہ تین وجہیں وہاں جائز ہیں جہاں التباس کا خطرہ نہ ہو اگر التباس کا خطرہ ہو تو پھر صحیح نہیں۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ جب فعل ثلاثی معتل العین کی اسناد ہو جائے ضمیر متکلم یا مخاطب یا غائب کی طرف تو یا وہ فعل واوی ہو گا یا یائی۔

اگر واوی ہو جیسے سَامَ (يَسُوْمُ) تو مصنفؒ کے ہاں التباس سے بچنے کیلئے صرف فا کا کسرہ اور اشام جائز ہے۔ چنانچہ سَمْتُ کہا جائے گا اور ضمہ پڑھنا صحیح نہیں لہذا سَمْتُ (بضم السين) کہنا غلط ہے کیونکہ فا کے ضمہ کی صورت میں یہ فعل معروف کے ساتھ غلط ملط ہو جائے گا (یعنی وہ فعل جس کا فاعل ہوتا ہے) فعل معروف کی مثال سَمْتُ العبد ہے یائی جیسے ”بَاعَ“ تو مصنف کے ہاں اس میں بھی صرف ضمہ یا اشام واجب ہے، چنانچہ ”بَعْتُ يا عبد“ کہا جائے گا اور ”بعث يا عبد“ (بکسر الباء) صحیح نہیں تاکہ فاعل کے فعل سے التباس نہ آئے پتہ نہیں چلے گا (یا کے کسرہ کی صورت میں) کہ یہ فعل معروف ہے یا مجہول مصنفؒ کے قول ”وان بشكلي خيف الخ کا یہی مطلب ہے۔

یہ مسلک مصنفؒ کا ہے جبکہ دیگر حضرات کا مسلک یہ ہے کہ واوی میں کسرہ اور یائی میں ضمہ اور اشام مختار ہے (شارح فرماتے ہیں) لیکن یہ بھی وجوہاً نہیں بلکہ واوی میں ضمہ اور یائی میں کسرہ جائز ہے۔ چنانچہ قَالَ يَقُولُ سے ماضی مجہول اور معروف دونوں قُلْنَا قُلْتُ قلتما الخ ایک جیسے آتے ہیں (اگرچہ اصل تعلیل میں فرق ہوتی ہے) کسی طرح بعن بعث بعثما الخ میں بھی۔ عام طور پر صرف کی کتابوں میں اسی قول کو لیا گیا ہے۔ یعنی واوی میں ضمہ اور یائی میں کسرہ چنانچہ ارشاد صرف میں قلن کے متعلق قانون ہے۔

(ہر واؤ غیر مکسور کہ در ماضی معلوم ثلاثی مجرد اجوف الف شدہ بیفتد فا کلمہ و را حرکت ضمہ می دھند و جوئنا) اور (خفن) ”بِعْن“ کے تعلق قانون یہ ہے

(ہر واؤ مکسور و یائے مطلقاً کہ در ماضی معلوم ثلاثی مجرد اجوف الف شدہ باشد بیفتد فا کلمہ و را حرکت کسرہ می دھند و جوئنا)

باقی رہا التباس کا شبہ تو قرینے سے اس کا ازالہ ممکن ہے۔

بہر حال سیبویہ رحمہ اللہ نے ان تینوں وجہوں کو عرب سے سموع قرار دیا ہے اور اس پر انہوں نے تصریح کی

ہے۔

www.KitaboSunnat.com

وَمَا بَاعَ الْخ:

مصنف اس قول سے یہ بتا رہے ہیں کہ جو تین وجہیں (جواز ضم، جواز کسرہ اشام) بَاع کے فاء کیلئے ثابت ہیں وہ مضاعف کے فاء کیلئے بھی ہیں جیسے حَب، اس میں آپ حَب، حَب اشام تینوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

وَمَا لِفَبَاعٍ لِمَا الْعَيْنُ تَلِي

فِي اخْتَارِ وَالْقَادِ وَشِبِّهِ يَنْجَلِي

ترجمہ:..... جو حکم باع کے فاء کیلئے ثابت ہے وہی اس حرف کیلئے بھی ہے جس کے ساتھ عین کلمہ متصل ہے اِخْتَارَ، اِنْقَادِ اور اس کے مشابہ میں جو واضح ہو۔

(ش) ای یثبت - عند البناء للمفعول - لما تليه العين من كل فعل يكون على وزن الفعل، أو انفعال وهو معتل العين ما يثبت لفاء باع من جواز الكسر: والضم، وذلك نحو: ((اختار، والقاد)) وشبههما؛ فيجوز في التاء والقاف ثلاثة أوجه: الضم، نحو: ((اختور))، و((انقود))، والكسر، نحو: ((اختير))، و((انقيد))، والإشمام، وتحرك الهمزة بمثل حركة التاء والقاف.

ترجمہ و تشریح:

یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ معنی للمفعول میں جو تین وجہیں گزر گئی یہ اس فعل کے فاء میں بھی ثابت ہیں جو انفعال کے وزن پر ہو جیسے اِخْتَارَ اِنْقَادِ وغیرہ چنانچہ تاء اور قاف میں ضمہ بھی جائز ہے جیسے "اِخْتَارَ اِنْقَادِ" (یہاں جب تاء اور قاف کو ضمہ دیا تو یاء کو ماقبل مضموم ہونے کی بناء پر یوسر کے قاعدہ - (ھر یائے ساکن مظهر غیر واقع مقابلہ فا کلمہ باب الفعل ماقبلش مضموم آن را ہوا و بدل کنند و جو بنا) کے تحت واؤ سے تبدیل کیا۔ اور کسرہ بھی جائز ہے جیسے اِخْتِيرَ اِنْقِيدَ۔

اسی طرح اشام بھی جائز ہے اس صورت میں ہمزہ کو تاء اور قاف کی حرکت دی جائے گی۔

وَقَابِلٌ مِنْ ظَرْفٍ أَوْ مِنْ مُصَدَّرٍ

أَوْ حَرْفٍ جَوْرًا بِبَيِّنَاتٍ حَرِي

ترجمہ:..... جو ظرف مصدر حرف جر میں سے قابل ہو وہ بیانات کا زیادہ لائق ہے۔

(ظن) تقدم أن الفعل إذا بنى لصللم بسم فاعله أقيم المفعول به مقام الفاعل، وأهتز في هذا البيت إلى أنه إذا لم يوجد المفعول به أقيم الظرف أو المصدر أو الجار والمجرور مقامه؛ وشرط في كل واحد منهما أن يكون قابلاً للنيابة، أي: صالحاً حالها، واحترز بذلك مما لا يصلح للنيابة، كالظرف اللطيف لا يتصرف، والمصدر أنه مما يلزم النصب على النظرية، نحو: ((سحر)) إذا نزل به سحر يوم محرم ونحو: ((حياتك)) فلا تقول: ((جلس عندك)) ولا ((ركب سحر))؛ لأن لا تخرجهما عما استقر له على لسان العرب عن لزوم النصب، وكالمصادر التي لا تتصرف، نحو: ((معاذ الله)) فلا يجوز رفع ((معاذ الله))؛ لما تقدم في الظرف وكذلك ما لا يلائم فيه: من الظرف، والمصدر، والجار والمجرور؛ فلا تقول: ((سير وقت)) ولا ((ضرب ضربت)) ولا ((جلس في دار)) لأنه لا يلائم في ذلك.

ومثال القابل من كل منهما قولك: ((سير يوم الجمعة)) و((ضرب ضربت)) شديداً، ومزيداً.

ترجمہ و تشریح:

مفعول بہ موجود نہ ہونے کی صورت میں ظرف وغیرہ کو نائب فاعل بنایا جاسکتا ہے:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ جب فعل مبنی للمفعول ہو جائے تو مفعول یہ کو فاعل کے قائم مقام بنایا جائیگا۔ اس شعر میں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر مفعول بہ موجود نہ ہو تو ظرف مصدر یا جار مجرور کو اس کے قائم مقام بنا لینگے۔

لیکن ان میں سے ہر ایک میں شرط ہے کہ وہ بیانات کے قابل ہو یعنی نائب بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

چنانچہ ظرف اور مصدر کی نیابت کیلئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ لفظ میں سے ہر ایک تصرف ہو دوسری یہ ہے کہ ہر

ایک شخص ہوا ان دونوں میں سے کوئی بھی شرط نہ پائی گئی تو نیابت صحیح نہیں ہوگی۔

(جاننا چاہیے کہ ظروف کی تین قسمیں ہیں۔

۱:..... اول جو نصب بنا بر ظرفیت کو لازم ہوں کسی بھی حالت میں اس سے جدا نہ ہوتے ہوں نیز من جارہ کے آنے سے اس پر جزمی نہ آتا ہو جیسے ”قطع، عوض، اذا، سحر“ (جو معین دن کا مراد ہو)۔

۲:..... دوم جو احد الاھرین نصب بنا بر ظرفیت یا من کے ذریعہ جر کو لازم ہو جیسے عند، ثم (بفتح التاء) ان دونوں قسموں کو ظرف غیر متصرف کہا جاتا ہے۔

۳:..... تیسری قسم جو نصب بنا بر ظرفیت اور جر بہ من سے نکل کر مختلف عوامل کے آنے کی وجہ سے متاثر ہوتے ہوں جیسے ”زمن، وقت۔ ماعة اليوم، دھر، حین ان کو ظرف متصرف کہا جاتا ہے، مضار میں متصرف وہ ہیں جو نصب بنا بر مصدریت سے نکل کر مختلف عوامل کے آنے کی وجہ سے متاثر ہوتے ہوں جیسے ضرب، قتل اور غیر متصرف مصدر میں وہ ہیں جو صرف منصوب بنا بر مصدریت ہی ہوں، جیسے معاذ اللہ۔ لہذا معاذ کو مرفوع پڑھنا صحیح نہیں اور ظرف میں مختص اس کو کہتے ہیں جو اضافت یا وصف کے ساتھ خاص ہوں اور مضار میں مختص اس کو کہتے ہیں جو عدد یا نوع پر دال ہوں لہذا ضرب ضرب نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہاں نہ عدد ہے نہ نوع) شرح میں اسی کو مختص کر کے پیش کیا گیا ہے فراجعہ و طالعه۔

اسی طرح جس میں فائدہ نہ ہو وہاں بھی نائب فاعل بنا بر ظرف مصدر جار مجرور کا صحیح نہیں۔ چنانچہ سیر وقت ضرب ضرب، جلس فی دار کہنا صحیح نہیں۔

نیابت کے قابل کی مثال یہ قول ہے ”سیر يوم الجمعة ضرب ضرب شدید مر بنید“ (پہلی مثال میں ظرف متصرف مختص کو دوسری میں مصدر متصرف مختص کو اور تیسری میں فائدہ والے جار مجرور کو مفعول کے قائم مقام بنا گیا ہے۔

وَلَا يَنْصُوبُ بَعْضُ هَذِي ، اِنْ وُجِدَ

فِي اللَّفْظِ مَفْعُولٌ بِهِ وَقَدْ يَرِدُ

ترجمہ:..... ان میں سے (یعنی مصدر، ظرف، جار مجرور میں سے) بعض فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتے اگر لفظ میں مفعول بہ موجود ہو اور کبھی واقع ہو جاتا ہے۔

(ش) مذهب البصریین - إلا الأخفش - أنه إذا وجد بعد الفعل المبني لما لم يسم فاعله: مفعول به، مصدر، وظرف، وجار ومجرور - تعین إقامة المفعول به مقام الفاعل؛ فتقول: ضرب زيد ضرباً شديداً يوم الجمعة أمام الأمير في داره، ولا يجوز إقامة غيره [مقامه] مع وجوده، وما ورد من ذلك ما إذا ومزول.

ومذهب الكوفيين أنه يجوز إقامة غيره وهو موجود: تقدم، أو تأخرم فتقول: ((ضرب ضرباً شديداً زيدا، وضرب زيدا ضرباً شديداً)) وكذلك في الباقي؛ واستدلوا بذلك بقراءة أبي جعفر: (ليجزى قوما بما كانوا يكسبون) وقول الشاعر:

١٥٦ - لَمْ يُغْنِ بِالْعَلَاءِ إِلَّا مَيْدَا
وَلَا شَفَنِي ذَا الْفَيْيِ إِلَّا ذُو هُنْدَى

ومذهب الأخفش أنه إذا تقدم غير المفعول به عليه جاز إقامة كل [واحد] منهما؛ فتقول: ضرب في الدار زيد، وضرب في الدار زيدا، وإن لم يتقدم تعين إقامة المفعول به، نحو: ((ضرب زيد في الدار))؛ فلا يجوز ((ضرب زيدا في الدار))

ترجمہ و تشریح:

انفخ رعمہ اللہ کے علاوہ باقی بصریین کا یہ مسلک ہے کہ فعل بنی للمفعول کے بعد اگر مفعول بہ، مصدر، ظرف، جار و رواج ہو تو مفعول بہ کو فاعل کی جگہ قائم مقام بنانا ضروری ہے جیسے ضرب زيد ضرباً شديداً يوم الجمعة أمام الأمير في داره (یہاں مصدر ظرف جار مجرور کے ساتھ مفعول بہ (زيد) بھی موجود تھا اس وجہ سے اسی کو فاعل کے قائم مقام بنایا گیا) مفعول کے موجود ہوتے ہوئے غیر کو اس کے قائم مقام بنانا صحیح نہیں البتہ جہاں وارد ہوا ہے وہ تو سزا ہے یا اس میں تاویل کی جائے گی۔

اور کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ غیر کو قائم مقام بنا سکتے ہیں اگرچہ مفعول بہ موجود ہو چاہے مقدم ہو یا مؤخر۔ مؤخر کی جگہ ضرب ضرباً شديداً زيدا، وضرب زيدا ضرباً شديداً (پہلی مثال میں مفعول بہ مؤخر موجود ہے دوسری میں مفعول بہ مقدم موجود ہے پھر بھی مصدر کو فاعل کے قائم مقام بنایا گیا ہے۔ اسی طرح باقی کی مثالیں بھی

(۱۳)

ابن جعفر کی قراءت سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے۔ ”لیجزی قومًا بما كانوا یکسبون“
(یہاں جار مجرور کو فاعل کے قائم مقام بنایا گیا حالانکہ مفعول بہ (قومًا) موجود ہے اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۵۶- لَمْ يُفْنِ بِالْعَلِيَاءِ إِلَّا سَيِّدًا

وَلَا شَفِيئِي ذَا الْفَنَىٰ إِلَّا ذُو هُنَىٰ

ترجمہ: تیرے باندی کے حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتا مگر سردار آدمی اور جہالت
والے کو شفاء نہیں دی مگر ہدایت والے نے۔

تشریح المفردات:

(لم یعنی) نفی محمد مجہول کا سینہ ہے علامت جزم حذف الف ہے۔ (عنی بالامر) کسی کام کی طرف توجہ
دینا، مشغول ہونا، اہتمام کرنا (العلیاء) یہاں مضاف حذف ہے ای بتحصیل العلیاء (العلیاء) بفتح العین
ومعد الهمزة، ونضم العین وقصر الهمزة اصل میں ہر ادنیٰ جگہ کو کہتے ہیں یہاں بلند مرتبہ مراد ہے۔ (سیدًا)
سردار (الغنی) غوی بغوی ضرب بضر ب کا مصدر ہے جہل میں مہلک ہونا۔

محل استشہاد:

(لم یعنی بالعلیاء الا سیدًا) محل استشہاد ہے یہاں جار مجرور (بالعلیاء) فاعل سے ثابت ہو کر آیا ہے
(اصل عبارت یوں تھی لم یعنی النلة بالعلیاء الا سیدًا اللہ تعالیٰ بلند و بالا مرتبہ پر نہیں مشغول کرتے مگر سردار
فاعل لفظ اللہ کو حذف کیا سیدًا مفعول بہ کے موجود ہونے کے باوجود اور جار مجرور (بالعلیاء) کو نائب فاعل بنا کر
انفخس کے علاوہ دیگر بھرتیوں کا مسلک ہے، چہور اس کو ضرورت شعر یہ پر محمول کرتے ہیں ہاں طود کہ اصل میں الامسیدہ
چاہئے لیکن قافیہ کی رعایت کرتے ہوئے سید پڑھا گیا۔

اور امام انفخس رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جب مفعول بہ کے علاوہ مقدم ہو جائے تو اس صورت میں اس کو
فاعل بنا کر جائز ہے جیسے ”ضرب فی الدار زید ضرب فی الدار زیدًا“ اور اگر مقدم نہ ہو یعنی مفعول بہ مقدم
مفعول بہ کو نائب فاعل بنا کر محتمل ہے جیسے ”ضرب زید فی الدار“ اس میں ضرب زید فی الدار کہا گیا مگر

وَبِاتِّفَاقٍ قَدْ يَنْوُبُ الثَّانِي مِنْ

بَابِ "كَسَا" فِيمَا التَّبَاسُّهُ أَمِنَ

ترجمہ: اور اتفاق کے ساتھ کبھی "کسا" کے باب کا دوسرا مفعول نائب فاعل

ہی کہتا ہے جہاں التباس سے امن ہو (یعنی جہاں التباس کا خطرہ نہ ہو)

بَابِ إِذَا بَسِيَ الْفِعْلُ الْمُتَعَدِّي إِلَى مَفْعُولَيْنِ لِمَا لَمْ يَسْمُ فَاعِلُهُ: فَأَمَّا أَنْ يَكُونَ مِنْ بَابِ "أَعْطَى"، أَوْ مِنْ

بَابِ "ظَنَّ"

فَبِإِنْ كَانَ مِنْ بَابِ "أَعْطَى" - وَهُوَ الْمُرَادُ بِهَذَا الْبَيْتِ - فَذَكَرَ الْمَصْنِفُ أَنَّهُ يَجُوزُ إِقَامَةُ الْأَوَّلِ

لَهُمَا وَكَذَلِكَ الثَّانِي، بِإِلَّا تَفَاقٍ، فَتَقُولُ: "كَسَى زَيْدٌ جِدَّةً، وَأَعْطَى عَمْرٌو دَرَهْمًا"، وَإِنْ شِئْتَ أَقَمْتَ

الثَّانِي، فَتَقُولُ: "أَعْطَى عَمْرٌو دَرَهْمًا، وَكَسَى زَيْدٌ جِدَّةً"

هَذَا إِنْ لَمْ يَحْصُلْ لَيْسَ بِإِقَامَةِ الثَّانِي، لِإِذَا حَاصِلُ لَيْسَ وَجِبَ إِقَامَةُ الْأَوَّلِ، [وَذَلِكَ] لِحُجُورِ:

"أَعْطَيْتَ زَيْدًا عَمْرًا" فَتَعِينُ إِقَامَةُ الْأَوَّلِ "فَتَقُولُ: "أَعْطَى زَيْدٌ عَمْرًا" وَلَا يَجُوزُ إِقَامَةُ الثَّانِي حِينَئِذٍ؛ لِأَنَّ

حَاصِلُ لَيْسَ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَصْلُحُ أَنْ يَكُونَ آخِذًا، بِخِلَافِ الْأَوَّلِ.

وَنَقَلَ الْمَصْنِفُ الْإِتِّفَاقَ عَلَى أَنَّ الثَّانِي مِنْ هَذَا الْبَابِ يَجُوزُ إِقَامَتُهُ عِنْدَ أَمِنَ اللَّيْسَ؛ لِإِنْ عَنِيَ بِهِ أَنَّهُ

إِتِّفَاقٌ مِنْ جِهَةِ النُّحْوِيِّينَ كُلِّهِمْ فَهِيَ بَجِيدَةٌ؛ لِأَنَّ مَذْهَبَ الْكُوفِيِّينَ أَنَّهُ إِذَا كَانَ الْأَوَّلُ مَعْرُوفًا وَالثَّانِي نَكْرَةً

عَنِ إِقَامَةِ الثَّانِي، فَلَا تَقُولُ: "أَعْطَى دَرَهْمًا زَيْدًا"

ترجمہ و تشریح:

جب فعل متعدی بہ دو مفعول مثنیٰ للمفعول ہو جائے تو دو مثال سے خالی نہیں ہوگا یا اعطی کے باب میں سے ہوگا

(یعنی اس کے دونوں مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر نہیں ہونگے) یا ظن کے باب سے ہوگا (یعنی اس کے دونوں

مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر ہونگے)

اگر اعطی کے باب سے ہو (اور اسی شعر سے بھی یہی مراد ہے) تو پہلے مفعول کو بھی نائب فاعل بنا تا جا تازے

اور دوسرے کو بھی، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ چنانچہ "كَسَى زَيْدٌ جِدَّةً، أَعْطَى عَمْرٌو دَرَهْمًا" بھی پڑھ سکتے

ہیں اور دوسرے مفعول کو نائب فاعل بنا کر ٹھہری زیداً حبیۃ، اعطی عمرًا درہم بھی پڑھ سکتے ہیں۔

لیکن یہ اس صورت میں ہے جب دوسرے مفعول کو نائب فاعل بناتے وقت التباس کا خطرہ نہ ہو اگر التباس کا خطرہ ہو تو پہلے کو نائب فاعل بنانا متعین ہوگا۔ جیسے ”اعطیت زیداً عمرًا“ یہاں پہلے کو نائب فاعل بنا کر ”اعطی زیداً عمرًا“ پڑھنا ضروری ہے اور دوسرے کو بنانا صحیح نہیں اس لئے کہ یہاں زید، عمرو دونوں میں آخذ (یعنی معنی فاعل) ہونے کی صلاحیت ہے، چونکہ جو معنی کے اعتبار سے فاعل ہوتا ہے وہ مقدم ہوتا ہے اس لئے پہلے کو نائب فاعل بنانے میں التباس نہیں ہوگا اور پتہ چلے گا کہ یہی نائب فاعل ہے۔

شارح کا مصنف پر اعتراض:

شارح فرماتے ہیں کہ مصنف نے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ ”کسا“ کے باب کے مفعول ثانی کو التباس نہ ہونے کی صورت میں فاعل کے قائم مقام بنا سکتے ہیں اگر مصنف کی مراد یہ ہے کہ تمام نحو یوں کا اس پر اتفاق ہے تو یہ صحیح نہیں اس لئے کہ کوئین کا مسلک یہ ہے کہ اگر پہلا مفعول معرفہ اور دوسرا نکرہ ہو تو پہلے کو نائب فاعل بنانا متعین ہے ورنہ دونوں کو بنا سکتے ہیں۔ ان کے ہاں ”اعطی زیداً درہمًا“ پڑھنا ضروری ہے اور اعطی درہم زیداً صحیح نہیں۔

شارح کے اعتراض کا جواب:

اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ شارح نے جو کوئین کا مسلک نقل کیا ہے یہ نقل ہی صحیح نہیں، نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مصنف کی مراد جمہور بصریین کا اتفاق ہے نہ کہ کوئین کا فلا اعتراض علیہ۔

فی باب ”ظنّ“ و ”أری“ المنع اشتہار

ولا أری منقاً إذا قصد ظہر

ترجمہ: ”ظنّ“ اور ”أری“ کے باب میں (دوسرے اور تیسرے مفعول کے

نائب فاعل ہونے کا) منع مشہور ہے اور میں منع کی رائے نہیں رکھتا جب مقصود

ظاہر ہو۔

(ش) یعنی اُنہ إذا كان الفعل متعدياً إلى مفعولين الثانی منہما خبر فی الأصل، كظنّ وأخواتہا كان متعدياً إلى ثلاثة مفاعیل كأری وأخواتها - فالأشهر عند النحویین اُنہ یجب إقامة الأ

مجمع إقامة الثاني في باب "ظن" والثاني والثالث في باب "أعلم"؛ فتقول: "ظن زيدًا قائمًا" ولا
 مور: "ظن زيدًا قائمًا" وتقول: "أعلم زيدًا فرسك مسرجًا" ولا يجوز إقامة الثاني؛ فلا تقول: "أعلم
 زيدًا فرسك مسرجًا" ولا إقامة الثالث؛ فتقول: "أعلم زيدًا فرسك مسرج"؛ ونقل ابن أبي الربيع
 اتفاق على منع إقامة الثالث، ونقل الاتفاق—أيضًا—ابن المصنف.

وذهب قوم—منهم المصنف—إلى أنه لا يتعين إقامة الأول، لألفي باب "ظن" ولا في باب
 "أعلم" لكن يشترط ألا يحصل لبس؛ فتقول: "ظن زيدًا قائمًا، وأعلم زيدًا فرسك مسرجًا"
 وأما إقامة الثالث من باب "أعلم" فنقل ابن أبي الربيع وابن المصنف الاتفاق على منعه،
 وليس كما زعماء، فقد نقل غيرهما الخلاف في ذلك؛ فتقول: "أعلم زيدًا فرسك مسرج"
 فلو حصل لبس تعين إقامة الأول في باب: "ظن، وأعلم" فلا تقول: "ظن زيدًا عمرو" على أن
 "عمرو" هو المفعول الثاني، ولا "أعلم زيدًا خالد منطلقًا"

ترجمہ وشرح:

جب فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو اور دوسرا مفعول اصل کے اعتبار سے خبر ہو یا تین مفعولوں کی طرف
 متعدی ہو جیسے ارئی اور اس کے اخوات، تو نحویوں کے ہاں مشہور یہ ہے کہ ان کے مفعولوں میں سے پہلے کو نائب فاعل
 بنانا صحیح ہے اور ظن کے دوسرے اور ارئی، أعلم، کے دوسرے اور تیسرے کو فاعل کے قائم مقام (نائب فاعل)
 بنانا صحیح نہیں۔ لہذا "ظن زيدًا قائمًا" کہا جائے اور ظن زيدًا قائم صحیح نہیں۔ اسی طرح "أعلم فرسك
 مسرجًا" صحیح ہے اور أعلم زيدًا فرسك مسرجًا، اور أعلم زيدًا فرسك مسرج صحیح نہیں۔

ونقل الخ:

ابن أبي الربيع في تيسر مفعول كوتائب فاعل بنانے کے منع پر اتفاق نقل کیا ہے نیز علامہ بدر الدین متون
 ۶۸۷ (جو مصنف کے بیٹے ہیں) نے بھی نقل کیا ہے کہ ظن کے باب میں اور "أعلم" کے باب میں پہلے مفعول کو
 نائب فاعل بنانے کیلئے محضین کرنا ضروری نہیں بشرطیکہ التباس کا خطرہ نہ ہو "ولا ارئی منبعا اذا القصد ظهر" کا بھی
 مطلب ہے۔

وَأَمَّا إِقَامَةُ الْفَاعِلِ

تاریخ فرماتے ہیں کہ اعلّم کے باب میں تیسرے مقول کے نائب فاعل ہونے کی حماکت پر اگرچہ ابن ابی الریح اور ابن المصنف نے اتفاق نقل کیا ہے لیکن دیگر حضرات نے اختلاف بجلی نقل کیا ہے۔ لہذا آپ ان کے مسلک کے مطابق "اعلم زيداً لمسك مسرج" کہہ سکتے ہیں۔

البتہ اگر التماس کا خطرہ ہو تو "ظن، اور اعلم" کے باب میں پہلے کو نائب فاعل بنایا جائے گا۔ چنانچہ "ظن زيداً عمر" نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی "اعلم زيداً محالاً مطلقاً" جائز ہے۔

وَمَا يَسُوِي الثَّنَائِبِ مِمَّا عَلِمْنَا

بِالرَّافِعِ النَّصْبُ لَهُ مُحَقَّقًا۔

ترجمہ:..... نائب فاعل کے علاوہ جو مفعول عامل (فعل) رافع کے ساتھ پوست ہیں ان کے لئے نصب ثابت ہے۔

(ش) حکم المفعول القائم مقام الفاعل حكم الفاعل ؛ فكما أنه لا يرفع الفعل إلا لفاعل واحد كذلك لا يرفع الفعل إلا لمفعول واحد؛ فلو كان للفعل معمولان فأكثر أقيمت واحدًا منها مقام الفاعل، ونصبت الملقى؛ فتقول: "أعطي زيداً درهماً، وأعلم زيداً عمراً قائماً، وضرب زيداً ضرباً شديداً يوم الجمعة أمام الأمير في داره"

ترجمہ و تشریح:

جو مفعول فاعل کے قائم مقام ہے اس کا حکم فاعل کی طرح ہے جس طرح فاعل ایک فاعل کو رفع دیتا ہے۔ اسی طرح ایک ہی مفعول کو رفع دے گا (نائب فاعل ہونے کی وجہ سے) اگر فعل کے دو یا زیادہ معمول (مفعول) ہیں تو ایک کو آپ نائب فاعل بنا کر باقی کو نصب دیں جیسے "أعطي زيداً درهماً، وأعلم زيداً عمراً قائماً، وضرب زيداً ضرباً شديداً يوم الجمعة أمام الأمير في داره۔"

اشتغالُ العَامِلِ عَنِ المَعْمُولِ

إِنْ مُضْمِرُ اسْمٍ سَابِقٍ فِعْلًا شَغِلَ

عَنْهُ بِنَصْبٍ لِنَفْظِهِ أَوْ المَعْمُولِ

فَالسَّابِقُ اسْمُهُ بِفِعْلِهِ أَمْ مَرًّا

حَسْبًا، مُسَوِّدًا لِمَا قَدْ أَظْهَرَ

ترجمہ: اگر پہلے اسم کی ضمیر فعل کو اس اسم کے اندر عمل سے مشغول کرے لفظی یا محلی

نصب لگے یا فتح تو آپ پہلے اسم کو مضمیر فعل کے ساتھ نصب دیں (اور یہ ضروری ہے)

اس حال میں کہ وہ فعل ظاہر کے موافق ہو۔

(ہی) الاشتغال: أن يتقدم اسم، ويتأخر عنه فعل، [قد] عمل في ضمير ذلك الاسم أو في سببه -

وهو المضاف إلى ضمير الاسم السابق - كالمثال المشغول بالضمير: "زيداً ضربته، وزيداً مررت به"

وطال المشتغل بالسببي "زيداً ضربت غلامه" وهذا هو المراد بقوله: "إن مضمراً اسم - إلى آخره"

والفقد ير: إن شغل مضمراً اسم سابق فعلاً عن ذلك الاسم المضمراً لفظاً نحو: "زيداً ضربته" أو بنصبه

كحذفه نحو: "زيداً مررت به" فكل واحداً من "ضربت" و"مررت"، "اشتغل بضمير" زيداً"

لكن "ضربت" وصل إلى الضمير بنفسه، و"مررت" وصل إليه بحرف جر، فهو مجرور لفظاً

ومنصوب محلاً، وكل من "ضربت" و"مررت" لو لم يشتغل بالضمير لتسلط على "زيداً" كما تسلط

على الضمير، فكنت تقول: "زيداً ضربت" فتصب "زيداً" ويصل إليه الفعل بنفسه كما وصل إلى

ضميره وتقول: يزيد مررت فيصل الفعل إلى زيداً بالياء، ويكون منصوباً محلاً كما كان الضمير

وقوله: "للمشايخ نصيب - إلى آخره" معناه أنه إذا وجد الاسم والفعل على الهيئة المذكورة؛

فيقول ذلك نصب الاسم السابق.

واعملك النحويون في ناصبه.

فذهب الجمهور إلى أن ناصبه فعل مضمرو جوبًا، [لأنه لا يجمع بين المفسر والمفسر] ويكون الفعل المضموم والقافي المعنى لذلك المظهر، وهذا يشمل ما وافق لفظًا نحو قولك في "زيدًا ضربته": إن التقدير "ضربت زيدًا ضربته" وما وافق معنى فون لفظ كقولك في "زيدًا مرت به": إن التقدير: "جاوزت زيدًا مرت به" وهذا هو الذي ذكره المصنف.

والمذهب الثاني: أنه منصوب بالفعل المذكور بعده، وهذا مذهب كوفي، واختلف هؤلاء؛ فقال قوم: إنه عمل في الضمير وفي الاسم معًا؛ فإذا قلت: "زيدًا ضربته" كان "ضربت" ناصبًا لـ "زيد" وللهاء، ورُدَّ هذا المذهب بأنه لا يعمل عامل واحد في ضمير اسم ومظهره، وقال قوم: هو عامل في الظاهر، والضمير ملغى، ورُدَّ بأن الأسماء لا تلغى بعد اتصالها بالعوامل؛ ترجمه وشرح:

مَا أَضْمَرَ عَامِلُهُ عَلِيٌّ شَرِيظَةُ التَّفْسِيرِ كِي وَضَاحَتِ:

یہاں سے مصنف علیہ الرحمۃ اشتغال یعنی "عنا أضمر عامله علی شریظۃ التفسیر" کی بحث کو تفصیل سے ذکر کر رہے ہیں، مرفوعات منصوبات کے درمیان اس بحث کو لانے اس لئے کہ یہ کبھی منصوب ہوتا ہے اور کبھی مرفوع۔ اشتغال کی تعریف کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ اشتغال یہ ہے کہ اسم مقدم ہو اور اس کے بعد فعل آجائے جو پہلے اسم کی ضمیر یا اس کے حلق (جو ماقبل اسم کی ضمیر کی طرف مضاف ہو) میں عمل کرتا ہو جو فعل ماقبل کی ضمیر کے عمل میں مشغول ہے (اسی کو مشغول بالضمیر کہتے ہیں) ہو اس کی مثال زیدًا ضربتہ زیدًا مررت بہ۔ اور مشغول بالمتعلق کی مثال زیدًا ضربت غلامہ (یہاں ضربت فعل مؤخر نے ماقبل اسم کے حلق غلام میں عمل کیا ہے) مصنف کے قول "إن مضمرا اسم الخ" سے یہی مراد ہے۔

لفظی نصب کی مثال زیدًا ضربتہ اور محلاً نصب کی مثال زیدًا ضربتہ بہ، ضربتہ اور مررت بہ۔ یہاں زید کی ضمیر میں عمل کیا ہے لیکن ضربت ضمیر کو بلا واسطہ اور مررت بواسطہ حرف تہ متحدی ہے (یہاں کہ چہ لفظ مجرور ہے لیکن محلاً منصوب ہے) اور یہ دونوں اگر ضمیر کے عمل میں مشغول نہ ہوتے تو زید پر مسلط ہو کر اس کو نصب دیتے۔

السابق انصبه الخ:

اس کا مطلب ہے کہ اسم اور فعل جب اس ہیئت پر پائے جائیں تو پہلے اسم کو منصوب بنانا جائز ہے۔ البتہ اس سے پہلے والے اسم کے ناصب میں اختلاف ہے۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس کو نصب دینے والا مضمَر فعل ہے و جو بنا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو ذکر کیا جائے مثلاً ضربتُ زيدًا ضربتہ تو مفسر (بصیغہ اسم مفعول یعنی ضربت) اور مفسر (یعنی بعد کی ضمیر) میں اجتماع لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں۔ نیز فعل مضمَر ظاہر کے موافق ہوگا یہ موافقت لفظاً موافقت کو بھی شامل ہے جیسے: زيدًا ضربتہ ای ضربتُ زيدًا ضربتہ اور معنی موافقت کو بھی جیسے ”جَاوَزْتُ زيدًا ای مَرَّزْتُ به، تجاوز اور مردود کے معنی موافق ہیں (بمعنی گزرتا)

اسم سابق کے ناصب میں دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ بعد والے فعل (ضربت) کی وجہ سے منصوب ہے یہ کوئی مذہب ہے ان حضرات کا پھر آپس میں اختلاف ہے بعض فرماتے ہیں کہ اس بعد والے فعل نے ضمیر اور ما قبل اسم دونوں میں مفاعل کیا ہے لیکن یہ مذہب مردود ہے اس لئے کہ ایک عامل اسم ظاہر میں اور اس کی ضمیر میں عمل نہیں کرتا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ صرف اسم ظاہر میں عامل ہے اور ضمیر مفعلی ہے (یعنی لغو) لیکن اس پر بھی رد کیا گیا ہے کہ جواہل کے ساتھ متصل ہونے کے بعد مفاعل مفعلی نہیں ہوتے۔ (لہذا پہلا مسلک راجح ہے)

وَالنَّصْبُ حَتْمٌ إِنْ تَلَا السَّابِقَ مَا
يَخْتَصُّ بِالفِعْلِ كَانَ وَحَيْثَمَا

ترجمہ:..... اور نصب واجب ہے اگر پہلا اسم ایسے حروف کے بعد آجائے جو فعل کے ساتھ خاص ہوں جیسے إِنْ اور حَيْثَمَا۔

(ہن) ذكروا النحويون أن مسائل هذا الباب على خمسة أقسام: أهدها: ما يجب فيه النصب، والثاني: ما يجب فيه الرفع، والثالث: ما يجوز فيه الأمران والنصب ارجح والرابع: ما يجوز فيه الأمران والرفع ارجح والخامس: ما يجوز فيه الأمران على السواء.

فأشار المصنف إلى القسم الأول بقوله: "والنصب حتم - إلى آخره" ومعناه أنه يجب نصب الاسم السابق إذا وقع بعد أداة لا يليها إلا الفعل، كأجوات الشرط نحو: إن، وحيثما؛ فتقول: "إن

زیداً اکرمه اکرمک، و حیثما زیداً تلقه فاكرمہ؛ لیجب نصب "زیداً" فی المبالغین ولیس
 أشبههما، ولا يجوز الرفع علی أنه مبتدأ؛ إذ لا يقع [الاسم] بعده الأدوات، وأجاز بعضهم وقوع
 الاسم بعدها؛ فلا يمنع عنده الرفع علی الابتداء، كقول الشاعر:

۱۵۷- لا تجزعی ان منفس اهلكه

فإذا اهلكك فعند ذلك فاجزعی

تقدیرہ: "ان ہلک منفس"، واللہ اعلم.

ترجمہ و تشریح:

ما أضمر عامله کے مسائل کی پانچ قسموں کا ذکر:

اس سے پہلے "ما أضمر عامله" کی تعریف اور مثالیں گزر گئیں اب اس کے مسائل کو ذکر کر رہے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اس باب کے مسائل پانچ قسموں پر ہے۔

(۱)..... جہاں نصب واجب ہے۔

(۲)..... رفع واجب ہے۔

(۳)..... رفع نصب دونوں جائز ہیں البتہ نصب راجح ہے۔

(۴)..... دونوں جائز ہیں اور رفع راجح ہے۔

(۵)..... دونوں جائز ہیں بغیر ترجیح کے۔

قسم اول:

والنصب حتم اللغی، کے ذریعے مصنف نے قسم اول کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسم ساتھ
 نصب واجب ہے جب وہ ایسے حروف کے بعد واقع ہو جن کے ساتھ فعل ہی متصل ہوتا ہے (اس صورت میں فعل مفعول
 واقع ہوگا اور اس کا عامل فعل محذوف ہوگا، اس لئے کہ ایسے حروف کے بعد صرف فعل ہی آتا ہے) جیسے یاد والی
 شرط (ادوات شرط) کے بعد افعال ضرورت شعری میں آتا ہے مثلاً صرف وادوات کے بعد آتا ہے۔
 ا:..... ان کے بعد بشرطیکہ فعل مشغول ماضی ہو جیسے "ان زیداً القبتہ فاكرمہ"

..... إذا مطلقاً، تاسے جیسے "إذا زلزلنا الأرض، فارتدوا أقدامهم" نیز اس کے علاوہ ادوات تخصیص، ادوات عرض، ہمزہ کے علاوہ ادوات استفہام کے بعد بھی صرف فعل ہی آیا کرتا ہے البتہ ہمزہ استفہام اسماء پر بھی داخل ہوتا ہے)

وَأَجَازَ بَعْضُهُمُ الْخ:

بعض حضرات نے ادوات شرط کے بعد بھی اسم کے واقع ہونے کو جائز کہا ہے لہذا ان کے ہاں اسم سابق میں شرط کا براہ راست استعمال بھی صحیح ہے۔

لَا تَجْزَعِي إِنْ مُنِيسَ أَهْلِكَ
فَإِذَا أَهْلَكَتَ لَعْنَدَ ذَلِكَ فَاجْزَعِي

ترجمہ:..... اگر میں تمہارا دل خراج کروں تو آپ گھبرا میں نہیں (یا آپ نے برداشت نہ ہوں) ہاں جب مل خود ہلاک ہو جاوے تو اس وقت گھبراؤ۔

تفہیم المفردات:

(لا تجزعی) واحد مؤنث حاضر مبنی معروف کا مینہ ہے ازواج (جوزع) اس کو کہتے ہیں کہ انسان اپنے اوپر آنے والی مصیبت کے برداشت کرنے سے عاجز ہو جائے۔ (منیس) نفس، جس اور عمدہ مال (اہلکته) باب افعال سے ماضی منکلم ہے بمعنی قاتی کرنا، (لعند ذالک) میں ک بکھور ہے اس لئے کہ مؤنث کو خطاب ہے۔

شاعر نے کہا..... شاعر نے تو لب رضی اللہ عنہ ایک بہادر اور نئی آدمی تھے ان کے ہاں انسانہ جاہلیت میں چند مہلک آفات تھیں جن سے ان کی جان بچ رہی تھی اور پنے کچھ شراب کا ایک گلاس پر بیوی نے ان کو ملا کر ان کی اور فضول خرچی پر ناراض ہوئی جس پر شاعر نے یہ شعر کہا کہ اگر عورت اور بیویاں ہاں میں خرچہ کروں تو اس پر آپ جو خرچہ فرمائیے وہی میں ہی ہلاکت ہو جائے تو اس پر آپ نے یہ شعر کہا کہ جو خرچہ کر لیں، کسی شاعر نے یہ بھی فرمایا کہ ہاں انسانوں کے ہاں ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان بچ رہا ہے۔

لَا تَجْزَعِي إِنْ مُنِيسَ أَهْلِكَ

فَإِذَا أَهْلَكَتَ لَعْنَدَ ذَلِكَ فَاجْزَعِي

ترجمہ:..... جب آدمیوں کے سر تکلیف سے بچ جائیں تو مال کو خرچ کرنا ایسا ہے جیسے
ناخنوں کو کاٹنا جس طرح ناخن کاٹنے سے ختم نہیں ہوتے بلکہ پھر بھی بڑھتے ہیں اسی
طرح مال کی مثال ہے۔

محلن استشہاد:

(ان منفسن) محلن استشہاد ہے یہاں ادوات شرط کے بعد اسم مرفوع آیا ہے اور اکثر ان ادوات کے بعد فعل
آتا ہے لہذا منصوب ہونا چاہیے تھا جمہور کے ہاں یہاں (منفسنا) نصب کے ساتھ بھی آیا ہے پھر تو کوئی اشکال نہیں اس
لئے کہ ”منفسنا“ اہلکت فعل کے ساتھ منصوب ہوگا، اور بر تقدیر صحت (یعنی اگر مرفوع روایت تسلیم بھی کر لی جائے)
منفسن قاعل واقع ہے ہلک فعل محذوف کیلئے تو یہ مرفوع بنا بر قاعلیت ہے نہ بنا بر ابتداء۔ واللہ اعلم

وَأِنْ تَلَا السَّابِقُ مَا بِالْأَبْتِدَاءِ
بِتَخْتَصُّ بِالرَّفْعِ التَّزْمِمْهُ الْبَدَاءِ
كَذَا إِذَا الْفِعْلُ تَلَا مَالِمْ يَزِدُ
مَأَقْبَلِ مَعْمُولٍ لِمَا بَعْدُ وَوَجَدُ

ترجمہ:..... اگر اسم سابق ایسے ادوات کے بعد آجائے جو ابتداء کے ساتھ خاص ہو تو
اس (اسم) کے ساتھ آپ رفع لازم کریں اسی طرح (آپ رفع لازم کریں) جب
اسم سابق ایسے ادوات کے بعد آجائے جس کا ما قبل ما بعد کیلئے (جو موجود ہے) معمول

نہ۔

(ش) أشار بھلین البعین الی القسم الثانی، وهو ما یجب لیه الرفع، فیجب رفع الاسم المشتغل عند
إذ وقع بعد أداة تختص بالابتداء، كإذ التي للمفاجأة؛ فيقول: ”خرجت فإذا زيد يضربه عمرو“ برفعه
”زيد“— ولا يجوز نصبه؛ لأن ”إذا“ هذه لا يقع بعدها الفعل؛ لا ظاهراً، ولا مقدرًا.

و كذلك يجب رفع الاسم السابق إذا ولي الفعل المشتغل بالضمير أداة لا يعمل ما بعده
فيما قبلها، كأدوات الشرط، والاستفهام، و”ما“ النافية، نحو: ”زيد إن لقبته فأكرمه، وزيد
تضربه، وزيد ما لقبته“ فيجب رفع ”زيد“ في هذه الأمثلة ونحوها، ولا يجوز نصبه؛ لأن ما لا يصلح

عمل لیماقبلہ لا یصلح أن یفسر عاملاً لیماقبلہ، والی هذا أشار بقوله: "كذا إذا الفعل تلا- إلى آخره"
 ای: کذلک یجب رفع الاسم السابق إذا تلا الفعل شيئاً لا یرد ماقبلہ معمولاً لما بعده،
 ومن أجاز عمل ما بعد هذه الأدوات لیماقبلها، فقال: "زيداً ما لقيت" أجاز النصب مع الضمير بعامل
 مقدر، فيقول: "زيداً ما لقيته"

ترجمہ و تشریح:

مَا أَضْمَرَ عَامِلُهُ كِي دوسری قسم:

ان دونوں اشعار سے مصنف نے "ما اضممر عامله على شريطة التفسير" کی دوسری قسم کی طرف
 اشارہ کیا ہے جہاں رفع واجب ہے۔

لہذا ما قبل والے اسم کو مرفوع پڑھنا واجب ہے جب وہ اسم ایسے ادات کے بعد آجائے جو ابتداء کے ساتھ
 خاص ہوں جیسے إذا مفا جاتیہ، چنانچہ آپ کہیں گے "مخرجت فاذا زید بضر بہ عمرو" (زید کے رفع کے ساتھ)
 یہاں زید کو منصوب پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ إذا مفا جاتیہ ایسے ادات میں سے ہے جن کے بعد فعل نہ ظاہر آتا ہے
 اور نہ تقدیراً۔

(ما حسب منحة الجلیل نے یہاں کام کی بات لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مؤلفین کتب نحو اس قسم کو احتیاج (یعنی
 ما اضممر عامله الخ) میں سے شمار کرنے میں مختلف ہیں ابن حاجب رحمہ اللہ نے دوسرے سے اس کو ذکر ہی نہیں کیا اور
 ابن ہشام رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ احتیاج کے باب سے نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ عام کتب میں احتیاج کے باب
 میں یہ ضابطہ اور قاعدہ ہے کہ مشغول بہ (جن کی وجہ سے ما قبل اسم میں عمل سے مشغول ہے مثلاً زیداً اضمربہ میں (ہ) ضمیر
 مشغول بہ ہے) کا عامل اگر ضمیر سے ہٹ کر اسم سابق (مشغول عنہ) پر مسلط ہو جائے تو وہ اس میں عمل کرے چنانچہ اکثر
 کتابوں میں اس طرح ذکر کیا ہے "بحیث لو مسلط علیہ ہو او مناسبہ لنصبہ" لیکن اس دوسری قسم پر یہ قاعدہ برابر
 نہیں آتا مثلاً مخرجت فاذا زید بضر بہ عمرو" والی پیش کردہ مثال میں اگر بضر بہ کے بعد آپ ضمیر کو حذف کر کے
 بضر بہ کو ما قبل زید پر مسلط کریں (لے آئیں) تو وہ اس میں عمل نہیں کرے گا اسلئے کہ زید (جو کہ متقدم ہے) مرفوع ہے
 اور بضر بہ (جو مؤخر ہے) منصوب معمول چاہتا ہے نہ کہ مرفوع۔

البتہ جن حضرات نے اس قسم کو استعمال کے باب میں شمار کیا ہے انہوں نے اس ضابطہ کی پروا نہیں کی، والفقہ
 ہو الاوّل لصا ذکرناہ)

و كذلك يجب رفع الاسم السابق الخ:

اسی طرح پہلے والے اسم کو مرفوع پڑھنا واجب ہے جب فعل مشغل بالضمیر کے ساتھ ایسے ادات آجائیں جن کا
 مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا ہو جیسے ادات شرط، ادات استفہام، مانا قید (محشی نے اس طرح کی دس قسمیں ذکر کی ہیں)
 جیسے ”زید ان لقیته فاکرمه، زید هل تضربه، زید مالقیته“ ان مثالوں میں زید کو مرفوع پڑھنا واجب ہے نہ صرف
 جائز نہیں اس لئے کہ جو ماقبل میں عمل کرتے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے تو وہ ماقبل عامل کی ضمیر کی بھی صلاحیت نہیں رکھ
 سکتا ہے، کذا اذا ما لفعل تلا سے مصنف اسی کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

بعض ایسے حضرات جنہوں نے اس قسم کے ادات کے مابعد ماقبل میں عمل کرنے کو جائز کہا ہے انہوں نے
 یہاں نصب کو جائز قرار دیا ہے اور اسی کیلئے عامل کو مقدر مانا ہے ”لیقول زیداً مالقیته“

وَ اِخْتِيَرُ نَصِبَ قَبْلَ فِعْلِ ذِي طَلَبٍ

وَبَعْدَ مَا اِيْلَاؤُهُ الْفِعْلُ غَلَبَ

وَبَعْدَ عَاطِفٍ بِلا فِعْلِ عَلِيٍّ

مَعْمُولٍ فِعْلٍ مُتَمَتِّعٍ اَوْلاً

ترجمہ..... اور اسم سابق کا نصب مختار ہے جب وہ طلب والے فعل سے پہلے ہو بیان
 ادات کے بعد ہو جن کا فعل کے ساتھ متصل آنا زیادہ ہو، اور اسی طرح اس اسم کا نصب
 بھی مختار ہے جب وہ واقع ہو ایسے اسم کے بعد جو بغیر فاصلہ کے ایسے فعل کے معمول پر
 عطف ہو جو پہلے مستقر (موجود) ہو۔

(ش) هذا هو القسم الثالث، وهو ما يختار فيه النصب.

وذلك إذا وقع بعد الاسم فعل دال على طلب - كالأمر، والنهي، والدعاء - نحو:

أضربه، وزيداً لا تضربه، وزيداً رحمه الله؛ فيجوز رفع ”زيد“ ونصبه، والمختار النصب.

و كذلك يختار النصب إذا وقع الاسم بعد أداة يغلب أن يليها الفعل كهمزة الاستفهام، نحو: "أزيدًا ضربته" بالنصب والرفع، والمختار النصب.

و كذلك يختار النصب إذا وقع الاسم المشتغل عنه بعد عاطف تقدمته جملة فعلية ولم يفصل بين العاطف والاسم، نحو: "قام زيد وعمراً أكرمه"؟ فيجوز رفع "عمرو" ونصبه، والمختار النصب؛ لتعطف جملة فعلية على جملة فعلية.

فلو فصل بين العاطف والاسم كان الاسم كمالو لم يتقدمه شيء، نحو: "قام زيد وأما عمرو فأكرمه" فيجوز رفع "عمرو" ونصبه، والمختار الرفع كما سيأتي، وتقول: "قام زيد وأما عمرو أكرمه" فيختار النصب كما تقدم؛ لأنه وقع قبل فعل دال على طلب.

ترجمه و تشریح:

یہاں سے مصنف "تیسری قسم کو ذکر فرما رہے ہیں جہاں نصب مختار ہے۔ یہاں تین جگہیں اس طرح کی ذکر کی ہیں۔

(۱) نصب مختار ہے جب اسم کے بعد ایسا فعل ہو جو طلب پر دلالت کرتا ہو جیسے امر نبی (نبی میں نہ کرنے کو طلب کیا جاتا ہے) دعاء، جیسے "زیدًا اضربه، زیدًا لا تضربه، زیدًا رحمہ اللہ ان میں رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی لیکن مختار نصب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مثالوں میں رفع کی صورت میں زید مرفوع بنا بر ابتداء ہے اور پھر جملہ طلبیہ کے ذریعہ سے مبتدا سے خبر دی جاتی ہے جو کہ خلاف الاصل ہے اس لئے کہ جملہ طلبیہ انشاء ہے اور اس میں صدق اور کذب کا احتمال نہیں ہوتا جبکہ جملہ خبریہ میں ہوتا ہے، اور رفع جائز اس لئے ہے کہ حضرات نحویین نے اس کو جائز بھی قرار دیا ہے، اس لئے یہاں نصب مختار ہے کہ تا کہ زید مبتدا ہی نہ ہو اور مذکورہ بالا اشکال وارد نہ ہو۔

و كذلك الخ:

اسی طرح جب اسم ایسے ادات کے بعد واقع ہو جن کے بعد اکثر و بیشتر لسان عرب میں فعل ہی آتا ہو جیسے ہمزہ استفہام مثال جیسے "أزيدًا ضربته" (زید کے رفع اور نصب کے ساتھ، لیکن مختار نصب ہے)

و كذلك الخ:

اسی طرح نصب مختار ہے جب اسم سابق (مشتغل عنہ) ایسے عاطف کے بعد ہو جس سے پہلے جملہ فعلیہ ہو اور عاطف اور اسم میں فاصلہ بھی نہ ہو جیسے ”قام زید و عمرًا اکرمته“ یہاں اکرمته عمرًا کے بعد واقع ہے اور اس سے پہلے جملہ فعلیہ ہے لہذا عمر کا رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی لیکن نصب مختار ہے اسلئے کہ نصب کی صورت میں عمرًا اکرمته جملہ فعلیہ ہو جائے گا اور اس سے پہلے بھی جملہ فعلیہ ہے جو معطوف علیہ ہے لہذا جملہ فعلیہ کا عاطف جملہ فعلیہ پر آ جائے گا جو کہ موافق اصل ہے۔ مصنف کے قول و بعد عاطف بلا فصل الخ کا یہی مطلب ہے۔

فلو فصل الخ:

لیکن اگر عاطف اور اس اسم کے درمیان فاصلہ آ جائے تو پھر نصب مختار نہیں اور یہاں ایسا ہوگا گویا اسم سے پہلے کچھ نہیں ہے جیسے ”قام زید و أمّا عمرًا و أمّا عمرًا و أمّا عمرًا“ یہاں عمر اور زید میں أمّا کا فاصلہ آیا ہے اس لئے رفع مختار ہے۔ اور قام زید و أمّا عمرًا و أمّا عمرًا یہاں نصب مختار ہے اس لئے کہ یہ ایسے فعل سے پہلے ہے جو طلب پر دلالت کرتا ہے (بائیں وجہ کہ اکرم امر کا صیغہ ہے اور امر میں طلب ہوا کرتی ہے)۔

وَإِنْ تَلَا الْمُعْطُوفُ لِمُعْتَبِرٍ

عَنِ اسْمٍ ، فَسَاعَطْفُنْ مُخْتَارًا

ترجمہ:..... اور اگر معطوف ایسے فعل کے بعد آ جائے جس کے ذریعہ سے اسم سے خبر دی

جاتی ہو تو آپ عطف کریں اس حال میں کہ آپ کو رفع اور نصب میں اختیار ہے۔

(ش) أشار بقولہ: ”فاعطفن مختاراً“ إلى جواز الأمرين على السواء، وهذا هو الذي تقدم أنه القسم الخامس۔

وضبط النحويون ذلك بأنه إذا وقع المشتغل عنه بعد عاطف تقدمته جملة ذات وجهين جاز الرفع والنصب على السواء، وفسروا الجملة ذات الوجهين بأنها جملة: صدرها اسم، وعجزها فعل، نحو: ”زيد قام وعمرًا أكرمته“ فيجوز رفع ”عمرًا“ مراعاة للصدر، ونصبه مراعاة للمعجز.

ترجمہ و تشریح:

یہاں سے قسم خاص کو ذکر کر رہے ہیں (شارح کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق یہ پانچویں قسم ہے۔ اگرچہ ذکر کے اعتبار سے چوتھی ہے) جہاں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔

نحویوں نے اس کیلئے ضابطہ یہ مقرر کیا ہے کہ جب اسم (مشغل عنہ) ایسے عاطف کے بعد آجائے کہ اس سے پہلے ذوقہین جملہ ہو، یعنی ایسا جملہ کہ اس کا شروع اسم اور آخر فعل ہو تو اس صورت میں رفع اور نصب دونوں علی التواء جائز ہیں جیسے ”زید قائم و عمرو واکرمته“ عمرو کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں جملے کی صدارت کا لحاظ کرتے ہوئے (اس لئے کہ عمرو زید پر عطف ہو جائے گا زید مرفوع ہے تو عمرو بھی مرفوع ہو جائے گا) اس وجہ سے کہ معطوف معطوف علیہ دونوں کا اعراب ایک ہوتا ہے) اور منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں جملے کے آخر کا لحاظ کرتے ہوئے۔

وَالرَّفْعُ فِي غَيْرِ الَّذِي مَرَّرَجَحْ

فَمَا يُبِيحُ الْفَعْلَ وَذَعُ مَالَمْ يُبِيحْ

ترجمہ:..... ان جگہوں کے علاوہ میں (جن کا ذکر ہو چکا) رفع راجح ہے پس جو مباح ہے

آپ وہ کریں اور غیر مباح کو چھوڑ دیں۔

(ش) هذا هو الذي تقدم أنه القسم الرابع وهو ما يجوز فيه الأمران ويختار الرفع، وذلك: كل اسم لم يوجد معه ما يوجب نصبه، ولا ما يوجب رفعه، ولا ما يرجح نصبه، ولا ما يجوز فيه الأمرين على السواء، وذلك نحو: ”زيد ضربته“ فيجوز رفع ”زيد“ ونصبه، والمختار رفعه؛ لأن عدم الإضمار أرجح من الإضمار.

وزعم بعضهم أنه لا يجوز النصب؛ لما فيه من كلفة الإضمار، وليس بشيء، فقد نقله سيبويه وغيره من أئمة العربية، وهو كثير، وأنشد أبو السعادات ابن الشجري في أماليه على النصب قوله:

١٥٨ - فَا رِ سَامَا غَا ذَرُوهُ مُلْحَمَا

غَيْرَ زُمَيْلِي وَلَا نِكْمِي وَكَلِّ

ومنه قوله تعالى: ﴿جَنَاتٍ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا﴾ بكسر تاء ”جئات“

ترجمہ و تشریح:

یہاں سے قسم رابع کو ذکر کر رہے ہیں۔ (ذکر کے اعتبار سے یہ پانچویں قسم ہے) جہاں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں اور رفع مختار ہے اور اس سے مراد ہر وہ اسم ہے جس کے ساتھ موجب نصب اور رفع نہ ہوں اور نہ مرجح نصب اور تجویز الامرین والی صورت ہو۔ جیسے ”زَيْدٌ ضَرْبَةٌ“ یہاں زید کا رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی، اور مختار رفع ہے اس لئے کہ (رفع کی صورت میں اضمار نہیں ہوتا اور) اضمار کا نہ ہونا اضمار سے راجح ہے۔ بعض حضرات کے زعم کے مطابق نصب جائز ہی نہیں اس لئے کہ نصب کیلئے اضمار کی مشقت کرنی ہوگی۔ (شارح فرماتے ہیں) لیکن یہ کوئی خاص دلیل نہیں اس لئے کہ اس نصب کو اور اس کے اضمار کو سبب یہ رحمہ اللہ نے ائمہ عربیت سے نقل کیا ہے اور کلام عرب میں یہ کثیر بھی ہے۔ اور ابو السعادات ابن شجری نے اپنے امالی میں نصب کے ساتھ شاعر کا یہ قول نقل کیا ہے۔

۱۵۸- فَا رَسَا مَآ غَا دَرُوهُ مُلْحَمًا

غَيْرَ زُمَيْلٍ وَلَا نَكْسٍ وَكَلٍ

ترجمہ:..... انہوں نے بہادر آدمی کو (میدان جنگ میں) چھوڑا اس حال میں کہ وہ گھیرا ہوا تھا بزدل اور ایسا کمزور نہیں تھا جو اپنا کام (عاجزی کی وجہ سے) دوسروں کے حوالہ کرتا ہو۔

تشریح المفردات:

(فارسا) کسی بھی شئی پر سوار کو کہا جاتا ہے چاہے گھوڑا ہو، اونٹ یا گدھا ہو۔ بغض کے نزدیک گھوڑا پر سوار ہی کو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد بہادر ہے ”مسا“ زائد ہے نافیہ نہیں ہے۔ (غادر وا) غدر ترک چھوڑنے کے معنی میں ہے۔ (ملحما) اس کو کہتے ہیں جس کو میدان جنگ میں چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا ہو۔ (زمیل) زا کے ضمہ اور میم کی تشدید کے ساتھ بزدل (نکس) نون کے کسرہ اور کاف کے سکون کے ساتھ بمعنی ضعیف (وکل) بفتح الواو وکسر الکاف وَكَلٍ يَكُلُ (ضرب يضرب) سے اسم فاعل ہے وہ آدمی جو عاجز ہونے کی وجہ سے اپنا کام خود نہ کر سکے اور اوروں کے حوالہ کرے، اس صورت میں یہ نکس کیلئے صفت ہے یا بفتح الواو والکاف ماضی کا صیغہ

ہے فعل بافاعل صفت۔

محل استشہاد:

(فارسیا ماغادر وہ) محل استشہاد ہے۔ یہاں اسم سابق پر نصب آیا ہے حالانکہ نہ نصب کیلئے موجب موجود ہے اور نہ مرئج۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”جَنَاتٍ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا“ جنات کی تاء کے کسرہ کے ساتھ، یہاں بھی (فارسیا) کی طرح نہ مرئج نصب ہے اور نہ موجب نصب پھر بھی نصب آیا ہے۔ (اگرچہ بظاہر کسرہ ہے۔ لیکن اس میں جمع مؤنث سالم کا اعراب جاری ہے اور نصب جر کے تابع ہے۔)

وَفَصْلٌ مَشْغُولٌ بِحَرْفٍ جَرٍّ

أَوْ بِإِضَافَةٍ كَوَضْعِ يَجْزِي

ترجمہ:..... حرف جر یا اضافت کے ساتھ مشغول کا فاصلہ وصل (بغیر فاصلے والے) کی

طرح چلتا ہے (یعنی فاصلہ ہو یا نہ ہو دونوں کا حکم ایک ہے)

(ش) یعنی اُنہ لا فرق فی الأحوال الخمسة السابقة بین أن يتصل الضمير بالفعل المشغول به نحو: ”زيد ضربته“ أو ينفصل منه: بحرف جر، نحو ”زيد مررت به“ أو بإضافة نحو: ”زيد ضربت غلامه“ أو ”غلام صاحبه“ أو ”مررت بغلامه، أو بغلام صاحبه“، فيجب النصب في نحو: ”إن زيداً امررت به أكرمك“ كما يجب في ”إن زيداً لقيته أكرمك“ وكذلك يجب الرفع في ”خرجت فإذا زيد مر به عمرو“ ويختار النصب في ”أزيداً امررت به؟“ ويختار الرفع في ”زيد مررت به“ ويجوز الأمران على سواء في ”زيد قام وعمرو مررت به“ وكذلك الحكم في ”زيد [ضربت غلامه، أو] مررت بغلامه“.

ترجمہ و تشریح:

یہاں یہ بتا رہے کہ پانچوں قسموں میں کوئی فرق نہیں کہ ضمیر فعل مشغول بہ کے ساتھ متصل ہو جیسے ”زيد ضربته“ یا حرف جر کی وجہ سے متصل ہو جیسے ”زيد مررت به“ یا اضافت کی وجہ سے انفصال آیا ہو جیسے ”زيد ضربت غلامه“ یا ”غلام صاحبه“ مررت بغلامه، ”غلام صاحبه“ الغرض فعل مشغول کے بعد فاصلہ ہو تو بھی اس

کا حکم بغیر فاصلہ والے کی طرح ہے۔ الیٰ آخرہ من الامثلة الباقية۔

وَسَوِّفِي ذَا الْبَابِ وَصْفًا ذَا عَمَلٍ

بِالْفِعْلِ اِنْ لَمْ يَكُ مَانِعٌ حَصَلَ

ترجمہ:..... اس (اشتغال) کے باب میں عمل کرنے والے وصف کو فعل کے ساتھ احکام میں برابر کر دیں اگر کوئی مانع حاصل نہ ہو۔

(ش) یعنی اَنْ الوصف العامل في هذا الباب يجرى مجرى الفعل فيما تقدم، والمراد بالوصف العامل: اسم الفاعل، واسم المفعول.

واحترز بالوصف مما يعمل عمل الفعل وليس بوصف كاسم الفعل، نحو: "زيد دراکہ" فلا يجوز نصب "زيد"؛ لأن أسماء الأفعال لا تعمل فيما قبلها؛ فلا تفسر عاملاً فيه.

واحترز بقوله "ذا عمل" من الوصف الذي لا يعمل، كاسم الفاعل إذا كان بمعنى الماضي،

نحو: "زيد أنا ضاربه أمس" فلا يجوز نصب "زيد"؛ لأن ما لا يعمل لا يفسر عاملاً.

ومثال الوصف العامل "زيد أنا ضاربه: الآن، أو غداً، والدرهم أنت معطاه" فيجوز نصب

"زيد، والدرهم" ورفعهما كما كان يجوز ذلك مع الفعل.

واحترز بقوله: "إن لم يك مانع حصل" عما إذا دخل على الوصف مانع يمنعه من العمل

فيما قبله، كما إذا دخلت عليه الألف واللام، نحو: "زيد أنا الضاربه"؛ فلا يجوز نصب "زيد"؛ لأن

ما بعد الألف واللام لا يعمل فيما قبلهما؛ فلا يفسر عاملاً فيه، والله أعلم.

ترجمہ و تشریح:

اشتغال کے باب میں عمل کرنے والے وصف کا حکم بھی فعل کی طرح ہے وصف عامل سے مراد اسم فاعل، اسم

مفعول ہیں۔ (وصف) کہہ کر احتراز کیا اس سے جو فعل کی طرح تو ہو لیکن وصف نہ ہو جیسے اسم فعل، زید دراکہ، یہاں

زید کو منصوب پڑھنا صحیح نہیں اس لئے کہ "دراکہ" اسم فعل ہے اور اسماء افعال ماقبل میں عمل نہیں کرتے تو ماقبل عامل

کی تفسیر بھی نہیں کرتے۔

واحترز بقوله ذا عمل:

وصف عامل کہکرا اس وصف سے احترام کیا جو عامل نہ ہو مثلاً وہ اسم فاعل جو بمعنی ماضی ہو جیسے ”زیدنا اناضارہ امس“ یہاں بھی زید کو منصوب پڑھنا صحیح نہیں اس لئے جو عمل نہیں کرتا وہ عامل کی تفسیر بھی نہیں کرتا۔
وصف عامل کی مثال ”زیدنا اناضارہ بالآن، غدا، الدرهم انت معطاء، یہاں زید، درہم کا نصب بھی جائز ہے اور رفع بھی جس طرح فعل کے ہوتے ہوئے نصب ہوتا ہے۔

واحترز بقوله ان لم یک الخ:

”ان لم یک مانع حصل“ کہکرا احترام کیا اس وصف سے جس پر کوئی مانع داخل ہو جو وصف کو ماقبل کے اندر عمل سے روکتا ہو بایں طور کہ اس پر الف لام داخل ہو جیسے ”زیدنا اناضارہ“ یہاں زید کا نصب جائز نہیں اس لئے کہ الف لام کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا ”فلا یفسر غاملاً فیہ“

وَعَلَقَةٌ خَاصِلَةٌ بِتَابِعِ

كُفْلَقَةٌ بِنَفْسِ الْأَسْمِ الْوَاقِعِ

ترجمہ:..... جو علاقہ تابع کے ساتھ حاصل ہے وہ اس علاقہ کی طرح ہے جو نفس اسم کے ساتھ ہے (یعنی تابع کا حکم اور محقق کا حکم اہتمام کے باب میں ایک ہے مثال سے اس کی وضاحت آرہی ہے۔ انشاء اللہ)

(ش) تقدم أنه لا فرق في هذا الباب بين ما اتصل فيه الضمير بالفعل، نحو: ”زيدنا ضربتہ“ وبين ما انفصل بحرف جر، نحو: ”زيدنا مررت بہ“، أو بإضافة، نحو: ”زيدنا ضربت غلامہ“

وذكر في هذا البيت أن الملابسه بالتابع كالملايسه بالسببي، ومعناه أنه إذا عمل الفعل في أجنبي، وأتبع بما اشتمل على ضمير الاسم السابق - من صفة، نحو: ”زيدنا ضربت رجلايحيه“، أو عطف بيان، نحو: ”زيدنا ضربت عمراً أباه“، أو معطوف بالواو خاصة نحو: ”زيدنا ضربت عمراً وأخاه“ - حصلت الملابسه بذلك كما تحصل - بنفس السببي، فينزل ”زيدنا ضربت رجلايحيه“ منزلة ”زيدنا ضربت غلامہ“، وكذلك الباقي.

وحاصله أن الأجنبي إذا أتبع بما فيه ضمير الاسم السابق جرى مجرى السببي، والله أعلم.

ترجمہ و تشریح:

پہلے یہ بات گزر گئی کہ اشتغال کے باب میں اس بارے میں کوئی فرق نہیں کہ ضمیر فعل کے ساتھ متصل ہو جیسے: زیدًا ضربتہ یا منفصل ہو حرف جر کے ساتھ جیسے ”زیدًا مرث بہ“ یا اضافت کے ساتھ جیسے ”زیدًا ضربت غلامہ“ یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ تابع کے ساتھ ملا بست (ملنا، متعلق ہونا) اس طرح ہے گویا اسم کے متعلق کے ساتھ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فعل جب اجنبی میں عمل کرے اور اس اجنبی کے بعد تابع آجائے جو اسم سابق کی ضمیر پر مشتمل ہو صفت ہو جیسے زیدًا ضربت رجلاً یحبہ (یہاں ضربت نے عمل کیا ہے رجلاً میں جو کہ اجنبی ہے اور اس کے بعد یحبہ تابع صفت آیا ہے) یا عطف بیان ہو جیسے زیدًا ضربت عمراً اباه (یہاں ضربت نے عمراً اجنبی میں عمل کیا ہے اور اس کے بعد تابع اباه عطف بیان کی صورت میں آیا ہے) یا عطف بالحرف ہو جیسے زیدًا ضربت عمراً واخاه، ان تمام صورتوں میں نفس متعلق (جیسے زیدًا ضربت غلامہ) کی طرح یہاں بھی ملا بست حاصل ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ تابع کے آنے کا حکم بھی زیدًا ضربت غلامہ کی طرح ہے یعنی متعلق اسم کی طرح ہے۔

واضح رہے کہ ان تمام مثالوں میں (یعنی زیدًا ضربت غلامہ، یا زیدًا ضربت رجلاً یحبہ، میں اسم سابق یعنی زید پر مسلط ہونے والا عامل ضربت براہ راست نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ مقصود متکلم کے خلاف ہے کیونکہ اس میں زید کی مضروبیت لازم آتی ہے ہاں اس کا مناسب فعل (مثلاً اہنت کو لایا جائیگا۔ فیقال اہنت زیدًا ضربت غلامہ والنخ میں نے زید کی توہین کی یعنی میں نے اس کے غلام کو مارا، چنانچہ غلام کو مارنا درحقیقت زید ہی کی توہین ہے۔

وصلت الیٰ ہذا المقام یوم الثلاثاء

فی ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ فللہ الحمد

تعدی الفعل و لزومه

عَلَامَةُ الْفِعْلِ الْمُتَعَدِّي أَنْ تَصِلَ

”هَاءَ“ غَيْرَ مُضْرِبِهِ نَحْوُ ”عَمِلَ“

ترجمہ:..... فعل متعدی کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ مصدر کے علاوہ کی ہاء متصل ہو

جیسے ”عَمِلَ“ (یہ فعل متعدی کی مثال ہے)

(ش) ینقسم الفعل إلى متعد، ولزوم؛ فالمتعدی: هو الذي يصل إلى مفعوله بغير حرف جر، [نحو:

ضربت زيدًا] واللازم: ما ليس كذلك، وهو: ما لا يصل إلى مفعوله إلا بحرف جر نحو: ”مررت

زيدًا“ أو لا مفعول له نحو: ”قام زيدًا“ ويسمى ما يصل إلى مفعوله بنفسه: فعلا متعديا، وواقعا،

مجاوزًا، وما ليس كذلك يسمى: لازمًا، وقاصرًا، وغير متعد، و[يسمى] متعديا بحرف جر.

وعلامه الفعل المتعدی: أن تتصل به هاء تَعُدُّ عَلَى غير المصدر، وهي هاء المفعول به،

نحو: ”الباب أغلقتة“

واحترز بهاء غير المصدر من هاء المصدر؛ فإنها تتصل بالمتعدی واللازم؛ فلا تدل على

تعدی الفعل؛ فمثال المتصلة بالمتعدی ”الضرب ضربته زيدًا“ أي ضربت الضرب [زيدًا] ومثال

المتصلة باللازم ”القيام قمته“ أي: قمت القيام.

ترجمہ و تشریح:

فعل لازمی اور متعدی کی تعریف اور ان کی علامتیں:

فعل کی دو قسمیں ہیں، (۱) متعدی، (۲) لازم

متعدی اس کو کہتے ہیں جو اپنے مفعول تک بغیر واسطہ حرف جر کے پہنچتا ہو جیسے ”ضربت زيدًا“ اور لازم وہ

ہے جو اپنے مفعول کی طرف بغیر واسطہ حرف جر کے نہ پہنچتا ہو جیسے ”مررت بزيدًا“ یا اس کیلئے مفعول ہی نہ ہو جیسے

”قام زيدًا“ فعل متعدی کو متعدی کے علاوہ واقع اور مجاوز بھی کہتے ہیں اور لازم کو قاصر، غیر متعدی اور متعدی بحرف جر

بھی کہتے ہیں۔

فعل صحیح کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسی ہاء متصل ہو جو غیر مصدر کی طرف لوٹتی ہو اور یہ مفعول بہ کی ہاء ہوگی جیسے ”البابُ اغلقتُہ“ یہاں اغلقتُ فعل متعدی ہے اس کے ساتھ ہاضمیر باب کی طرف لوٹ رہی ہے جو مصدر نہیں ہے۔ ہاء غیر مصدر کہہ کر ہاء مصدر یہ سے احتراز کیا اس لئے کہ یہ فعل لازم و صحیح دونوں کے ساتھ آتی ہے۔ لہذا یہ فعل کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ متصل بالصحیح کی مثال ”الضربُ ضربتہ زیذا ای ضربت الضربُ زیذا“ متصل باللازم کی مثال ”القیامُ قمتہ ای قمت القیامُ“

فَانصِبْ بِهِ مفعولہ ان لَمْ یَنْبِ

عَنْ فاعِلٍ نحو قَدَبُ الرُّكْبِ

ترجمہ:..... پس آپ فعل صحیح کے ذریعہ سے اس کے مفعول کو نصب دیدیں اگر وہ مفعول فاعل سے نائب ہو۔

(ش) شأن الفعل المتعدی ان ینصب مفعولہ ان لم ینب عن فاعلہ نحو: ”تدبرت الکتب“ فإن ناب عنه وجب رفعہ کَمَا تقدم، نحو: ”تدبرت الکتب“

وقد یرفع المفعول وینصب الفاعل عند أمن اللبس، کقولہم: ”خرق الثوب المسمار“ ولا ینقاس ذلك، بل یقتصر فیہ علی السماع.

والأفعال المتعدیة علی ثلاثة أقسام:

أحدها: ما یتعدی إلی مفعولین، وہی قسمان؛ أحدهما: ما أصل المفعولین فیہ

المبتدأ والخبر، كظن وأخواتها، والثانی: ما لیس أصلهما ذلك، كأعطی وكسا.

والقسم الثانی: ما یتعدی إلی ثلاثة مفاعیل، كأعلم وأری.

والقسم الثالث: ما یتعدی إلی مفعول واحد، كضرب، ونحوه.

ترجمہ و تشریح:

فعل متعدی کا عمل:

فعل متعدی اپنے مفعول کو نصب دیتا ہے اگر وہ مفعول فاعل سے نائب نہ ہو جیسے تَدَبَّرْتُ الْكُتُبَ (میں نے کتابوں میں غور و فکر کیا)

اگر مفعول فاعل سے نائب ہو کر آئے تو اس کا مرفوع پڑھنا ضروری ہے جیسے تَدَبَّرْتُ الْكُتُبَ۔

اگر التباس کا خطرہ نہ ہو تو مفعول کو رفع اور فاعل کو نصب بھی دے سکتے ہیں جیسے یہ قول ”خَرَقَ الشُّبَّ الْمَسْمَارَ“ لیکن یہ قیاسی نہیں بلکہ اس میں سماع پر اکتفاء کیا جائے گا۔

فعل متعدی کی قسمیں

جو افعال صحیحی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

۱:..... دو مفعولوں کی طرف صحیحی ہوں پھر ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جس میں دونوں مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر، ہوں جیسے ظَنُّوا رَأْسَ كَيْسَانَ (مثلاً ظننتُ زیدًا قائمًا میں زید اور قائم اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر تھے۔ چنانچہ ”زید قائم“ کہا جاتا تھا) دوسری قسم جو اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر نہ ہوں جیسے اعطیٰ اور کَسَا كَابَابَ (مثلاً اعطیٰ زید حُبَّةً میں زید حبة نہیں کہہ سکتے)

۲:..... تین مفعولوں کی طرف صحیحی ہوں جیسے ”أَعْلَمَ أَرِي“۔

۳:..... ایک مفعول کی طرف متعدی ہوں جیسے ضَرَبَ وَغَيْرُهُ۔

وَلَا زِمَ غَيْرُ الْمُقَلِّدِ، وَحَتِمَ

لِزُومِ أَعْمَالِ السَّجَايَا كَنَهُمُ

كَذَا الْعَلَلُ، وَالْمُضَاهِي الْعَنْسَا

وَمَا الْقَضَى: نَطَافَةٌ، أَوْ دَنْسَا

أَوْ عَرَضًا، أَوْ طَنَاوَعَ الْمُعَلِّی

لِوَاحِدٍ، كَمَمَلَةٌ لِمَا تَدَا

ترجمہ:..... اور لازم فعل وہ ہے جو صحتی کے علاوہ ہو اور طبیعت پر دلالت کرنے والے افعال کو لازم بنانا یقین ہے جیسے نہم، اسی طرح افععل اور جواقعنسس کے مشابہ ہو یا جو نظافت اور دناست (میلاپن) کا تقاضا کرتا ہو یا عرض کا (عرض یہاں ذات کے مقابلہ میں ہے) اور وہ جو ایک مفعول کی طرف صحتی ہونے والے کا مطاوع ہو جیسے مدہ فامتدا (یہاں امتد فعل لازم ہے اور مطاوع ہے مد کیلئے جو کہ ایک مفعول کی طرف صحتی ہے)

(ش) اللزوم: هو مایس بمتعد، وهو: ما لا يتصل به هاء [ضمیر] غیر المصدر، ویتحتم اللزوم لكل فعل دال علی سجية—وهی الطبیعة—نحو: "شرف، وكرم، وظرف، ونهم" وكذا كل فعل علی ون افععل، نحو: "اقشعر، واطمان" أو علی وزن افععل، نحو: "اقعسس، واحرنجم" أو دل علی نظافة ك "طهر الثوب، ونظف" أو علی دنس ك "دنس الثوب، ووسخ" أو دل علی عرض نحو: "مرض زيد، واحمر" أو كان مطاوعاً لمتعدی إلى مفعول واحد نحو: "مددت الحديد فامتد، ودرجت زيداً فتدحرج" واحترز بقوله: "لواحد" مما طواع المتعدی إلى اثنين؛ فإنه لا يكون لازماً، بل يكون متعدياً إلى مفعول واحد، نحو: "فهمت زيداً المسألة ففهمها وعلمته النحو فتعلمه"

لازمی افعال:

فعل لازم وہ ہے جو صحتی نہ ہو یعنی اس کے ساتھ غیر مصدر کی ہاء ضمیر متصل نہ ہو۔ لزوم ان تمام افعال میں آتا ہے جو طبیعت پر دلالت کرتے ہوں جیسے ظرف، شرف، کرم، ظرف، نهم، کہ یہ سارے افعال (شرافت ظرافت) طبیعت پر دلالت کرتے ہیں۔

اسی طرح ہر وہ فعل جو افععل کے وزن پر ہو جیسے اقشعر، اطمان یا افععل کے وزن پر ہو جیسے اقعسس، احرنجم، یا نظافت پر دلالت کرتا ہو جیسے "طهر الثوب ونظف" یا میلاپن پر جسے "دنس الثوب ووسخ، یا عرض" (قائم بالغیر) پر جیسے مرض زيد، احمر۔ یا وہ مطاوع ہو اس مفعول کا جو کہ ایک مفعول کی طرف صحتی ہو جیسے مددت الحديد فامتد، دخرجت زيداً فتدحرج ایسے تمام افعال لازم ہوتے ہیں۔

واحترز بقوله الخ:

(لِوَأَجِدِ) کہہ کر اس فعل سے احتراز کیا جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہونے والے فعل کا مطاوع ہو اس صورت میں فعل لازمی نہیں ہوگا بلکہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوگا جیسے فَهَمْثٌ زَيْدًا الْمَسَالَةَ فَفَهْمَهَا، عَلَّمْتُهُ النُّحُوْلَ تَعَلَّمَ.

فائدہ:..... عبارت میں بعض مشکل الفاظ کے معانی یہ ہیں۔

(نہم) (س) ونہم نَهْمًا ونهامة في الاكل کھانے میں حریم ہونا فلان في الشيء مشتاق ہونا۔
 (ظرف) ظرفا و ظرفا از کرم، دانا اور خوش شکل ہونا، ذہین ہونا، ماہر ہونا، صفت ظریف جمع ظرفاء مؤنث
 ظرفیفة۔ (اقشعر جلدہ) لرزنا، سکتنا، سخت کھردرا ہونا، رنگ متغیر ہونا، صفت مقشعر (اقعنس) پیدائشی طور پر
 سینہ آگے کو نکلا ہوا اور پیٹھ اندر کو چھکی ہوئی ہونا، یہ حذف (کبڑا پن) کے برخلاف ہے۔ (اخر نجم) القوم
 والابل اکٹھا ہونا (دخروج لڑھکانا، تدخروج لڑھکانا)

وَعَدَ لَازِمًا بِحَرْفٍ جَرٍّ

وَإِنْ حُذِفَ فَالْنُّصْبُ لِلْمُنْجَرِّ

نَقْلًا، وَفِي أَنْ وَأَنْ يَطْرُدُ

مَعَ أَمِّنٍ لِبَسِّ كَعَجَبْتُ أَنْ يَدُوا

ترجمہ:..... آپ فعل لازم کو حرف جر کے ساتھ متعدی کریں اور اگر حرف جر کو حذف کیا

گیا ہو تو منجز (جس پر جرداغل ہے) کے لئے نصب ہے سماعًا اور اَنْ اور اَنْ میں

حذف قیاسی ہے جب التباس کا خطرہ نہ ہو جیسے عجبْتُ اَنْ يَدُوا۔

(ش) تقدّم أن الفعل المتعدّي يصل إلى مفعوله بنفسه، وذا كرهنا أن الفعل اللازم يصل إلى مفعوله

بحرف جر، نحو: "مررت بزید" وقد يحذف حرف الجر فيصل إلى مفعوله بنفسه، نحو: "مررت

بذًا" قال الشاعر:

۱۵۹- تَمُرُونَ الدِّيَارَ وَلَمْ تَعْرِجُوا

كَلَامِكُمْ عَلَيَّ إِذَا حَرَامٌ

ای: تمرون بالديار، ومذهب الجمهور أنه لا ينقاس حذف حرف الجر مع غير "أن" و"ان" بل يقتصر فيه على السماع، وذهب [أبو الحسن علي بن سليمان البغدادي وهو] الأخفش الصغير إلى أنه يجوز الحذف مع غيرهما قياساً، بشرط تعيين الحرف، ومكان الحذف، نحو: "بريت القلم بالسكين" فيجوز عنده حذف الباء؛ فتقول: "بريت القلم السكين" فإن لم يتعين الحرف لم يجز الحذف، نحو: "رغبت في زيد" فلا يجوز حذف "في"؛ لأنه لا يدري حينئذ: هل التقدير: "رغبت عن زيد" أو "في زيد" وكذلك إن لم يتعين مكان الحذف لم يجز، نحو: اخترت القوم من بني تميم" فلا يجوز الحذف؛ فلا تقول: "اخترت القوم بني تميم"؛ إذ لا يدري: هل الأصل "اخترت القوم من بني تميم" أو "اخترت من القوم بني تميم"

وأما "أن، وأن" فيجوز حذف حرف الجر معهما قياساً مطرداً، بشرط أمن اللبس، كقولك: "عجبت أن يدوا" والأصل "عجبت من أن يدوا" أي: من أن يعطوا الدية، ومثال ذلك مع أن- بالتشديد - "عجبت من أنك قائم" فيجوز حذف "من" فتقول: "عجبت أنك قائم؛ فإن حصل لبس لم يجز الحذف، نحو: "رغبت في أن تقوم" أو "رغبت في أنك قائم" فلا يجوز حذف "في" لا احتمال أن يكون المحذوف "عن" فيحصل اللبس.

واختلف في محل "أن، وأن" عند حذف حرف الجر- فذهب الأخفش إلى أنهما في محل جر، وذهب الكسائي إلى أنهما في محل نصب، وذهب سيبويه إلى تجويز الوجهين.

وحاصله: أن الفعل اللازم يصل إلى المفعول بحرف الجر، ثم إن كان المجرور غير "أن" و"ان" لم يجز حذف حرف الجر إلا سماعاً، وإن كان "أن، وأن" جاز [ذلك] قياساً عند أمن اللبس. وهذا هو الصحيح.

ترجمہ و تشریح:

کبھی فعل لازمی بغیر واسطہ حرف جر متعدی ہو جاتا ہے:

پہلے یہ بات گزر گئی کہ فعل متعدی اپنے مفعول کی طرف براہ راست پہنچتا ہے اور یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ فعل لازم بواسطہ حرف جر اپنے مفعول کی طرف پہنچتا ہے جیسے سُرُوْتُ بِسُرِيْدٍ، کبھی اس فعل لازم میں حرف جر حذف بھی ہو جاتا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۵۹- تَمُرُوْنَ الذِّيَارَ وَلَمْ تَعُوْجُوا

كَلَامُكُمْ عَلَيَّ اِذَا حَرَامٌ

ترجمہ:..... تم لوگ میرے محبوب کے گھروں پر گزرتے ہو اور اندر نہیں جاتے
(اگر آئندہ اس طرح کیا تو) تم سے بات کرنا میرے اوپر حرام ہے۔

تشریح المفردات:

(الذِّيَار) شاعر کے محبوب کے گھر مراد ہیں، یہاں شاعر دوران سفر اپنے ساتھیوں سے گلہ شکوہ کر رہا ہے کہ میرے محبوب کے گھر پر جب سب کا گزر ہوتا ہے تو تم وہاں ٹھہرتے نہیں حالانکہ ٹھہرنا چاہیے کہ یہی ساتھی ہونے کا حق ہے۔ (لم تعوجوا) عاج بصر سے ٹھہرنا، عاج بمکان کذا، نیز داخل ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

محل استشہاد:

(تَمُرُوْنَ الذِّيَار) محل استشہاد ہے یہاں (تَمُرُوْنَ) فعل لازم بلا واسطہ حرف جر (الذِّيَار) مفعول کی طرف

صحیحی ہوا ہے۔

ومذہب الجمهور (فعل لازم پر داخل حرف جر کے حذف کرنے میں شارح کی عبارت کی تقدیم تاخیر کر کے وضاحت کی جاتی ہے) اس پر توافق ہے کہ جب ان حرف مشبہ بالفعل اور ان مصدریہ اپنے مابعد کے جملہ کو مصدر کی تاویل میں کر دے تو ان پر داخل حرف جر کو حذف کرنا قیاسی ہے۔ بشرطیکہ التباس کا خطرہ نہ ہو جیسے ”عجبت ان يدوا“ اصل میں تھا ”عجبت من ان يدوا“ ای من ان يعطوا الذية“ اور ان کی مثال عجبت من انك

قائم یہاں دونوں میں حرف جر میں کو حذف کرنا جائز ہے اگر التباس آ رہا ہو تو حذف جائز نہیں جیسے ”رَغِبْتُ لِي أَنْ
تقوم، رَغِبْتُ لِي أَنْكَ قائم“ یہاں فی کا حذف جائز نہیں اس لئے کہ احتمال ہوگا کہ شاید یہاں ”عَنْ“ کو حذف
کیا گیا ہے (فی کی صورت میں بمعنی رَغِبْتُ اور عَنْ کی صورت میں بمعنی اعراض)

اور جب اَنْ اور اَنْ سے حرف جر کو حذف کیا جائے تو اس کے محل میں اعراب کے اعتبار سے اختلاف ہے
انفخش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ محلاً مجرور ہوئے ان کی دلیل عرب سے سماع ہے۔

چنانچہ مشہور شاعر فرزدق عبدالمطلب بن عبد اللہ مخزومی کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَمَا زُرْتُ لِيْلَىٰ أَنْ تَكُونَ حَبِيْبَةً
الِيْ وَلَا دِيْنَ بِهَا أَنْطَابُ

یہاں فرزدق نے مَنْ کو حذف کیا ہے اِی مِنْ اَنْ تَكُونَ حَبِيْبَةً اور (لا دین) اسی پر عطف ہے اِی وَلَا مَن
دین، دین کا مجرور ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اَنْ تَكُونَ بھی محلاً مجرور ہے اس لئے کہ معطوف معطوف علیہ دونوں کا
اعراب ایک ہوتا ہے۔

اور کسائی رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ یہ محلاً منصوب ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حرف جر ضعیف عامل ہے اس کی
علامت یہ ہے کہ یہ ایک ہی نوع (اسم) کے ساتھ خاص ہے اور ضعیف عامل اس وقت عمل کرتا ہے جب اس کا معمول
کمزور ہو حذف کی صورت میں عمل نہیں کرتا، اور سیبویہ رحمہ اللہ کے ہاں دونوں صحیح ہیں یعنی محلاً منصوب ہونا یا محلاً مجرور
ہونا۔

اَنْ اور اَنْ کے علاوہ حرف جر کے حذف کرنے میں اختلاف ہے۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ان دونوں کے علاوہ میں حرف جر کو حذف کرنا قیاسی نہیں ہے بلکہ سماع پر موقوف ہے۔
اور ابوالحسن علی بن سلیمان البغدادی (جو کہ انفخش صغیر ہیں، واضح رہے کہ حاشیہ انفخشی میں ہے کہ یہاں شارح کو صغیر
کے بجائے اصغر کہنا چاہیے تھا اس لئے کہ علی بن سلیمان انفخش اصغر ہیں جو امام ثعلب اور مبرزہ کے شاگرد گزرے ہیں۔ اور
انفخش صغیر دوسرے ہیں جن کا نام ابوالحسن سعید بن مسعد ہے۔ انفخش کے نام سے گیارہ حضرات گزرے ہیں جس طرح
کہ پہلے مقدمۃ الخو میں گزر گیا پہلی جلد کے شروع میں ملاحظہ فرمائیں) فرماتے ہیں کہ ان دونوں (اَنْ اور اَنْ) کے علاوہ
بھی حرف جر کا حذف کرنا قیاسی ہے لیکن اس کیلئے دو شرطیں ہیں۔

(۱)..... اول یہ کہ حذف ہونے والا حرف حقیقی ہو۔
 (۲)..... دوم یہ کہ حذف کا مکان حقیقی ہو جیسے ”بَرَيْثُ الْقَلَمِ بِالسَّكِينِ“ (میں نے قلم کو چھری سے تراشا) یہاں باء کو حذف کر کے بَرَيْثُ الْقَلَمِ السَّكِينِ کہہ سکتے ہیں لیکن اگر حرف حقیقی نہ ہو تو پھر حذف جائز نہیں جیسے ”رَغَبْتُ لِي زَيْدًا“ یہاں لئی کا حذف جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ نہیں چلے گا کہ یہاں عبارت میں (لئی) حذف ہے یا عُنْ حذف ہے۔ (لئی کی صورت میں رغبت کا اور عن کی صورت میں اعراض کا معنی ہوگا)

اسی طرح اگر حذف کا مکان حقیقی نہ ہو پھر بھی حذف حرف جر کا جائز نہیں جیسے ”اَخْتَرْتُ الْقَوْمَ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ“ یہاں حذف کر کے اَخْتَرْتُ الْقَوْمَ بَنِي تَمِيمٍ کہہ سکتے ہیں کہ اس لئے کہ یہ نہیں چلے گا کہ اصل میں اَخْتَرْتُ الْقَوْمَ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ تھا (پہلے میں معنی ہوگا میں نے جو تميم سے قوم کو پسند کیا اور دوسرے میں معنی ہوگا میں نے قوم سے جو تميم کو پسند کیا) اور تميم اللوق کثیر۔

خلاصہ:

شرح کی پوری عبارت کا خلاصہ یہ ہوا کہ فعل لازم اپنے مفعول کی طرف حرف حرف کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے اب اگر مجرور ان یا ان ہے تو التباس نہ ہونے کی صورت میں حرف جر کا حذف قیاساً جائز ہے اور اگر ان اور ان کے بغیر ہے تو پھر حرف جر کا حذف جائز نہیں مگر سناغاً۔ وهذا هو الصحيح۔

وَالْأَصْلُ نَسَجُ فَاعِلٍ مَعْنَى كَمَنْ

مِنْ ”الْبِسْنُ مَنْ زَارَكُمْ نَسَجَ الْبِسْنِ

ترجمہ:..... اصل یہ ہے کہ (دو مفعولوں میں سے) اس کو مقدم کیا جائے گا جو معنی

کے اعتبار سے فاعل (لینے والا) ہو جیسے ”الْبِسْنُ مَنْ زَارَكُمْ نَسَجَ الْبِسْنِ

میں مَنْ کو مقدم کیا جائے گا۔ ترجمہ پہنا دو اس کو جو تمہاری زیارت کرے یمن کا بتا

ہوا گپڑا۔ یہاں چونکہ گپڑا اپنے والا زار ہی ہے لہذا اس کو پہلے ذکر کیا جائے اور

نَسَجَ الْبِسْنِ مَفْعُولٌ ثَانِيٌّ كَوَاحِدٍ فِيهِ

(ش) إذا تعدی الفعل إلى مفعولين الثاني منهما ليس خبراً في الأصل؛ فالأصل تقديم ما هو فاعل في المعنى، نحو: "أعطيت زيدا درهماً" فالأصل تقديم "زيداً" على "درهماً" لأنه فاعل في المعنى؛ لأنه الآخذ للدرهم، وكذا "كسوت زيدا جبّة" و"البسن من زاركم نسج اليمين" ف"من": مفعول أول، و"نسج": مفعول ثانٍ، والأصل تقديم "من" على "نسج اليمين" لأنه اللابس، ويجوز تقديم ما ليس فاعلاً معنًى، لكنه خلاف الأصل.

ترجمہ و تشریح:

جو معنی فاعل ہوتا ہے وہ مقدم ہوتا ہے:

جب فعل دو مفعولوں کی طرف تعدی ہو اور دوسرا مفعول اصل کے اعتبار سے خبر نہ ہو تو اس صورت میں اس مفعول کو مقدم کیا جائے گا جو معنی کے اعتبار سے فاعل ہو جیسے "أعطيت زيدا درهماً" یہاں زید کو درهم پر مقدم کیا جائیگا اس لئے کہ زید درہم کو لینے والا ہے اسی طرح "كسوت زيدا جبّة" البسن من زاركم نسج اليمين میں بھی ہے۔ کبھی اس مفعول کو بھی مقدم کیا جا سکتا ہے جو معنی کے اعتبار سے فاعل نہیں ہوتا لیکن یہ اصل کے خلاف ہے۔

وَيُلْزَمُ الْأَصْلَ لِمَوْجِبِ عَرَى

وَتَرْكُ ذَاكَ الْأَصْلَ حَتْمًا قَدِيرَى

ترجمہ:..... اور (مذکورہ بالا) اصل لازم ہوتی ہے کسی واجب کرنے والی دلیل کی وجہ سے

جو موجود ہو، اور کبھی اس اصل کو جتنی طور پر چھوڑا بھی جاتا ہے (عریٰ بمعنی نزل و نحد

کے ہیں)

(ش) أي: يلزم الأصل - وهو تقديم الفاعل في المعنى - إذا طرأ ما يوجب ذلك، وهو خوف اللبس، نحو: "أعطيت زيدا درهماً" ليجب تقديم الآخذ منهما، ولا يجوز تقديم غيره؛ لأجل اللبس؛ إذ يحتمل أن يكون هو الفاعل.

وقد يجب تقديم ما ليس فاعلاً في المعنى، وتأخير ما هو فاعل في المعنى، نحو: "أعطيت

الدرهم صاحبه" فلا يجوز تقديم صاحبه وإن كان فاعلاً في المعنى؛ فلا تقول: "أعطيت صاحبه"

الدرهم“ لئلا يعود الضمير على متأخر لفظاً ورتبة (وہو جمع مع) [والله اعلم

ترجمہ و تشریح:

پہلے گزر گیا کہ اصل یہی ہے کہ دو مفعولوں میں سے جو معنی کے اعتبار سے قائل ہوگا اسی کو مقدم کیا جائے گا اب یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اس اصل پر بعض مرتبہ عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب التباس کا خطرہ ہو جیسے ”اعطيت زيداً عمراً“ یہاں زید اور عمر دونوں میں آخذ کی صلاحیت ہے تو جس کو معنی کے اعتبار سے قائل بنانا ہو تو اس کی تقدیم ضروری ہے تاکہ التباس نہ آئے۔

اور کبھی اس کے برعکس معنی قائل کو مؤخر کیا جائے گا جو بنا جیسے ”اعطيت الدرهم صاحبہ“ یہاں اگرچہ صاحب معنی کے اعتبار سے قائل ہے لیکن پھر بھی اس کی تقدیم صحیح نہیں ورنہ تقدیم کی صورت میں اخبار قبل الذکر لازم آئے گا لفظاً اور رتبتاً جو کہ جائز نہیں۔

وَعَدَفَ فَضْلَةً اجْزَاءً اِنْ لَمْ يَضْرِبْ

كَحَدَفٍ مَا سَبَقَ جَوَابًا اَوْ حَصِيرٍ

ترجمہ:..... فضلہ (مفعول بہ) کے حذف کو جائز قرار دیں اگر ضرب نہ ہو جس طرح اس

مفعول بہ کا حذف جو جواب کیلئے چلایا گیا ہو یا وہ محصور ہو۔

(ش) الفضلة: خلاف العمدة، والعمدة: ما لا يستغنى عنه كالفاعل، والفضلة: ما يمكن الاستغناء عنه كالمفعول به؛ فيجوز حذف الفضلة أن لم يضرب، كقولك في ”ضربت زيداً“ ”ضربت“ بحذف المفعول به، وكقولك في ”اعطيت زيداً درهماً“: ”اعطيت“ ومنه قوله تعالى: ﴿فأما من أعطى واتقى﴾، و”اعطيت“، ومنه قوله تعالى: ﴿ولسوف يعطيك ربك فترضى﴾، و”اعطيت درهماً، قيل: ومنه قوله تعالى: ﴿حتى يعطوا الجزية﴾ التقدير - والله اعلم - حتى يعطوكم الجزية.

لیکن ضرب حذف الفضلة لم یجز حذفها، کما اذا وقع المفعول به فی جواب سؤال، نحو ان یقال: ”من ضربت“ لعمول: ”ضربت زيداً“ اور واقع محصوراً نحو ”ما ضربت الا زيداً“ فلا یجوز حذف ”زيداً“ فی الموضعین؛ اذ لا یحصل فی الأول الجواب، ویبقى الکلام فی الثانی دالاً علی نفی

الضرب مطلقاً، والمقصود نفيه عن غير "زيد" لئلا يفهم المقصود عند حذفه

ترجمہ و تشریح:

فضله کا حذف جائز ہے:

فضله وہ ہے جو عمدہ کے برخلاف ہو، اور اس سے استثناء (بے احتیاجی) ممکن ہو جیسے مفعول بہ اور عمدہ وہ ہے جس سے استثناء ممکن نہ ہو جیسے قائل،۔

لہذا عمدہ کا حذف جائز نہیں اور فضلہ کا حذف جائز ہے اگر ضرر نہ ہو جیسے "ضربت زيدا" میں "ضربت" کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح "اعطيت زيدا درهما" میں بھی "اعطيت درهما" کہا جاتا ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ زَيْدٌ فَتَرْضَىٰ" یہاں مفعول ثانی حذف ہے، اعطيت درهما بھی کہا جاتا ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ" اسی حتیٰ يُعْطُوا كُمْ الْجِزْيَةَ۔

اگر فضلہ کا حذف مضر ہو تو اس کا حذف جائز نہیں۔ مثلاً جب مفعول بہ سوال کے جواب میں واقع ہو جیسے مَنْ ضربت کے جواب میں "ضربت زيدا" کہا جائے گا یا حضور واقع ہو جیسے "ما ضربت الا زيدا" یہاں دونوں جگہوں میں زید کا حذف صحیح نہیں اس لئے کہ اگر پہلی مثال میں حذف ہو تو جواب حاصل نہیں ہوتا (اس لئے کہ سائل مضروب (جو کہ مفعول بہ ہے) ہی کے بارے میں سوال کر رہا ہے حذف کی صورت میں یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا، اور دوسری مثال میں حذف اس لئے صحیح نہیں کہ مقصود زید کے علاوہ اوروں سے ضرب کی لٹی ہے حذف کی صورت میں مطلقاً ضرب کی لٹی ہوگی۔

وَيُحَذِّفُ النَّاصِبُهَا، إِنْ عَلِمَا

وَقَدْ يَكُونُ حَذْفُهُ مُتَزَمًا

ترجمہ:..... فضلہ کے ناصب کو حذف کیا جاتا ہے جب معلوم ہو اور کبھی اس کا حذف لازم

ہوتا ہے۔

(ش) يجوز حذف ناصب الفضلة إذا دل عليه دليل، نحو أن يقلل: "من ضربت؟" فتقول: "زيداً" العقديين: "ضربت زيداً" فحذف "ضربت"؛ لدلالة ما قبله عليه، وهذا الحذف جائز، وقد يكتل

واجباً کما تقدم فی باب الاشتغال، نحو: "زیداً ضربته" التقدير: "ضربت زیداً ضربته" فحذف "ضربت" وجوباً کما تقدم، واللہ اعلم.

ترجمہ و تشریح:

فضلہ یعنی مفعول بہ کے ناصب کا حذف جائز ہے جب اس پر دلیل دلالت کرے مثلاً سوال کیا جائے "مَنْ ضَرَبْتُ" اور جواب میں کہا جائے "زیداً" چونکہ سوال میں فعل (ناصب) کا ذکر ہے اس لئے جواب میں اس کو حذف کر سکتے ہیں۔ اور یہ حذف جائز ہے لیکن کبھی اس کا حذف واجب بھی ہوتا ہے جس طرح اشتغال کے باب میں گزر گیا جیسے "زیداً ضربته" تقدیر عبارت "ضربت زیداً ضربته" ہے ضربت اول کو حذف کیا وجوباً تاکہ مفسر اور مفسر کے درمیان جمع لازم نہ آئے۔ کَمَا تَقَدَّمَ. واللہ اعلم۔

وصلت الیٰ هذا المقام فی ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۶۵ھ

التنازع في العمل

دو فعلوں کا عمل میں تنازع کرنا

إِنْ عَامِلَانِ التَّضَيُّعَ فِي اسْمِ عَمَلٍ

قَبْلُ فَلِلَّوَّاحِدِ مِنْهُمَا الْعَمَلُ

وَالثَّانِ أَوْلَىٰ حَيْثُ أَهْلُ الْبَصْرَةِ

وَاجْتَنَزَا عَكْسًا غَيْرَهُمْ ذَا أُسْرَةٍ

ترجمہ:..... اگر دو عامل ایک اسم میں عمل کرتا چاہیں اس حال میں کہ وہ عامل پہلے

ہوں تو ان میں سے ایک کے لئے عمل ہوگا اور دوسرے کو عمل دینا بصرہ والوں کے

ہاں اولیٰ ہے اور دیگر حضرات (کوفین) نے عکس کو پسند کیا ہے (یعنی ان کے ہاں

پہلے کو عمل دینا چاہیے) جہ کہ قوت دالے ہیں۔ (أسرة) ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ

قوت کو کہتے ہیں اور اصل کے اعتبار سے مضبوط زرہ، خاندان کو کہا جاتا ہے، ہمزہ

کے فتح کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے اس کے معنی قوی جماعت کے ہیں)

(ش) التنازع عبارة عن: توجه عاملين إلى معمول واحد، نحو: "ضربت وأكرمت زيدًا" لكل واحد

من "ضربت" و"أكرمت" يطلب "زيدًا" بالمفعولية، وهذا معنى قوله: "إن عاملان - إلى آخره".

وقوله: "قبل" معناه أن العاملين يكونان قبل الم معمول كما مثلنا، ومقتضاه أنه لو تأخر

العاملان لم تكن المسألة من باب التنازع.

وقوله: "فليلو احد منهما العمل" معناه أن أحد العاملين يعمل في ذلك الاسم الظاهر

والآخر يهمل عنه ويعمل في ضميره، كما سبذكره.

ولاخلاف بين البصريين والكوفيين أنه يجوز إعمال كل واحد من العاملين في ذلك الاسم

الظاهر، ولكن اختلفوا في الأولى منهما.

فذهب البصريون إلى أن الثاني أولى به؛ لقربه منه.

وذهب الكوفيون إلى أن الأول أولى به؛ لقدمه.

ترجمہ و تشریح:

تنازع کی بحث:

یہاں سے تنازع الفاعلین کو ذکر کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ تنازع سے یہاں حقیقی، محکمہ امر انہیں، جو ذوی العقول میں ہوتا ہے بلکہ مراد دو عالموں کا ایک معمول

کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ ہدایۃ النحو و دیگر کتابوں میں تنازع کی چار صورتیں عموماً ذکر کی جاتی ہیں۔

۱:..... دونوں کا تنازع فاعلیت میں ہو یعنی ہر ایک اس اسم ظاہر کو اپنے لئے فاعل بنا کا ہو۔

۲:..... مفعولیت میں ہو۔

۳:..... ایک اس کو اپنے لئے فاعل اور دوسرا اس کو اپنے لئے مفعول چاہتا ہو۔

۴:..... تیسری صورت کے برعکس۔

(اہل) کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ فرماتا ہے ہیں کہ تنازع تب ہوگا جب دونوں حامل معمول سے پہلے ہوں مثلاً

ضربت واکرمث زیداً، اگر عامل مؤخر ہوں تو تنازع کے باب سے نہیں ہوگا۔

(فلسلو احد متھما العمل) اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں حاملوں میں سے صرف ایک اس ظاہر میں عمل کرے گا اور

دوسرا اس اسم ظاہر سے مہمل ہوگا اور پہلے اسم ظاہر کی ضمیر میں عمل کرے گا۔ (واضح رہے کہ آگے کی پوری بحث میں اہل کا

لفظ بار بار آئے گا جس کا مطلب مہمل ہونا یعنی عمل نہ کرنا ہے اور اعمالی کا مطلب عمل دینا ہے)۔

تنازع میں اختلاف کی پوری تفصیل

بصرین اور کوفین کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ دونوں کو عمل دینا جائز ہے البتہ اولیت میں اختلاف ہے بصرین

فرماتے ہیں کہ دوسرے فعل کو عمل دینا اولیٰ ہے اس لئے کہ وہ معمول کے قریب ہے۔

اور کوفین فرماتے ہیں کہ پہلے کو عمل دینا اولیٰ ہے اس لئے کہ وہ ذکر کے اعتبار سے مقدم ہے ”والفضل

للمتقدم“ اور عرب سے سماع بھی دونوں پر وارد ہے۔

وَأَعْمِلَ الْمُهْمَلُ فِي ضَمِيرِ مَا
تَنَازَعَاهُ وَالْمَسْرُومَ مَا الْقُرْمَا
كَيْحَسِنَانَ وَيُسَيُّ ابْنَاكَ
وَقَدْ بَغِي وَاعْتَدَى عَبْدَاكَ

ترجمہ:..... جو فعل مہمل ہے (یعنی اس کو عمل نہیں دیا گیا ہے) اس کو آپ عمل دین اس اسم کی ضمیر جس میں ان دونوں نے تنازع کیا ہے اور جو لازم کیا گیا ہے اس کو آپ لازم کریں جیسے یحسنان ویسی ابناک، بغی و اعتدای عبداک (یہاں ابناک عبداک میں دونوں فعلوں کا تنازع ہے ہر ایک اس کو اپنے لئے قائل بنا رہا ہے۔ ترجمہ اچھائی کرتے ہیں اور برائی کرتے ہیں تمہارے دونوں بیٹے۔ بغاوت اور تجاوز کیا تمہارے دونوں غلاموں نے)

(ش) ای: إذا عملت أحد العاملين في الظاهر وأهملت الآخر عنه، فأعمل المهمل في ضمير الظاهر، والتزم الإضمار إن كان مطلوب العامل مما يلزم ذكره ولا يجوز حذفه، كالفاعل، وذلك كقولك: "يحسن ويسی ابناک" لكل واحد من "يحسن" و "یسی" يطلب "ابناک" بالفاعلية، فإن عملت الثاني وجب أن تضم في الأول فاعله؛ فقول "يحسن ويسی ابناک" وكذلك إن عملت الأول وجب الإضمار في الثاني؛ فتقول: "يحسن ويسی ابناک" ومثله "بغی و اعتدای عبداک" وأما عملت الثاني في هذا المثال قلت: "بغی و اعتدای عبداک" ولا يجوز ترك الإضمار؛ فلا تقول "يحسن ويسی ابناک" ولا "بغی و اعتدای عبداک" لأن تركه يؤدي إلى حذف الفاعل، والفاعل ملتزم الذكر، وأجاز الكسائي ذلك على حذف، بناء على مذهبه في جواز حذف الفاعل، وأجاز الفراء على توجه العاملين معاً إلى الأسم الظاهر، وهذا بناء منهما على منع الإضمار في الأول عند أعمال الثاني؛ فلا تقول: "يحسن ويسی ابناک"، وهذا الذي ذكرناه عنهما هو المشهور ومذهبهما في هذه المسألة.

ترجمہ و تشریح:

www.KitaboSunnat.com

(ہدایہ النحو وغیرہ میں بصرین اور کوفین کے مسلک کی وضاحت اور رفع تاذرع کو الگ الگ واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے یہاں دونوں فعلوں کے تاذرع اور اس کے دفع کرنے کو ساتھ ساتھ ذکر کر رہے ہیں غالباً تاذرع اور شارح کا طریقہ قریب الی الفہم ہے)

متن کی تشریح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ جب آپ دو عاملوں میں سے ایک کو اسم ظاہر میں عمل دیں اور دوسرے کو عمل نہ دیں اور اس کو مہمل چھوڑ دیں تو اس صورت میں جس کو عمل دے دیا گیا وہ تو صحیح ہے۔ اور جس فعل کو عمل نہیں دیا گیا تو اس کو آپ عمل اسم ظاہر کی ضمیر میں دیں بشرطیکہ فاعل میں تاذرع ہو۔

آسانی سے یوں سمجھیں کہ فاعلیت میں اگر وہ دونوں فعلوں کا تاذرع ہو تو دفع تاذرع کیلئے تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ:..... ایک یہ کہ ایک کو عمل اسم ظاہر میں دینے کے بعد دوسرے کے فاعل کو حذف کریں لیکن یہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ فاعل عمدہ ہے اور عمدہ کا حذف جائز نہیں۔

دوسرا طریقہ:..... ذکر کا ہے اگر مہمل فعل کے فاعل کو ذکر کریں تو کھوار لازم آتا ہے نیز یہ تاذرع کے باب سے نہیں ہوگا۔

تیسرا طریقہ:..... یہ ہے کہ مہمل فعل کے فاعل کو آپ مضمراً لائیں یا اس طرز پر کہ وہ اسم ظاہر کے ساتھ مفرد حثینیہ جمع میں موافق ہو شارح اسی تیسرے طریقہ کو یہاں ذکر فرما رہے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ اگر بصرین کے مسلک کے مطابق دوسرے فعل کو عمل دیا جائے اور پہلے فعل کے فاعل کو مضمراً لائیں جیسے یُحْسِنَانِ وَیُحْسِنُ ابْنَاکَ۔ ضربنی واکرمنی زیدہ اس میں ضمیر مابعد میں فاعل "ابناک" زید کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لہذا اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو جائز نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے اور یہاں بھی فاعل عمدہ ہے، اور کوفین کے مسلک کے مطابق پہلے کو عمل دینے کی صورت میں بھی اگرچہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لیکن وہ لفظاً ہے نہ نسبتاً نہیں اور اضمار قبل الذکر وہ ناجائز ہے جو لفظاً بھی ہو اور نسبتاً بھی اور فاعل مرتبہ کے اعتبار سے مفعول پر مقدم ہوتا ہے۔ (جیسے ضربنی واکرمنی زیدہ یا یحسین و یحسین ابناک)

اسی طرح بغی و اعتد یا عبد اک، بغی و اعتدی عبد اک

وأجاز الكسائي الخ:

تنازع کے وقت دوسرے فعل کو عمل دینے کی صورت میں پہلے فعل میں کسائی رحمہ اللہ کے نزدیک فاعل کو حذف کرتا جائز ہے اس لئے ان کے ہاں ترک اضمار صحیح ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر دوسرے کو عمل دیا جائے اور پہلے فعل کے فاعل کو مضمحل لایا جائے۔ جیسے یحسنان ویسی ابناک، بغیاو اعدی عہداک تو اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے (اگرچہ اس کا جواب پہلے ہم نے ذکر کیا کہ اضمار قبل الذکر یہاں لفظاً ہے مگر تبتہ نہیں اور اضمار قبل الذکر ناجائز وہ ہے جو لفظاً اور رتبہ دونوں ہوں۔ یعنی کسائی رحمہ اللہ اپنے مسلک کے مطابق اضمار قبل الذکر سے بچنے کیلئے فاعل کو حذف کر رہے ہیں حالانکہ فاعل عمدہ ہے اور عمدہ کو حذف کرنا اضمار قبل الذکر سے بھی زیادہ شنیع ہے اس کی مثال یوں ہوئی ”وَقَفَّ نَحْتِ الْمِيزَابِ وَقَرُّ مِنَ الْمَطَرِ“ (بارش سے بھاگا پر نالہ کے نیچے جا کھڑا ہوا) لیکن حاشیۃ الخضری میں شرح الايضاح سے نقل کیا ہے کہ امام کسائی رحمہ اللہ سے فاعل کو حذف کرنے کی جو بات منقول ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اور فرما رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرے کو عمل دینے کی صورت میں پہلے میں ترک اضمار جائز ہے وہ دونوں عامل کو ایک اسم ظاہر کی طرف متوجہ فرماتے ہیں ان کے مسلک کے مطابق آپ یحسنان ویسی ابناک نہیں کہہ سکتے۔

وَلَا تَجْسِي مَعَ أَوَّلِ قَلْبِ أَهْمَلَا

بِمُضْمَرٍ لِنَفْسٍ رَفَعِ أَوْ هَلَا

بَلْ حَذَفِ بِهِ الزَّمْ إِنْ يَكُنْ غَيْرَ خَبَرٍ

وَأَعْمَرْنَاهُ إِنْ يَكُنْ هُوَ الْخَبَرُ

ترجمہ:..... اور پہلے فعل کے ساتھ جو مہمل ہے (یعنی جس کو عمل نہیں دیا گیا ہے) ایسی ضمیر

نہ لائیں، کہ اہل بتائی گئی ہو رفع کے علاوہ کیلئے (یعنی جو مرفوع نہ ہو مفعول بہ ہو) بلکہ

اس کے حذف کرنے کو لازم کر دیں اگر وہ اصل کے اعتبار سے خبر نہ ہو اور اگر خبر ہو تو اس

کو موقوف کر دیں۔

(ش) تقدم أنه إذا عمل أحد العاملين في الظاهر وأهمل الآخر عنه أعمل في ضميره، ويلزم الإضمار

إن كان مطلوب الفعل مما يلزم ذكره: كالفاعل، أو نائبه، ولا فرق في وجوب الإضمار - حينئذ -

أن يكون المهمل الأول أو الثاني، فتقول: ”يحسنان ویسی ابناک، ویحسن ویسینان ابناک“

وذكر هنا أنه إذا كان مطلوب الفعل المهمل غير مرفوع فلا يخلو: إما أن يكون عمدة في الأصل - وهو مفعول "ظن" وأخواتها؛ لأنه مبتدأ في الأصل أو خبر، وهو المراد بقوله: "إن يكن هو الخبر" - أولاً، فإن لم يكن كذلك: فإما أن يكون الطالب له هو الأول، أو الثاني، فإن كان الأول لم يجز الإضمار؛ فتقول: "ضربت وضربني زيد، ومررت ومررت ومررت به ومررت به ومررت به"؛ ولا تضمنر فلا تقول: "ضربت، وضربني زيد" ولا "مررت به ومررت به ومررت به"؛ وقد جاء في الشعر، كقوله:

۱۶۰ - إِذَا كُنْتُ تُرْضِيهِ وَيُرْضِيكَ صَاحِبٌ
جَهَارًا فَكُنْ فِي الْغَيْبِ أَحْفَظَ لِعَهْدٍ
وَأَلْغِ أَحَادِيثَ الْوَشَاةِ، فَلَقْنَا
يُحَاوِلُ وَاشٍ غَيْرَ هَجْرَانَ ذِي وَدِّ

وإن كان الطالب له هو الثاني وجب الإضمار؛ فتقول: "ضربني وضربته زيد، ومررت ومررت به زيد" ولا يجوز الحذف فلا تقول "ضربني وضربت زيد" وقد جاء في الشعر، كقوله:

۱۶۱ - بِمُعَاظٍ يُغْشِي النَّاطِرِينَ
إِذَا هُمْ لِمُحْرَاشِمَاءِ

والأصل "لمحوه" فحذف الضمير ضرورة، وهو شاذ؛ كما شذ عن الممهل الأول في المفعول المضمر الذي ليس بعمدة في الأصل.

هذا كله إذا كان غير المرفوع ليس بعمدة في الأصل، فإن كان عمدة في الأصل فلا يخلو: إما أن يكون الطالب له هو الأول، أو الثاني؛ فإن كان الطالب له هو الأول وجب إضماره مؤخرًا؛ فتقول: "ظننت وظننت زيدًا قالًا أيًا"، وإن كان الطالب له هو الثاني أضمرته: متصلًا كان أو منفصلًا؛ فتقول: "ظننت وظننت زيدًا قائلاً، وظننت وظننت إياه زيدًا قائلاً".

ومعنى اليقين أنك إذا أهملت الأول ثم تأت معه بضمير غير مرفوع - وهو المنصوب والمجرور - فلا تقول: "ضربته وضربني زيد" ولا "مررت به ومررت به" بل يلزم الحذف؛ فتقول: "ضربت وضربني زيد، ومررت ومررت ومررت به" إلا إذا كان المفعول خبرًا في الأصل؛ فإنه

لا يجوز حذفه، بل يجب الإتيان به مؤخرًا، فعقول: "ظننى وظننت زيدًا قائمًا أيًا".

ومفهومه أن الظانى يؤتى معه بالضمير مطلقًا، مرفوعًا كان، أو مجرورًا، أو منصوبًا، عملًا في

الأصل أو غير عمدة.

ترجمہ و تشریح:

یہاں یہ ذکر کر رہے ہیں کہ جس فعل کو عمل نہیں دیا گیا وہ اگر مفعول چاہتا ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا اصل کے اعتبار سے وہ مفعول خبر ہوگا (جیسے ظن کا مفعول ظننت زيدًا قائمًا میں قائمًا مفعول اصل میں خبر ہے۔ چنانچہ زيدًا قائمًا کہا جاتا ہے) یا نہیں اگر اصل کے اعتبار سے خبر ہے تو پہلا فعل اس مفعول کو طلب کرے گا یا دوسرا، اگر پہلا طلب کرتا ہے (اور عمل دوسرے کو دیتا ہے) تو پہلے فعل کے مفعول کو ذکر کرنا صحیح نہیں کیونکہ تکرار لازم آتا ہے اور اس میں اضمار صحیح نہیں اس لئے کہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔ لہذا تیسری صورت حذف کی ہے مفعول کو حذف کریں گے۔ اس لئے کہ مفعول فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے۔ اور اضمار قبل الذکر فضلہ میں جائز نہیں جیسے "ضربت و ضربتہ زیدًا" مرد و مڑبی زید اور اضمار صحیح نہیں چنانچہ "ضربت و ضربتہ زیدًا" مرد و مڑبی زید" کہا غلط ہے۔

بعض مرتبہ شعر میں اس کا جواز آیا ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

١٦٠- إِذَا كُنْتُ تُرْضِيهِ وَيُرْضِيكَ صَاحِبٌ

جِهَارًا فَكُنْ لِي الْغَيْبِ احْفَظْ لِنَعْدِ

وَأَلِغْ أَحَادِيثَ الْوُفَاةِ، فَقَلِّمًا

يُحَاوِلُ وَاشِ عَيْرَ هَجْرَانِ ذِي وَدِّ

ترجمہ:..... جب آپ اپنے ساتھی کو آمنے سامنے پسند کرتے ہیں اور وہ آپ کو پسند کرنا ہے تو عدم موجودگی میں آپ عہد و پیمانہ کی زیادہ حفاظت کرنے والے ہو جائیں اور چٹخوروں کی باتوں کو چھوڑ دیں اس لئے کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ چٹخور محبت والے کی جدائی کے علاوہ کا قطع کرنا ہو (یعنی چٹخوروں کا زیادہ تر قصد یہ ہوتا ہے کہ وہ محبت والوں کو جدا کرتے ہیں اس کے برعکس بہت کم ہی ہوا کرتا ہے اس لئے آپ چٹخوروں کی باتوں میں نہ آئیں)

تشریح المفردات:

(رضی) ارضی برضی ارضاء باب افعال سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ (جہازاً) آمنے سامنے کہا جاتا ہے لقیہ جہازاً میں نے اس سے منہ در منہ ملاقات کی (الغیب) غائب و پوشیدہ چیز (احادیث) جمع ہے حدیث کی بات کو کہتے ہیں (الوشاة) و ایش کی جمع ہے جیسے فضاء قاضی کی جمع ہے اس آدمی کو کہتے جو لوگوں کے درمیان فساد کی کوشش کرتا ہو یعنی پھلخوری کرتا ہو (قلما) قل فعل ماضی ہے اس کا فاعل نہیں ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ماحرفیہ زائدہ آیا ہے اور اس نے اس کے عمل کو روکا ہے اسی وجہ سے اس کو کافہ بھی کہتے ہیں "لا تها كفتها عن العمل" اور خود یہ فاعل کے عوض ہوا، (قلما) سے مقصود نفی ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ما مصدریہ ہے اس کا ما بعد بتاویل مصدر ہو کر اس کا فاعل ہے ای قل محاولة (بمحاول) باب مفاعله سے واحد مذکر غائب مضارع معلوم کا صیغہ ہے بمعنی قصد کرنا، کوشش کرنا، محاولة اصل کے اعتبار سے حیلہ کے ذریعہ کسی چیز کے ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ (هجوان) جدائی قطع تعلق (وہ) واؤ کے فتح اور ضمہ کے ساتھ بمعنی محبت۔

محل استشہاد:

(رضیہ و برضیک صاحب) محل استشہاد ہے یہاں صاحب میں ترضی اور برضی دونوں فعلوں نے تنازع کیا ہے پہلا فعل اس کو اپنے لئے مفعول اور دوسرا اس کو فاعل بنانا چاہتا ہے شاعر نے یہاں دوسرے فعل کو عمل دیا ہے اور پہلے کے مفعول کیلئے (ہ) ضمیر کو لایا جو جمہور کے مسلک کے خلاف ہے، جمہور کے نزدیک اس کا حذف کرنا صحیح تھا اس لئے کہ یہ مفعول ہے اور مفعول فضلہ ہوتا ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے مفعول کیلئے ضمیر لانے کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو جائز نہیں صرف فاعل میں اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر چاہو ہے جس کی تفصیل گوارنگی۔ اس شعر کا جواب جمہور کی طرف سے یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہ شاذ ہے۔

وإن كان الطالب له هو الثاني الخ:

اگر اس مفعول کو دوسرا فعل طلب کرتا ہے (اور عمل پہلے فعل کو دیتا ہے) تو اس صورت میں دوسرے فعل کو ضمیر میں عمل دینا ضروری ہے اور حذف صحیح نہیں۔

چنانچہ ضربنی و ضربتہ زید کہا جائے گا اور ضربنی و ضربت زید صحیح نہیں بعض حضرات یہاں بھی یہ فرماتے ہیں کہ مفعول کی ضمیر حذف کرنے میں کوئی حرج نہیں بایں وجہ کہ یہ فضلہ ہے اور فضلہ کو ذکر کرنا واجب نہیں۔ کبھی شعر میں اس کا جواز بھی آیا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۶۱- بِعَاظٍ يُغْشِي النَّاطِرِينَ

إِذَا هُمْ لِمَحْوٍ وَاشْتِغَاغِهِ

ترجمہ:..... عکاظ بازار میں دیکھنے والوں کی پینائی کو اسطوں کی شعاعیں کمزور کرتی تھیں جب وہ ان کی طرف دیکھتے (شاعرہ اپنی قوم کی بہادری اور ان کے زیادہ اسطوں کی چمک دمک کی تعریف کر رہی ہے۔)

تشریح المفردات:

(عکاظ) مکہ مکرمہ کے قریب ایام جاہلیت میں بازار لگتا تھا جس کا نام عکاظ تھا لوگ اس میں جمع ہو کر شعر و شاعری، عزت و شرف نسب وغیرہ میں فخر کیا کرتے تھے ذی القعدہ سے شروع ہو کر ۱۵/۲۰ دن تک یہ بازار لگتا تھا اسلام نے آ کر اس کو ختم کر دیا۔ (بعشی) اعشیٰ بعشیٰ اعشاء باب افعال سے نگاہ کو کمزور کر دینا، (لمحو) جلدی سے دیکھ لینا، (شعاع) کرن اُس کی جمع اشعة، شُعَع (بضمین) شعاع بالکسر آتی ہیں (شعاعہ) میں (ہ) ضمیر سلاح (اسطی) کی طرف راجع ہے جو ما قبل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔

محل استشہاد:

(بعشی)..... لمحو اشعاعہ محل استشہاد ہے یہاں (بعشی) اور (لمحو) دونوں فعلوں نے (شعاعہ) متاثر کیا ہے پہلا اس کو اپنے لئے فاعل اور دوسرا اس کو اپنے لئے مفعول بنانا چاہتا ہے شاعر نے پہلے کو عمل دیا ہے اس لئے کہ شعاعہ مرفوع ہے اور دوسرے کو ضمیر میں دینا چاہیے تھا ای لمحوہ لیکن شاعر نے ضرورت شعر یہ کی وجہ سے اس کو حذف کیا۔ جمہور کے نزدیک ضرورت کے علاوہ اس کا حذف صحیح نہیں بایں وجہ کہ بغیر کسی خاص علت کے اضماع قبل اللہ لازم آتا ہے جبکہ ایک قوم کی رائے ہے کہ اس حالت میں بھی ضمیر کو حذف کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ضمیر مفعول بہ واقع ہونے کی سے فضلہ ہے اور فضلہ کو ذکر کرنا واجب نہیں۔ جمہور اس طرح کے اشعار کا جواب دیتے ہیں کہ یہ شاذ ہیں۔ واللہ اعلم

هَذَا كَلِمَةُ الْخ:

یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب مفعول بہ اصل کے اعتبار سے عمدہ نہ ہو (یعنی خبر نہ ہو) اگر عمدہ ہو تو اگر پہلا فعل اس کو چاہے گا (اور عمل دوسرے کو دینا ہے) تو اس کو بعد میں مضر لا تا واجب ہے اس لئے کہ ظن کے مفعول کا حذف جائز نہیں فتقول ظنی و ظننت زیذا قائما ایاه اور اگر اس کو دوسرا فعل طلب کرتا ہے (اور عمل پہلے کو دینا ہے) تو دوسرے کے مفعول کو آپ مضر لائیں متصل ہو یا منفصل جیسے ظننت و ظننتہ زیذا قائما، ظننت و ظنی ایاه زیذا قائما دونوں شعروں کا مطلب یہ ہوا کہ جب پہلے فعل کو آپ مہمل بنا سکتے ہیں اس کو عمل نہیں دیتے تو اس صورت میں اس کے ساتھ آپ غیر مرفوع (یعنی منصوب یا مجرور) کی ضمیر نہیں لائیے۔ چنانچہ ضربتہ و ضربتہی زیذا، مردت بہ و مردتہی زیذا صحیح نہیں بلکہ حذف ضروری ہے ہاں اگر مفعول اصل کے اعتبار سے خبر ہو تو اس کا حذف جائز نہیں بلکہ اس کو مؤخر لا تا ضروری ہے، جیسے ظنی و ظننت زیذا قائما ایاه۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دوسرے فعل کے ساتھ مطلقا ضمیر کو لایا جائے گا۔ مرفوع واقع ہو یا منصوب یا مجرور، اصل کے اعتبار سے عمدہ ہو یا نہ ہو۔

(مزید وضاحت کیلئے ہدایہ اچھی دیکھیں جاسکتی ہے)

وَ أَظْهَرَ أَنَّ يَكُنْ ضَمِيرٌ خَبْرًا

بِأَنَّ مَبْدَأَ ظَنُّوا مَفْسُورًا

بِحَوِّ أَظُنُّ وَ سَطْنُ نَاسِي أَخْبَارًا

زَيْدًا وَعَمْرًا أَخْوَيْنِ فِي الرَّخَا

ترجمہ:..... آپ فعل مہمل کی ضمیر مفعول کو ظاہر کریں اگر وہ ضمیر اصل میں خبر ہو اور مفسر

کے مطابق نہ ہو جیسے اظن الخ (میں زید اور عمر کو فراموشی اور خوشحالی میں بھائی سمجھتا ہوں

اور وہ مجھے بھائی سمجھتے ہیں)

(ش) ای: يجب أن يؤتى بمفعول الفعل المهمل ظاهراً إذا لزم من أضماره عدم مطابقته لما يقسم به؛ لكونه خبراً إلى الأصل عملاً لا يطابق المفسر، كما إذا كان في الأصل خبراً عن مفرد ومفسره مثني، نحو: "أظن ويظناني زيداً وعمراً أخوين" ف"زيداً" مفعول أول لأظن، و"عمراً" معطوف عليه، و"أخوين" مفعول ثانٍ لأظن، والياء مفعول أول ليظنان؛ فيحتاج إلى مفعول ثانٍ؛ فلواتيت به ضميراً فقلت: "أظن ويظناني إياه زيداً أخوين" لكان "إياه" مطابقاً للياء، في أنهما مفردان، ولكن لا يطابق ما يعود عليه وهو "أخوين"؛ لأنه مفرد، و"أخوين" مثني؛ فتفوت مطابقة المفسر للمفسر، وذلك لا يجوز؛ وإن قلت "أظن ويظناني إياهما زيداً وعمراً أخوين" حصلت مطابقة المفسر للمفسر؛ [وذلك] لكون "إياهما" مثني و"أخوين" كذلك، ولكن تفوت مطابقة المفعول الثاني - الذي هو خبر في الأصل - للمفعول الأول - الذي هو مبتدأ في الأصل - لكون المفعول الأول مفرداً، وهو الياء، والمفعول الثاني غير مفرد، وهو "إياهما"؛ ولا بد من مطابقة الخبر للمبتدأ، فلما تعذرت [المطابقة] مع الإضمار وجب الإظهار؛ فتقول: "أظن ويظناني إياهما زيداً وعمراً أخوين"؛ ف"زيداً وعمراً أخوين" مفعول لأظن، والياء مفعول يظنان الأول، و"إياهما" مفعول الثاني، ولا تكون المسألة - حينئذٍ - من باب التنازع؛ لأن كلامنا من العاملين عمل في ظاهر، وهذا مذهب البصريين.

وأجاز الكوفيون الإضمار مراراً في بعض الجائز المنجز عنه؛ فتقول: "أظن ويظناني إياه زيداً وعمراً أخوين" وأجازوا أيضاً الحذف؛ فتقول: "أظن ويظناني زيداً وعمراً أخوين".

ترجمہ و تشریح:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر فعل مہمل کے مفعول کو ضمیر لانے سے محذوف کے ساتھ مطابقت فوت ہوتی ہو تو اس صورت میں اس مفعول کو ظاہر لانا ضروری ہے مثلاً وہ اصل میں مفرد کی خبر ہو اور اس کا مفسر تثنیہ (مثلاً مذکور میں ایک بندہ متعلق خبر دی جاتی ہے کہ وہ مجھے بھائی ہونے کا خیال کرتے ہیں) اور مفسر اخوین تثنیہ ہے (جیسے "أظن ويظناني زيداً وعمراً أخوين")

و عمرًا اخوین“ یہاں زیذا اظن کیلئے مفعول اول ہے اور اخوین مفعول ثانی ہے پھر (یظنانی) میں (ی) مفعول اول ہے یہاں پہلے فعل کو عمل دیا ہے یظنانی کیلئے مفعول ثانی کی ضرورت ہے اگر اس کو مضر لائیں اور کہیں ”اظن و یظنانی ایماہ زیذا و عمرًا اخوین“ تو اس صورت میں ”ایماہ“ مفعول ثانی ”ی“ مفعول اول کے مطابق ہے لیکن ”اخوین“ جو اس کا مفسر ہے اس کے مطابق نہیں اس لئے کہ ایماہ مفرد ہے اور اخوین مشبہ ہے مفسر اور مفسر کے درمیان مطابقت نہیں ہوتی جو کہ جائز نہیں۔ اور اگر ایماہ ما کہا جائے تو مفسر اور مفسر کی مطابقت آ جائے گی لیکن مفعول اول (جو اصل کے اعتبار سے مبتدا ہے) اور مفعول ثانی (جو اصل کے اعتبار سے خبر ہے) کی مطابقت ختم ہو جائے گی لہذا اظہار ضروری ہوا چنانچہ آپ ”اظن و یظنانی اخا زیذا و عمرًا اخوین فی الریح“ کہتے ہیں لیکن اس صورت میں یہ تنازع کے باب سے نہیں ہوگا اس لئے کہ ہر ایک کو اس کا معمول الگ الگ مل گیا۔

کو فیین نے اس اخبار کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے مخیر عنہ (متکلم، جو کہ مفرد ہے) کی رعایت کی ہے اگرچہ مفسر اور مفسر کی مطابقت نہیں ہے۔ اور یہاں اخا کیلئے الذکر اگرچہ لفظ ہے رجمہ نہیں اس لئے کہ اس کے مفسر کا رجمہ پہلے ہے لکن وہ معمول الاول اس لئے ان کے ہاں یہ صحیح ہے نیز ان کے ہاں حذف بھی جائز ہے۔

المفعول المطلق

المصدر اسم ماسوی الزمان من

مدلولی الفعلی کامن من امن

ترجمہ:..... مصدر فعل کے دو مدلولوں (حدث، زمان) میں زمانہ کے علاوہ کا نام ہے

جیسے امن سے امن۔

(ش) الفعل یدل علی شیئین: الحدث، والزمان؛ ف"قام" یدل علی قیام فی زمن ماض، و"يقوم" یدل علی قیام فی الحال أو الاستقبال، و"قم" یدل علی قیام فی الاستقبال، والقیام هو الحدث - وهو أحد مدلولی الفعل - وهو المصدر، وهذا معنی قوله: "ما سوی الزمان من مدلولی الفعل" - وهو المصدر، "فكانه قال: المصدر اسم الحدث کامن، فإنه أحد مدلولی امن.

والمفعول المطلق هو: المصدر، المنتصب: توكيدًا للعامله، أو بيانًا لنوعه، أو عدده، نحو:

"ضربت ضربًا، وسرت سرزید، وضربت ضربتین"

وسمى مفعولاً مطلقاً لصدق "المفعول" عليه غير مقيد بحرف جر ونحوه، بخلاف غيره من

المفعولات؛ فإنه لا يقع عليه اسم المفعول إلا مقيداً، كالمفعول به، والمفعول فيه، والمفعول معه، والمفعول له.

مفعول مطلق کی تعریف:

اس سے پہلے قائل، نائب قائل، تنازع فعلین کا ذکر ہوا اب منصوبات میں سے مفاعیل کو ذکر کر رہے ہیں۔

(واضح رہے کہ قائل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے اور مفعول ہمیشہ منصوب اس کی وجہ یہ ہے کہ قائل صرف ایک ہوتا ہے اور رفع نقل

ہے اور مفعول کئی ہوتے ہیں اور نصب خفیف ہے۔ قلیل کو قلیل اور کثیر کو خفیف حرکت دی تاکہ برابری ہو جائے، مفعولات یا

ہیں مفعول بہ جیسے ضربت زیداً مفعول مطلق جیسے: ضربت ضربًا، مفعول فیہ جیسے صمت یوم الجمعة، مفعول

لہ، جیسے ضربتہ تادیباً مفعول معہ جیسے "جاء البرد والجبات"

یہاں سب سے پہلے مفعول مطلق کو ذکر کر رہے ہیں اسلئے کہ اس پر علی الاطلاق مفعول کا لفظ بولا جاتا ہے، بخلاف باقی مغایل کے ان میں بہ، لہ، معہ کے ساتھ تھکید ہوتی ہے، مفعول مطلق اور مصدر کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے ضربتہ ضربتا میں دونوں جمع ہیں ضربتک ضربت الیئم میں صرف مصدر ہے اور جہاں مفعول مصدر سے نائب ہو کر آتا ہے وہاں صرف مفعول ہے۔ اگر مفعول کے نائب ہونے کو غیر معتبر قرار دیا جائے اور اصل کو دیکھتے ہوئے اس کو مصدر ہی کہا جائے تو پھر اس پر مصدر کا اطلاق بھی صحیح ہے۔ بہر حال مصدر عام مطلق ہے)۔

مفعول مطلق یعنی مصدر کی تعریف کرتے ہوئے مصنف فرماتے ہیں کہ مصدر فعل کے دو مفعولوں (حدث، زمان) میں زمانہ کے علاوہ کا نام ہے یعنی حدث کا نام ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ فعل دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے حدث، زمان، چنانچہ قَامَ زمانہ ماضی کے اندر اور یقوم حال یا استقبال اور قَامَ استقبال میں قیام پر دلالت کرتا ہے اور قیام ہی حدث ہے (اور یہ حدث فعل کے دو بدللوں میں سے ایک ہے) مفعول مطلق اس مصدر کو کہتے ہیں جو منصوب ہو اور عامل کی تاکید یا نوع کے بیان یا عدد کیلئے ہو جیسے ضربتک ضربتا، سرت سرت زید، ضربتک ضربتین اس کو مفعول مطلق اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس پر مفعول صادق آتا ہے حرف جر وغیرہ کی تھکید کے بغیر بخلاف دیگر مفعولات کے کہ ان پر مفعول کے نام کا اطلاق نہیں ہوتا مگر مقید جیسے مفعول بہ مفعول فیہ، مفعول معہ، مفعول لہ۔

بمِثْلِهِ أَوْ فِعْلٍ أَوْ صِفٍ نُصِبَ
وَكُونُهُ أَصْلًا لِهَذَا التَّخِيْبِ
ترجمہ:..... مصدر کے مثل سے یا فعل یا وصف سے مصدر کو نصب دیا جاتا ہے
اور مصدر کا اصل ہونا فعل اور وصف کیلئے پسندیدہ ہے۔

(ش) يَنْتَصِبُ الْمَصْدَرُ بِمِثْلِهِ، أَيْ بِالْمَصْدَرِ، نَحْوُ: "عَجِبْتُ مِنْ ضَرْبِكَ زَيْدًا ضَرْبًا شَدِيدًا"، أَوْ بِالْفِعْلِ، نَحْوُ: "ضَرَبْتُ زَيْدًا ضَرْبًا"، أَوْ بِالْوَصْفِ، نَحْوُ: "أَنَا ضَارِبٌ زَيْدًا ضَرْبًا"
ومذهب البصريين أن المصدر أصل، والفعل والوصف مشتقان منه؛ وهذا معنى قوله:
"وكونه أصلًا لهذين التخيْب" أَيْ: المختاران المصدر أصل لهذين، أَيْ: الفعل، والوصف.
ومذهب الكوفيين أن الفعل أصل، والمصدر مشتق منه.

وذهب قوم إلى أن المصدر أصل، والفعل مشتق منه والوصف مشتق من الفعل وذهب ابن طلحة إلى أن كلاً من المصدر والفعل أصل برأسه، وليس أحدهما مشتقاً من الآخر.

والصحيح المذهب الأول؛ لأن كل فرع يتضمن الأصل وزيادة، والفعل والوصف بالنسبة إلى المصدر كذلك؛ لأن كلا منهما يدل على المصدر وزيادة؛ فالفعل يدل على المصدر والزمان، والوصف يدل على المصدر والفاعل.

ترجمہ و تشریح:

صدر کو نصب دینے والا عامل کو نسا ہے اس کو یہاں بتا رہے ہیں، مصدر کو نصب دیا جاتا ہے مصدر سے جیسے عجبث من ضربک زیداً ضربتاً شدیداً، یا فعل سے (فعل کیلئے بھی ضروری ہے کہ وہ متصرف اور تام ہو اور ایسا فعل نہ ہو جس میں الفاء ہوتا ہو۔ مثلاً ظنن وغیرہ جب مفعولوں کے درمیان آجائے ورنہ وہ مفعول مطلق کو نصب نہیں دے گا۔ جیسے ضربتک زیداً ضربتاً۔ نیز مفعول مطلق کو نصب دیا جاتا ہے وصف سے (وصف کیلئے دو شرطیں ہیں متصرف ہو، اسم فاعل اسم مفعول یا مبالغہ کا صیغہ ہو) جیسے الاضارب زیداً ضربتاً۔

مصدر اصل ہے یا فعل؟

۱:..... بصرفین کا مسلک یہ ہے کہ مصدر اصل ہے اور فعل اور وصف ان سے مشتق ہیں و کونہ اصلاً الخ کا یہی مطلب ہے۔

۲:..... کو فہمین کا مسلک یہ ہے کہ فعل اصل ہے اور مصدر اس سے مشتق ہے اس لئے کہ فعل مصدر میں عمل کرتا ہے اور اس میں اثر کرتا ہے۔ اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ حرف بھی اسم پر داخل ہو کر اس میں اثر کرتا ہے۔ حالانکہ حرف اسم کیلئے اصل نہیں۔

۳:..... بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مصدر اصل ہے اور فعل اس سے مشتق ہے پھر وصف فعل سے مشتق ہے گویا وصف فرع الفرع ہے۔

۴:..... ابن طلحہ متوفی ۱۱۸ھ (جو محشری کے شیخ ہیں) فرماتے ہیں کہ مصدر اور فعل دونوں اصل ہیں اور ایک دوسرے سے مشتق نہیں۔

شارح فرماتے ہیں کہ صحیح پہلا مسلک ہے کہ مصدر ہی اصل ہے اس لئے کہ ہر فرع مختصم ہوتا ہے اصل کو اور زائد چیز کو یہاں بھی اسی طرح ہے چنانچہ فعل دلالت کرتا ہے مصدر اور زمان پر اور وصف دلالت کرتا ہے مصدر اور فاعل پر۔
ولكل وجه. والله اعلم۔

سِرْكِيذًا أَوْ نَوْعًا يُبِينُ أَوْ عَسَدًا

كَسِرْتُ سَيْرًا تَبِينُ مَسْرًا طَى وَشَد

ترجمہ:..... تاکیدی نوع یا عدد کو مصدر بیان کرتا ہے جیسے سِرْتُ الخ (سیرتین عدد اور

سیردی رشد نوع کی مثال ہے، میں دو دفعہ تلاہ اہمیت والے کی چال کی طرح)۔

(ش) المفعول المطلق يقع على ثلاثة أحوال كما تقدم:

أحدها: أن يكون مؤنكدا، نحو: "ضربت ضربًا"

الثاني: أن يكون مبيهاً للنوع، نحو: "سرت سیردی رشد" ہو "سرت سیرا احسنًا"

الثالث: أن يكون منبہاً للعدد، نحو "ضربت ضربة، وضربتین، وضربات"

ترجمہ و تشریح:

مفعول مطلق کی تین حالتیں:

پہلے بھی گزر گیا ہے کہ مفعول مطلق کی تین حالتیں ہیں۔ (۱) تاکیدی کیلئے ہو۔ جیسے ضربت ضربًا (۲) نوع کو بیان

کرتا ہو جیسے سِرْتُ سیردی رشد الخ (۳) عدد کو بیان کرنے والا ہو جیسے "ضربت ضربة ضربة، ضربات"

وَلَقَدْ يَسْرُوبُ عَنْهُ وَأَعْلَيْهِ ذُلٌّ

كَجِدِّ كَلِّ الْجِدَّةِ، وَالْفَرْحِ الْجَدَلِ

ترجمہ:..... اور کبھی مفعول مطلق سے نائب ہو کر آتی ہے وہ چیز جو اس پر دلالت کرے

جیسے جد الخ (بھر پور کوشش کر، خوب خوش ہو جا)

(ش) قد يَسْرُوبُ عَنْ الْمَصْدَرِ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ، كَكَلِّ وَبَعْضِ مَضَائِجِ إِلَى الْمَصْدَرِ، نَحْوُ: "جَدُّ كَلِّ الْجِدَّةِ"

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَلَا تَمِيلُوا أَكْلَ الْمِيلِ﴾ وَ"ضَرْبَةُ بَعْضِ الضَّرْبِ"

و كالمصدر المرادف لمصدر الفعل المذكور، نحو: "قعدت جلوسًا، والفرح الجدل" فالجلوس: نائب مناب القعود لمرادفته له، والجدل: نائب مناب الفرح لمرادفته له. وكذلك ينوب مناب المصدر اسم الإشارة، نحو: "ضربته ذلك الضرب" وزعم بعضهم أنه إذا ناب اسم الإشارة مناب المصدر فلا بد من وصفه بالمصدر، كما مثلنا، وفيه نظر؛ فمن أمثله سيبويه "ظننت ذاك" أي: ظننت ذاك الظن، فذاك إشارة إلى الظن، ولم يوصف به. وينوب عن المصدر - أيضًا - ضميره، نحو: "ضربته زيدًا" أي: ضربت الضرب ومنه قوله تعالى: ﴿لَا أَعْدِبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ﴾ أي: لَا أَعْدِبُ الْعَذَاب. وعدده، نحو: "ضربته [عشرين] ضربة" ومنه قوله تعالى: ﴿فاجلدوهم ثمانين جلدة﴾ والآلة، نحو: "ضربته سوطًا" والأصل: ضربته ضرب سوط، فحذف المضاف وأقيم المضاف إليه مقامه، والله تعالى أعلم.

ترجمہ و تشریح:

مفعول مطلق سے نائب ہونے والی چیزیں:

کبھی کبھار مصدر یعنی مفعول مطلق سے وہ چیز نائب ہو کر آتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے جیسے "کل" اور بعض "جب وہ مصدر کی طرف مضاف ہوں جیسے "جد كل الجدة" اور باری تعالیٰ کا یہ قول "فَلَا تَمِينُوا كُنْ أَلْمِيلِ" ضربتہ بعض الضرب۔

اسی طرح وہ مصدر بھی نائب ہو کر آتا ہے جو فعل مذکور کے مصدر کا مرادف ہو جیسے قعدت جلوسًا، والجدل یہاں جلوس، قعود کے قائم مقام ہے اور جدل، فرح کا ہے اسلئے کہ یہ دوسرے کے مرادف ہیں (الفاظ آہل ہیں اور معنی ایک ہیں)

اسی طرح مصدر کے قائم مقام اسم اشارہ بھی آتا ہے جیسے ضربتہ ذالك الضرب۔ بعض حضرات کا زعم ہے کہ جب اسم اشارہ مصدر کے قائم مقام آتا ہے تو اس صورت میں اس کو مصدر سے موصوف کرنا ضروری ہے یعنی مصدر کے کیلئے صفت لایا جائے گا۔ (شارح فرماتے ہیں) لیکن اس میں نظر ہے اس لئے کہ سیبویہ رحمہ اللہ کی ذکر کردہ مثالوں

ظننت ذاك اي ظننت ذاك الظن بجي آيا ہے۔ چنانچہ ذاک میں ظن کی طرف اشارہ ہے جبکہ وہ کسی شئی سے موصوف نہیں، نیز مصدر سے اس کی ضمیر بھی نائب ہو کر آتی ہے جیسے ضربتہ زیداً ای ضربت الضرب اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے ”لا اعدبہ احدًا من العالمين ای ”لا اعدب العذاب“

عدد بھی نائب ہو کر آتا ہے جیسے ضربتہ (عشرین) ضربتہ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”فاجلدوهم ثمانين جلدة“ یہاں بھی عدد نائب ہو کر آيا ہے۔ آ لہ بھی نائب ہوتا ہے جیسے ”ضربتہ سوطاً“ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام بنایا۔ واللہ اعلم۔

وَمَا تَسْوَكَ بِذُنُوبِهِمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ

وَلَنْ يَجْمَعَ غَيْرُهُ وَالْفَرْدُ

ترجمہ:..... جو مصدر تاکید کیلئے ہو اس کو ہمیشہ کیلئے مفرد لائیں اور اس کے علاوہ (یعنی

نوع، یا عدد) کو تثنیہ جمع لائیں یا مفرد۔

(ش) لایجوز تثنیة المصدر المؤكد للعامله، ولا جمعه، بل يجب إفراده الفعول ”ضربت ضرباً“، وذلك لأنه بمثابة تكرار الفعل، والفعل لا يثنى ولا يجمع.

و أما غير المؤكد - وهو المبين للعدد، والنوع - فذكر المصنف أنه يجوز تثنیته وجمعه.

فأما المبين للعدد فلا خلاف في جوار تثنیته وجمعه، نحو: ”ضربت ضربتين وضربات“

[و أما المبين للنوع فالمشهور أنه يجوز تثنیته وجمعه، إذا اختلفت أنواعه، نحو: ”سرت

سیری زید الحسن والقبیح]

وظاهر كلام سيويه أنه لا يجوز تثنیته ولا جمعه قياساً، بل يقتصر فيه على السماع،

وهذا اختيار الشلوبين.

ترجمہ و تشریح:

مصدر مؤكد صرف مفرد ہوگا:

جو مصدر مؤكد للعامل ہو اس کا تثنیہ جمع جائز نہیں بلکہ اس کا مفرد ہی نا واجب ہے جیسے ”ضربت ضرباً“ اس کی وجہ

یہ ہے کہ مفعول مطلق بمنزلہ تکرار فعل ہے اور فعل تشبیہ جمع نہیں ہوتا۔

اور جو مبین للعدد یا للنوع ہو تو اس کا تشبیہ جمع جائز ہے۔

مبین للعدد کے تشبیہ جمع بنانے کے جواز میں کمی کا اختلاف نہیں۔ جیسے ضربت ضربتین، ضربات

مبین للنوع کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ مختلف النوع ہونے کی صورت میں اس کا تشبیہ جمع مانا جائز ہے

جیسے سِرْتُ سِرِّي زَيْدَ الْحَسَنِ وَالْقَبِيحِ (یہاں دو قسم کی رفتار حسن اور قبح ہونے کی وجہ سے تشبیہ آیا ہے) اور

سیبویہ رحمہ اللہ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ قیاساً اس کا تشبیہ جمع جائز نہیں بلکہ سماع پر موقوف ہے شلوین رحمہ اللہ کا مختار

مسک بھی یہی ہے۔

وَعَدْفٌ هَامِلٌ الْمَوْكِدَ امْتِنَعٌ

وَلَيْسَ بِسِوَاةٍ لِلسَّلْبِ مُتَمَسِّعٌ

ترجمہ:..... تاکید والے مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا منع ہے اور اس کے

علاوہ (نوع اور عدد والے) میں واصل کی وجہ سے حذف کی گنجائش ہے۔

(ش) المصدر المؤكد لا يجوز حذف عامله؛ لأنه مسوق لتقرير عامله وتقويته، والحذف مخالف

لذلك.

وَأما غير المؤكد في حذف عامله للدلالة عليه؛ جوازاً، ووجوباً.

فالمحذوف جوازاً، كقولك: "سِرْتُ زَيْدًا" لمن قال: "أَي سِرْتُ سِرَّتْ" و"ضَرْبَتَيْنِ" لمن قال:

"كَمْ ضَرْبَتِ زَيْدًا؟" والتقدير: "سِرْتُ سِرَّتِي، وَضَرْبَتِي، وَضَرْبَتِي"

وقول ابن الحصيف: إن قوله: "وَحَدْفٌ هَامِلٌ الْمَوْكِدَ امْتِنَعٌ" سهو منه؛ لأن قولك

"ضَرْبًا زَيْدًا" مصدر مؤكّد، وعامله محذوف وجوباً - كما سيأتي ليس بصحيح، وما استدلل به

دعواه من وجوب حذف عامل المؤكّد [بما سيأتي] ليس منه، وذلك لأن "ضَرْبًا زَيْدًا" ليس

التأكيد في شيء بل هو أمر خالٍ من التأكيد بمشابهة "اضْرِبْ زَيْدًا" لأنه واقع مولعه، فكما أن "اضْرِبْ

زَيْدًا" لا تأكيد فيه، كذلك: "ضَرْبًا زَيْدًا"، وكذلك جميع الأمثلة التي ذكرها ليست من

التأكيد في شيء؛ لأن المصدر لكيها نائب المناب العامل، دال على ما يبدل عليه، وهو عوض منه،

على ذلك عدم جواز الجمع بينهما، ولاشئ من المؤكدات يجمع بينها وبين المؤكد.
ومما يدل أيضًا على أن "ضربًا زيدًا" ونحوه ليس من المصدر المؤكد لعامله أن المصدر
المؤكد لا خلاف في أنه لا يعمل، واختلفوا في المصدر الواقع موقع الفعل: هل يعمل أولاً؟ والصحيح
أنه يعمل، "زيدًا" في قولك: "ضربًا زيدًا" منصوب بـ "ضربًا" على الأصح، وليل: منصوب بالفعل
المحذوف، وهو: "اضرب"؛ فعلى القول الأول ناب "ضربًا" عن "اضرب" في الدلالة على معناه وفي
العمل، وعلى القول الثاني ناب عنه في الدلالة على المعنى دون العمل.

ترجمہ و تشریح:

مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا:

تاکید والے مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ یہ عامل کی تاکید اور اس کو ثابت کرنے کیلئے
آتا ہے حذف کی صورت میں یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے اور غیر مؤکد میں قرینہ اور دلالت کی وجہ سے عامل کو حذف کرنا جائز
ہے اور بعض جگہوں میں واجب بھی ہے۔

جوازا محذوف کی مثال "سیرَ زيدًا" اسی سیرَ سیرت کے جواب میں چونکہ سوال میں عامل سیرت ذکر ہے
اس وجہ سے جواب میں اس کو حذف کر سکتے ہیں "وَضْرِبْتِمْ" لَمَنْ قَالَ كَمْ ضْرِبْتِمْ زَيْدًا" والتقدير سیرت سیرَ
زيدًا، وَضْرِبْتِمْ ضْرِبْتِمْ.

وقول ابن المصنف الخ:

شارح نے یہاں مصنف پر ان کے بیٹے کے اعتراض کو نقل کر کے رد کیا ہے۔

مصنف کے بیٹے نے کہا ہے کہ والد صاحب سے "وحذف عامل المؤكد امتنع" کہنے میں سہو ہوا ہے اس
لئے کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مؤکد مصدر کے عامل کو حذف کرنا ممنوع ہے حالانکہ "ضربًا زيدًا" تاکید والا مصدر ہے
اس کے باوجود اس کا عامل وجوہا محذوف ہے، شارح فرماتے ہیں کہ مصنف کے بیٹے کا یہ کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ ضربًا
زيدًا تاکید کے باب سے نہیں بلکہ وہ ایک مستقل قسم ہے (اس لئے کہ مفعول مطلق تاکید ہی ہوتا ہے نوعی اور عددی بھی،
اور وہ بھی ہوتا ہے جو اپنے فعل سے نائب ہو کر آتا ہے) اضرب زيدًا کے قائم مقام ہے۔ پس جس طرح اضرب زيدًا

میں تاکید نہیں اسی طرح ضررنا زیدنا میں بھی نہیں۔

اسی طرح دیگر مثالیں جو مصنف کے بیٹے نے ذکر کی ہیں یہ سب تاکید کے باب سے نہیں اسلئے کہ ان میں عامل (فعل) کی جگہ قائم ہے اور فعل جس پر دلالت کرتا ہے اس پر مصدر بھی کرتا ہے الغرض یہ فعل کے عوض ہے یہی وجہ ہے اس عامل اور مصدر میں جمع جائز نہیں۔ چنانچہ ”اضرب ضررنا زیدنا“ نہیں کہا جاتا حالانکہ مؤکدات میں مؤکد اور مؤکد کے درمیان جمع ممتنع نہیں یعنی جائز ہے دوسری دلیل پیش کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ ایک قرینہ اس پر یہ بھی ہے تاکید والے مصدر میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ یہ عمل نہیں کرتا اور جو مصدر فعل کی جگہ قائم ہے اس میں اختلاف ہے کہ کرتا ہے یا نہیں؟ صحیح قول کے مطابق عمل کرتا ہے۔ چنانچہ ”ضررنا زیدنا“ میں زیدنا ضررنا کی وجہ سے منصوب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فعل محذوف (اضرب) کی وجہ سے منصوب ہے پہلے قول کے مطابق مصدر معنی پر دلالت کرنے عمل دونوں میں فعل کے نائب ہے اور دوسرے کے مطابق صرف معنی پر دلالت کرنے میں فعل کا نائب ہے۔ اگر ضررنا زیدنا میں تاکید ہوتی تو عمل وغیرہ میں کسی کا اختلاف نہ ہوتا۔ ”إِذْ لَيْسَ لَلنَّاسِ“

وَالْحَذْفُ حَمَمٌ مَّعَ آتٍ بَدَلًا

مِنْ فِعْلِهِ كَنَدَلًا أَلَّا كَانَ نَدَلًا

ترجمہ:..... اور عامل کا حذف کرتا یعنی ہے اس مصدر کے ساتھ جو اپنے فعل سے بدل ہو کر آئے جیسے نَدَلًا جو اَنْدَلُ فعل کی طرح ہے (نَدَلًا مثال کی پوری تشریح شرح میں آ رہی ہے)

(ش) يحذف عامل المصدر وجوباً في مواضع:

منها: إذا وقع المصدر بدلاً من فعله، وهو مقبوس في الأمر والنهي، نحو: ”قيامًا لافعودًا“ أي

[قيامًا] ولا تقعد [فعودًا]، والدعاء، نحو: ”سقيًا لك“ أي: سقاك الله.

وكذلك: يحذف عامل المصدر وجوباً إذا وقع المصدر بعد الاستفهام المقصود

التوبيخ، نحو: ”أتوانيا وقد علاك المشيب؟“ أي: أتوانيا وقد علاك.

ويقبل حذف عامل المصدر وإقامة المصدر مقامه في الفعل المقصود به الخبر، نحو: ”

وكرامة“ أي: واكرمك.

فالمصدر في هذه الأمثلة ونحوها منصوب بفعل محذوف وجوباً، والمصدر نائب منابه في الدلالة على معناه.

وأشار بقوله: "كندلا" إلى ما أنشده سيويه؛ وهو قول الشاعر:

۱۶۲- يَمُرُّونَ بِالذُّهْنِ خَفَافًا عِيَابُهُمْ

وَيَرْجِعْنَ مِنْ دَارَيْنِ تُجْرَ الحَقَائِبِ

عَلَى حِينِ أَلْهَى النَّاسَ جُلَّ أُمُورِهِمْ

فَنَدَلَا زُرَيْقُ المَالِ نَدَلَّ الشَّعَائِبِ

ف "ندلا" نائب مناب فعل الأمر، وهو اندل، والندل: خطف الشيء بسرعة، و"زريق" منادى، والتقدير: ندلاً يا زريق [المال]، وزريق اسم رجل، وأجاز المصنف أن يكون مرفوعاً بندلا، وفيه نظر؛ لأنه إن جعل "ندلا" نائباً مناب فعل الأمر للمخاطب، والتقدير "اندل" لم يصح أن يكون مرفوعاً به، لأن فعل الأمر إذا كان للمخاطب لا يرفع ظاهراً، فكذلك مناب منابه، وإن جعل نائباً مناب فعل الأمر للغائب، والتقدير: "لندل" صح أن يكون مرفوعاً به؛ لكن المنقول أن المصدر لا ينوب مناب فعل الأمر للغائب، وإنما ينوب مناب فعل الأمر للمخاطب، نحو: "ضرباً زيداً" أي: اضرب زيداً، والله أعلم.

جہاں مصدر کے عامل کو حذف کرنا ضروری ہے:

چند جگہیں ایسی ہیں جہاں مصدر کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔

(۱) جب مصدر فعل سے بدل ہو کر آئے (اور یہ امر ونہی اور دعا میں قیاسی ہے) تو وہاں عامل کو وجوباً حذف کیا جائے گا جیسے

قِيَامًا لِقَعْدَةِ أَيِّ قَوْمٍ قِيَامًا وَلَا تَقْعُدْ قَعْدًا۔

دعا کی مثال جیسے "سقيًا لك اي سفاك الله .

(۲) مصدر کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے جب مصدر ایسے استفہام کے بعد واقع ہو جس سے تو بیخ مقصود ہو جیسے اتوا نبیا

وَقَدْ عَلَاكَ المَشِيبُ "ای اتوالی الخ (کیا آپ اب بھی سستی کر رہے ہیں حالانکہ آپ پر بڑھا پا آ گیا ہے)

اور جس فعل سے خبر دینا مقصود ہو اس میں عامل کو حذف کر کے مصدر کو قائم مقام بنانا قلیل ہے جیسے افعل و کرامة، ای و اکرمک، ان مثالوں میں مصدر فعل محذوف (وجوباً) کی وجہ سے منصوب ہے۔

وَأَشَارَ بِقَوْلِهِ كَنْدَلًا الْخ:

”کندلا“ کہہ کر مصنف نے سیبویہ رحمہ اللہ کے پیش کردہ شعر کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۶۲- يَمْرُونَ بِالْدهْنِ اخْفَافًا عِيَابُهُمْ

وَيَرْجِعْنَ مِنْ دَارِ بَنِ بُجَيْرِ الْحَقَائِبِ

عَلَى حِينِ الْهَيْئِ النَّاسِ جُلْ أَمْوَرَهُمْ

فَبَدَلًا لِرِسْقِ السَّمَانِ لَدَلَّ الْفَعَالِبِ

ترجمہ:..... یہ چور لوگ دھنیا نامی مقام سے گزرتے ہیں اس حال میں کہ ان کے تھیلے ہلکے اور خالی ہوتے ہیں اور دار بن بن مقام سے لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کے تھیلے بھرے ہوتے ہیں (اور یہ چوری ایسے وقت پر کرتے ہیں) جب لوگوں کو ان کے بڑے کاموں نے غافل کیا ہوتا ہے (تو ایک دوسرے سے) کہتے ہیں اچک لے اسے زینتی مال کو جیسے کہ لومڑیاں بے خبری میں کرتی ہیں۔

تشریح المفردات:

یہ اعشی شاعر کا قول ہے اس میں وہ چوروں کی مذمت بیان کر رہے ہیں (يَمْرُونَ) نصرو سے جمع مذکر غائب، چوروں کی طرف اشارہ ہے (الدهن) نجد میں واقع بنو تمیم کا علاقہ ہے مذکر کے ساتھ بھی ہے اور بغیر مذکر بھی آتا ہے۔ یہاں بغیر مذکر ہے۔ (اخفأ) خفیف کی جمع ہے ہلکے ہلکے قرآن کریم میں ہے ”انفرو اخفأ“ و نقلاً“ (عیاب) عیبہ کی جمع ہے وہ تھیلا جس میں کپڑا یا کوئی اور توشہ رکھا جاتا ہے۔ (بجر) جمع بنو بجر کی ضمیر لصوص (چوروں) کی طرف بتاویل جماعہ“ کے راجع ہے یا چوروں کو عورتوں کے ساتھ عمارت کی وجہ سے مشابہت دینے کیلئے مؤنث کا صیغہ لایا گیا، یا یہ کہ جمع مؤنث کا لون بدل کر میں بھی معجازاً استعمال ہوتا ہے (دار بن) بحرین میں ایک جگہ ہے جہاں ہندوستانی منگ کو بیچا جاتا ہے (بجر) بجر اء کی جمع ہے جیسے حمر، حمر اء یعنی بھرا ہوا (الحقائب)

حقیقہ کی جمع ہے عیاب اور حقائق ایک ہیں (جمل) ہر چیز کا بڑا حصہ جمل کمل شی ای معظمہ (ندلا) ای لبقولون ندلاً۔

محل استشہاد:

(ندلا) محل استشہاد ہے اس کے عامل ”اندل“ کو جو بنا حذف کیا گیا ہے اس لئے کہ مصدر اس کے قائم مقام ہے۔ اور زریق منادئ ہے تقدیر عبارت ہے ندلاً یا زریق الملّ

قوله وأجاز الخ:

مصنف نے جائز قرار دیا ہے کہ زریق، ندلا کی وجہ سے مرفوع ہو (شاعر فرماتے ہیں) لیکن اس میں نظر ہے اسلئے کہ اگر ندلاً فعل امر مخاطب کی وجہ سے مرفوع ہے اور تقدیر عبارت اندل ہے تو پھر اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں اس لئے کہ فعل امر مخاطب اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا لہذا اس کا نائب بھی نہیں دے گا، اور اگر فعل امر مخاطب کی وجہ سے مرفوع ہے تو صحیح ہے لیکن مقول یہ ہے کہ مصدر فعل امر مخاطب کے قائم مقام آتالی نہیں بلکہ فعل امر مخاطب کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے ”ضربنا زیداً“ ای اضرب زیداً

وَمَا تَفْصِيلُ كَأَمَانُنَا

عَامِلُهُ يُحذفُ حَيْثُ عَنَّا

ترجمہ:..... جو مصدر تفصیل کیلئے ہو جیسے اماننا (قرآن کریم کی آیت کی طرف

اشارہ ہے) تو اس کے عامل کو حذف کیا جاتا ہے جہاں آ جائے۔ (عن ای

عرض)

(ش) يحذف أيضا عامل المصدر وجوباً إذا وقع تفصيلاً لعاقبة ما تقدمه، كقوله تعالى ﴿حَتَّىٰ إِذَا لَخِمْتُمْوَهُمْ فَشَدَّوَالْوَتَاقي فِيمَا مَنَابِعِدُوإِمَافِدَاءٍ﴾ فِيمَا، وَفَدَاءٍ، وَمَصْدَرَانِ مَنْصُوبَانِ بِفَعْلِ مُحذُوفٍ رَجُوبًا، وَالتَّقْدِيرُ - وَاللَّهِ أَعْلَمُ - فِيمَا تَمَنُونَ مِنَّا، وَإِمَاتَقِدُونَ فِدَاءً، وَهَذَا مَعْنَى قَوْلِهِ: "وَمَا تَفْصِيلُ - إِلَى

آخره" أي يحذف عامل المصدر المسوق للتفصيل، حيث عن، أي: عرض،

ترجمہ و تشریح:

صدر کے عامل کو جو بنا حذف کیا جائے گا جب وہ ما قبل کی تفصیل واقع ہو جیسے ”حتیٰ إذا انحنتموه“
فشدوا الوثاق فاما منابعد واما فداء آیت کریمہ میں ”منا“ اور ”فداء“ دونوں مصدر فعل محذوف کے ساتھ منصوب
ہیں ای تمنون منا واما تفدون فداء، (والتفصیل الخ) سے مصنف کی یہی مراد ہے۔

كَذَافًا كَرَّرَ وَذُو حَصْرٍ وَرَدَّ

نَائِبَ فِعْلٍ لِاسْمٍ عَيْنٍ اسْتِنْدَ

ترجمہ: اسی طرح (اس مصدر کا عامل بھی محذوف ہوگا) جو مکرر آئے یا حصر والا

آئے اس حال میں کہ وہ ایسے فعل کے قائم مقام ہو جو اسم ذات کی طرف منسوب ہو۔

(ش) ای: كذلك يحذف عامل المصدر وجوباً، إذا ناب المصدر عن فعل استند لاسم عين - أي
أخبر به عنه - وكان المصدر مكرراً أو محصوراً، أمثال المكرر: ”زيد سهر أسيراً“ والتقدير: زيد يسير
سيراً، فحذف ”يسير“ وجوباً لقيام التكرير مقامه، ومثال المحصور: ”ما زيد إلا سيراً“، و”إنما زيد
سيراً“ والتقدير: إلا يسير سيراً، فحذف ”يسير“ وجوباً لما في الحصر من التأكيد القائم مقام التكرير.
فإن لم يكرر ولم يحصر لم يجب الحذف، نحو: ”زيد سيراً“ والتقدير: زيد يسير سيراً، فإن
شئت حذف ”يسير“ وإن شئت صرحت به، والله أعلم.

ترجمہ و تشریح:

اس مصدر کے عامل کو بھی وجوباً حذف کیا جاتا ہے جو مصدر نائب ہو کر آئے ایسے فعل سے جو اسم ذات کی طرف
منسوب ہو۔ یعنی اس فعل کے ذریعہ سے اسم ذات سے خبر دی گئی ہو اور مصدر مکرر یا محصور ہو۔ مکرر کی مثال ”زيد يسير سيراً“
سيراً“ یہاں تقدیر عمارت ”زيد يسير سيراً“ تھی يسير کو حذف کیا وجوباً اس لئے کہ مکرر اس کے قائم مقام ہے۔
یہاں مصدر خبر واقع ہے زید سے (جو کہ اسم ذات ہے)

محصور کی مثال ما زيد إلا سيراً، إنما زيد سيراً ہے والتقدير إلا يسير سيراً، يسير کو حذف کیا اس
لئے کہ حصر میں تاکید ہوتی ہے جو مکرر کے قائم مقام ہے۔

اگر مصدر مکڑ اور محصور نہ ہو تو حذف واجب نہیں جیسے ”زیدٌ سیراً“ ای یسیرٌ سیراً“ آپ یسیرٌ کو حذف بھی کر سکتے ہیں اور ذکر بھی کر سکتے ہیں۔

وَمِنْهُ مَا يَدْخُلُ فِيهِ مُؤَكَّدًا
لِنَفْسِهِ، أَوْ غَيْرِهِ، فَالْمُبْتَدَأُ
نَحْوُ لَيْسَ عَلَيَّ الْفَتْحُ غُرْفًا
وَالثَّانِي كَ”ابْنِي أَنْتَ حَقًّا صِرْفًا“

ترجمہ:..... مصدر میں سے (جس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے) وہ بھی ہے
جس کو نحوی حضرات مؤکد لنفسہ یا لغیرہ کہتے ہیں۔ پس پہلی قسم جیسے ”لے علیٰ
الف حرفاً“ اور دوسری کی مثال جیسے ”ابنی انت حقاً صرفاً“

(ہی) ای: من المصدر المحذوف عامله وجوباً ما يسمى: المؤكد لنفسه، والمؤكد لغيره.

فالمؤكد لنفسه: الواقع بعد جملة لا تحتمل غيره، نحو: ”لے علی الف [حرفاً] ای: اعترافاً،
فاعترافاً: مصدر منصوب بفعل محذوف وجوباً، والتقدير: ”أعترف اعترافاً، ويسمى مؤكداً لنفسه:
لأنه مؤكداً للجملة قبله، وهي نفس المصدر، بمعنى أنها لا تحتمل سواه، وهذا هو المراد بقوله:
”فالمبتدأ“ ای: فالأول من القسمين المذكورين في البيت الأول.

والمؤكد لغيره: هو الواقع بعد جملة تحتمله وتحتمل غيره؛ فتصير بذكره تصافيه، نحو:
”أنت ابني حقاً“ فحقاً مصدر منصوب بفعل محذوف وجوباً، والتقدير: ”أحقه حقاً، وسمى مؤكداً
لغيره؛ لأن الجملة قبله تصلح له ولغيره؛ لأن قولك ”أنت ابني“ يحتمل أن يكون حقيقة، وأن يكون
مجازاً أعلى معنى: أنت عندي في الحنو بمنزلة ابني، فلما قال ”حقاً“ صارت الجملة نصافياً أن المراد
البنوة حقيقة، فتأثرت الجملة بالمصدر؛ لأنها صارت به نصافياً فكان مؤكداً لغيره؛ لوجوب مغايرة
المؤثر للمؤثر فيه.

ترجمہ و تشریح:

مؤکد لنفسہ، مؤکد لغیرہ کی تعریف

وہ مصدر جس کے عامل کو حذف کرنا ضروری ہے ان میں بعض کو مؤکد لنفسہ اور بعض کو مؤکد لغیرہ کہ

جاتا ہے۔

مؤکد لنفسہ اس کو کہتے ہیں جو ایسے جملے کے بعد واقع ہو جو اس کے علاوہ غیر کا احتمال نہ رکھتا ہو جیسے "لہ علی

الف عرفاً" (اس کے میرے اوپر ایک ہزار ہیں جس کا میں اعتراف کرتا ہوں) اعترافاً مصدر ہے اور فعل محذوف کی وجہ

سے منصوب ہے تقدیر عبارت یوں ہے۔ "اعترف اعترافاً" اور اس کو مؤکد لنفسہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ پہلے جملہ کے

تاکید ہے اور جملہ بعینہ نفس مصدر کے معنی میں ہے یعنی اعترافاً کا مطلب لہ علی الف ہی ہے یعنی ایک ہزار کا اعتراف

کرنا۔ (فالمعدا) سے یہی مراد ہے۔

مؤکد لغیرہ اس کو کہتے ہیں جو ایسے جملہ کے بعد واقع ہو جس میں اس جملہ کا بھی احتمال ہو اور غیر کا بھی ہو۔ جیسے

"انت ابنی حقاً" حقاً مصدر منصوب ہے فعل محذوف کی وجہ سے ای احقہ حقاً" اور اس کو مؤکد لغیرہ اس لئے کہتے ہیں

کہ اس سے پہلے جملہ میں اس کا بھی احتمال ہے اور غیر کا بھی اس لئے کہ انت ابنی حقلاً آپ میرے بیٹے ہیں اور میں

اس کو ثابت کرتا ہوں) میں یہ بھی احتمال ہے کہ حقیقی بیٹا مراد ہو اور مجازی بیٹا بھی مراد ہو سکتا ہے معنی یہ ہوگا آپ قریب ہونے

میں میرے بیٹے کی طرح ہیں جب "حقاً" کہا تو جملہ صریح ہو اس میں کہ مراد حقیقی بیٹا ہونا ہے اسی کو مؤکد لغیرہ کہتے ہیں اس لئے

کہ مؤثر اور مؤثر میں مغایرت ہو کرتی ہے۔ (چونکہ حقاً نے انت ابنی میں اثر کیا ہے تو حقاً مؤثر (بعینہ اسم فاعل) اور انت

ابنی مؤثر (بعینہ اسم مفعول) ہو اور مؤثر اور مؤثر میں مغایرت ہوتی ہے تو حقاً مؤثر (بعینہ اسم فاعل) اور انت

کذاک ذو التشبہ به بعد جملہ

ک "لسی بکاء ذات عضلہ

ترجمہ:..... اسی طرح تشبہ والا مصدر ہے جو جملہ کے بعد واقع ہو جیسے لی بکاء الخ

(ش) ای کذاک بجب حذف عامل المصدر إذا قصد به التشبہ به بعد جملة مشتملة علی فاعل

المصدر فی المعنی، نحو: "لزی بصوت صوت حمار، وله بکاء بکاء الشکلی" ف"صوت حمار"

صدر تشبیہی، وهو منصوب بفعل محذوف وجوباً، والتقدير: بصوت صوت حمار، وقبله جملة
 هي "لزید صوت" وهي مشتملة على الفاعل في المعنى وكذلك بكاء الفکلی، منصوب بفعل
 محذوف وجوباً، والتقدير: يبکی بكاء الفکلی.

فلولم یکن قبل هذا المصدر جملة وجب الرفع بنحو: "صوت صوت حمار، وبكاهه بكاء
 الفکلی" وكذلك لو كان قبله جملة [و] لمست مشتملة على الفاعل في المعنى بنحو: "هذا بكاء بكاء
 الفکلی، وهذا صوت صوت حمار"

ولم يعترض المصنف لهذا الشرط، ولكنه مفهوم من تشبيهه.

ترجمہ و تشریح:

اسی طرح (اس مصدر کے عامل کو حذف کیا جاتا ہے) جو تشبیہ والا ہوا اور ایسے جملے کے بعد واقع ہو جو معنی میں مصدر
 کے قائل پر مشتمل ہو جیسے "لزید صوت صوت حمار، لہ بکاء بکاء الفکلی (فکلی اس عورت کو کہتے ہیں جو
 پینے پینے کے کم ہو جانے کی وجہ سے پریشان ہو حدیث شریف میں بھی ہے "من عزی فکلی کسی ہر ذالی الجنة)
 یہاں صوت حمار مصدر تشبیہ والا ہے اور فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ای بصوت صوت
 حمار اور اس سے پہلے "لزید صوت" کا جملہ معنی میں قائل پر مشتمل ہے۔ (اس لئے کہ بصوت صوت حمار کا معنی
 ہے نہ کہ صحت کی طرح آواز نکالنا ہے اور لزید صوت میں بھی زید کیلئے گدھے کی طرح آواز نکالنا ثابت ہو رہا ہے کہ
 لزید صوت معنی میں قائل (زید) پر مشتمل ہے۔

اسی طرح بکاء الفکلی میں بھی فعل وجوباً محذوف ہے والتقدير "یبکی بکاء الفکلی"

اس مصدر سے پہلے اگر مستقل جملہ نہ ہو تو پھر اس کا رفع واجب ہے جیسے صوت صوت حمار الخ۔ اسی طرح
 اگر پہلے جملہ تو ہو لیکن وہ فاعل کے معنی پر مشتمل نہ ہو تو پھر بھی رفع واجب ہے جیسے هذا بکاء الخ (یہاں هذا بکاء میں
 معنی قائل نہیں ہے)

مصنف نے اس شرط کی طرف اگرچہ اشارہ نہیں کیا تاہم مصنف کی پیش کردہ مثال "لی بکاء بکاء ذات عضلة
 حمار ونا ایسا ہے جس طرح اس عورت کا ہے جو روک دی گئی ہے) سے یہ شرط مفہوم ہوتی ہے۔

وصلت الی هذا المقام قبیل فجر ۲۹ رمضان ۱۲۲۵ھ

المفعول له

يُنْصَبُ مَفْعُولًا لَهُ الْمُنْصَبُ إِذَا

لَيْسَ فِي الْمُنْصَبِ كَلِمَةٌ تُجْعَلُ مَعْكَسَةً وَأَدْنَى

وَقَدْ بَيَّنَّا فِي مَقَالَتِنَا فِي مَعْنَى مَعْكَسَةً

وَقَدْ بَيَّنَّا فِي مَقَالَتِنَا فِي مَعْنَى مَعْكَسَةً

فَاجْرُرْهُ بِمَعْنَى هِيَ، وَتَجْعَلُ مَعْكَسَةً

مَعَ الشَّرْطِ كُلِّ زَهْدٍ ذَا قَنْعٍ

ترجمہ..... مصدر کو نصب دیا جاتا ہے اس حالی میں کہ وہ مفعول لہ ہو اگر وہ علت کے معنی

کو ظاہر کرے جیسے جَدُّ شُكْرًا (شُكْرًا مفعول لہ ہے، آپ سخاوت کریں شکر کیلئے

اور بدل دیں) نیز برابرے عامل کے ساتھ وقت اور فاعل میں متحد ہو، اور ان میں سے کوئی

بھی شرط مفقود ہو تو پھر اس کو آپ حرف کے ذریعہ پھر کریں۔ اور ان شرط کے ہوتے

ہوتے بھی جڑ محسوس نہیں، جیسے لَزْهْدٍ ذَا قَنْعٍ (اس نے اس زہد کی وجہ سے قناعت

اختیاری)

(ش) المفعول له: هو المصدر، المفهوم عليه، المشارك لعامله: في الوقت، والفاعل، نحو: "جدُّ

شُكْرًا" فشُكْرًا: مصدر، وهو مفهوم للتعليل؛ لأن المعنى جد لأجل الشكر، ومشارك لعامله - وهو

"جد" - في الوقت؛ لأن زمن الشكر هو زمن الجود، وفي الفاعل؛ لأن فاعل الجود هو المخاطب

وهو فاعل الشكر، وكذلك: "ضربت ابني نادياً" فتأديباً: مصدر، وهو مفهوم للتعليل؛ إذ يضح أن يقع

في جواب "لم فعلت الضرب؟" وهو مشارك لضربت؛ في الوقت، والفاعل.

وحكمه جواز النصب إن وجدت فيه هذه الشروط الثلاثة - أعني المصدرية، وإبانة

التعليل، واتحاده مع عامله في الوقت والفاعل.

فإن فقد شرط من هذه الشروط تعین جره بحرف التعلیل، وهو اللام، أو "من" أو "ل" أو "فی" أو

الباء

فمثال ما عدت فيه المصدرية قولك: "جتك المسمن"

ومثال ما لم يتحد مع عامله في الوقت: "جتك اليوم لإكرام عيدنا" ومثال ما لم يتحد مع

عامله في الفاعل: "جاء زيد لإكرام عمرو له"

ولا يمتنع الجر بالحرف مع استكمال الشروط بنحو: "هذا قبح لزهدي"

وزعم قوم أنه لا يشترط في نصبه إلا كونه مضافاً، ولا يشترط لتجاهه مع عامله في الوقت

ولا في الفاعل، فجوزوا نصب "إكرام" في المثالين السابقين والله أعلم

ترجمہ و تشریح

مفعول لہ کی تعریف اور اس کے نصب کی شرطیں:

مفعول لہ وہ ہے جو مصدر ہو، علت کو بتانے والا ہو، اپنے عامل کے ساتھ وقت فاعل میں شریک ہو، مصنف نے

یہاں مفعول لہ کی مثال "جئت شکراً ودين" کے ساتھ دی ہے اس لئے کہ شکر مصدر ہے اور شکر ادا کرنے کی علت

سختاوت ذکر ہے اور یہ مصدر اپنے عامل کے ساتھ (جو کہ جئت ہے) بھی شریک ہے اور فاعل کے ساتھ بھی اس لئے کہ

سختاوت کا فاعل اور شکر کرنے کا فاعل مخاطب ہی ہے۔ اسی طرح ضربت اپنی تادیباً بھی ہے۔

وحکم النخ:

لگر مذکورہ بالا تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں تو مفعول لہ مصنف کی بیعت سے مصدر و ضربت ہوگا اور ان میں سے ایک شرط ہوگی

مفقود ہو جائے تو حرف کے ذریعہ اس کا مجرور ہونا ممکن ہوگا۔

۱..... مصدریہ ذاتی شرط فقور ہوا اس کی مثال جئتک المسمن ہے

۲..... عامل کے ساتھ وقت اس کے ساتھ نہ ہوئے کی مثال جئتک الیوم لإكرام عيدنا ہے یہاں (مجبوبت) کے ساتھ

آج اور اكرام کا وقت کل ہے)

۳..... عامل کے ساتھ فاعل میں متحد نہ ہونے کی مثال "جاء زيد لإكرام عمرو له" (جاء کا فاعل زید اور اكرام کا فاعل

(مرد ہے)

نیز اس طرح بھی ہوتا ہے کہ یہ تینوں شرائط موجود ہوتی ہیں پھر بھی جبر آجاتا ہے جیسے ”هذا القبع للهدی“ (زهد) میں تینوں شرطیں موجود ہیں پھر بھی حرف ج سے مجرور ہو گیا۔

بعض حضرات کے نزدیک نصب کیلئے ایک ہی شرط ہے جو کہ مصدریت ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا دو مثالوں میں انہوں نے اکرام کے نصب کو جائز قرار دیا ہے۔

وَقُلْ أَنْ يَصْحَبَهَا الْمَجْرَدُ
وَالْمَعْكُوسُ لَمْ يَصْحَبِ "ال" وَأَنْشَدُوا
لَا أَلْفَ الْجِنِّ عَنِ الْهَيْجَاءِ
وَأَلْفَ تَوَالِثِ زُمَرِ الْأَعْدَاءِ

ترجمہ:..... اور یہ قلیل ہے کہ الف لام کے ساتھ وہ مصدر آجائے جو الف لام کے بغیر ہو (مجرد کا معنی خالی) اور جس مصدر کے ساتھ الف لام ہے اس میں عکس ہے (یعنی ضربت ابنی لتأديب قلیل ہے یہاں لام کے ساتھ تأديب مصدر آیا ہے جو کہ لام سے خالی ہے اور ضربت ابنی لتأديب کثیر ہے یہاں لام کے ساتھ التأديب الف لام والا مصدر آیا ہے)

(ش) المفعول له المستكمل للشروط المتقدمة له لثلاثة أحوال: أحدها: أن يكون مجرداً عن الألف واللام والإضافة، والثاني: أن يكون محلياً بالألف واللام، والثالث: أن يكون مضافاً، وكلها يجوز أن تجر بـ"جرف الفعل"، لكن الأكثر فيما تجرد عن الألف واللام والإضافة النصب نحو: "ضربت ابنی تأديباً"، ويجوز جرّه؛ فنقول: "ضربت ابنی لتأديب" بوزعم الجزولي أنه لا يجوز جرّه، وهو خلاف ما صرح به النحويون، وما صاحب الألف واللام بعكس المجرد؛ فالأكثر جرّه بـ"جوز النصب"؛ فـ"ضربت ابنی لتأديب" أكثر من "ضربت ابنی لتأديب" بـ"مما جاء فيه منصوباً ما أنشده المصنف:

١٦٣ - لَا أَلْفَ الْجِنِّ عَنِ الْهَيْجَاءِ

البيت، فـ"الجن" مفعول له، أي: لا ألفة لأجل الجن، ومثله قوله:

۱۶۳- فَلَمَّتْ لِي بِهِمْ قَوْمًا إِزَارِكُوا
فَنُو الْإِهَارَةَ لِرَسَانَا وَرَكْبَانَا

وَأَمَّا الْمُضَافُ فَيَجُوزُ فِيهِ الْأَمْرَانِ - النَّصْبُ، وَالْجَرُّ - عَلَى السَّوَاءِ؛ فَيَقُولُ: "صَرَبْتُ ابْنِي تَأْدِيبَهُ، وَلِتَأْدِيبِهِ" وَهَذَا [قَدْ] يَفْهَمُ مِنْ كَلَامِ الْمُصَنِّفِ، لِأَنَّهُ لَمَّا ذَكَرَ أَنَّهُ يَقْلُ جَرُّ الْمَجْرُودِ وَنَصْبُ الْمُصَاحِبِ لِلْأَلْفِ وَاللَّامِ عَلِمَ أَنَّ الْمُضَافَ لَا يَقْلُ فِيهِ وَاحِدَهُمَا، بَلْ يَكْتَفِيهِ الْأَمْرَانِ، وَمِمَّا جَاءَ مَنْصُوبًا قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حُدُودَ الْمَوْتِ﴾، وَمِنْهُ قَوْلُهُ:

۱۶۵- وَأَغْفِرُ عَوْرَاءَ الْكَرِيمِ إِخَارَهُ
وَأَغْرِضُ عَنْ شَتْمِ اللَّئِيمِ تَكْرُمًا

ترجمہ و تشریح:

مفعول لہ جس میں مذکورہ بالا تین شرطیں پائی جائیں تو اس کے تین احوال ہیں ایک یہ کہ الف لام اور اضافت سے خالی ہو۔ دوم یہ کہ الف لام کے ساتھ ہو۔ سوم یہ کہ مضاف ہو ان میں سے ہر ایک میں حرف تظہیر کو داخل کر کے جر پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی یہ تینوں شرطیں نصب کیلئے ہیں مفعول لہ ہونے کیلئے نہیں اس مسلک کے مطابق حرف جر کے داخل ہونے کے بعد منصوب اگر چہ نہیں ہوگا لیکن مفعول لہ ہی کہلائے گا جبکہ جمہور کے مسلک کے مطابق یہ تینوں شرطیں پائی جائیں اور مجرور بحرف التظہیر ہو تو وہ مفعول لہ نہیں کہلائے گا بلکہ مفعول بہ ہوگا۔

لیکن جو مصدر الف لام سے خالی ہو اس میں نصب کثیر ہے جیسے صریت ابھی تادیباً اور اس کا جر بھی جائز ہے لیکن قلیل ہے مصنف کے قول "وَقُلْ أَنْ يَصْحَبَهَا الْمَجْرُودُ" کا یہی مطلب ہے جزوی رحمة اللہ کے نزدیک جر جائز نہیں لیکن یہ قول نحویوں کی تصریح کے خلاف ہے۔ البتہ جس مصدر کے ساتھ الف ہے وہ ما قبل کے برعکس ہے یعنی اس میں جر کثیر اور نصب قلیل ہے مصنف کے قول "وَالْعَكْسُ لِي مَصْحُوبُ أَلْ" کا یہی مطلب ہے۔
منصوب کی مثال مصنف کا پیش کردہ یہ شعر ہے۔

۱۶۴- لَا أَلْفُ الْبُحْرَيْنِ مَعِنِ الْهَيْجَاءِ
وَلَوْ تَمَّوَالِيسُ زَمَّهْرُ الْأَعْدَاءِ

ترجمہ:۔۔۔۔۔ میں بزدلی کی وجہ سے لڑائی سے بچنے نہیں چاہتا تھا اگرچہ دشمنوں کی جماعتیں
پے درپے آجائیں۔

تشریح المفردات:

(لا اعداء) کہا جاتا ہے لعد عن الحرب جنگ سے بچنے ہونا، سستی کرنا، انکار کرنا (الجبن) بزدلی (ہیجاء)
جنگ (زمر) زاء کے ساتھ اور میم کے ساتھ زمرہ کی جمع ہے یعنی جماعت جیسے عرق جمع ہے عرقہ کی۔
محل استشہاد:

(الجبن) محل استشہاد ہے یہ مفعول لہ واقع ہے الف لام کے ساتھ للجبن ہونا چاہیے تھا لیکن الف لام کے ساتھ
پھر بھی منصوب آیا ہے۔

فائدہ:۔۔۔۔۔ مفعول لہ معرفہ واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ جری رحمہ اللہ کے ہاں چونکہ یہ حال اور تمیز کی طرح ہے اس لئے مکرہ ہی
واقع ہوگا معرفہ واقع ہونا صحیح نہیں۔

جبکہ یہ جو یہ رحمہ اللہ کے ہاں مفعول لہ کا معرفہ واقع ہونا صحیح ہے وہ عرب کے اشعار سے استدلال کرتے ہیں ہجران
کریم میں معرفہ آیا ہے "من الصواعق حذر السموات" (اگرچہ مہر کے نزدیک چونکہ یہ حرف تلیل کی وجہ سے محذوہ ہے
اس وجہ سے اس کو مفعول لہ کہنا صحیح نہیں) بقا ہر حیو یہ رحمہ اللہ کا مسلک قوی معلوم ہوتا ہے "والحق احق ان یتبع"
اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۶۴۔۔۔۔۔ كَلَيْتَ لِي بِهِمْ لَوْ مَا إِذَا رَكِبُوا

لَوْ - الْأَعْيَارُ - لَوْ سَانَا - وَرَكِبَانَا

ترجمہ:۔۔۔۔۔ کاش میرے سنے اپنی قوم کے بدلے ایک اور قوم ہوتی جب وہ سوار ہوتی تو
لوٹ مار اور حملہ کیلئے ادھر ادھر تقسیم ہو جاتی گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر

تشریح المفردات:

(بہم) میں باء بدل کے لئے ہے ای بدلہم (سناوا) ضرب سے تقسیم کرنا، حملہ کرنا (الاعیار) لوٹ مار حملہ
کرنا (فرسانا) فارس کی اور رکیان راکب کی جمع ہے گھوڑے پر سوار کو فارس کہتے ہیں اور راکب عام ہے کہ

سواری پر سوار کو کہا جاسکتا ہے یہاں اونٹ پر سوار ہونے والا مراد ہے۔

شان و رود:..... فریڈ بن انیف کا شعر ہے ذہل بن شیبان کی قوم کے ایک شخص نے شاعر سے اس کے اونٹ زبردستی لئے، شاعر نے اپنی قوم سے مدد مانگی لیکن وہ مقابلہ سے عاجز آگئی اپنی قوم کو چھوڑ کر بنو مازن سے مدد مانگی تو بنو مازن نے اس کی مدد کر کے اس کے اونٹ چھڑا لئے شاعر نے یہ شاعر کے دیوان حماسہ کی ابتداء ہی ان کے اشعار سے ہوتی ہے پہلا شعر صرف ملاحظہ فرمائیں۔

لو كنت من مازن لم تستح ابي

بيو البقيطة من ذهل بن شيبان

الى آخر هذه الابيات :-

ان اشعار میں یہ بنو مازن کی تعریف اور اپنی قوم کی مذمت بیان کر رہا ہے۔

محل استشہاد:

(الاغارة) محل استشہاد ہے یہاں مفعول لہ منصوب ہے باوجود اس کے کہ اس کے ساتھ الف لام بھی ہے۔ واضح رہے کہ جرئی رحمہ اللہ کے خلاف اس شعر کو پیش کیا جاسکتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مفعول لہ معرفہ واقع نہیں ہوتا سئلے کہ یہاں (الاغارة) معرفہ ہے پھر اس کے جواب میں ان کا یہ کہنا کہ الف لام زندہ ہے کمزور قول ہے فلا تلعنت اللہ۔

اما المضاف الخ:

جو مفعول لہ مضاف استعمال ہو اس میں نصب، جر دونوں جائز ہیں۔ چنانچہ ضربت ابنی تادیبہ، لغادیبہ دونوں پڑھ سکتے ہیں، مصنف کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ مصنف نے جب یہ ذکر کیا کہ الف لام سے خالی صدر کا جر اور الف لام والے کا نصب قلیل ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ مضاف میں دونوں قلیل نہیں ہیں۔ منصوب آنے کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

”يجعلون اصابعهم في آذانهم من الصواعق حذر الموت (حذر الموت) محل استشهاد۔
اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۶۵- وَأَغْفِرُ غَوْرَاءَ الْكَرِيمِ اَذْخَارَهُ

وَأَغْرِضُ عَنْ شَعْمِ اللَّسِيمِ نَكْرَمًا

ترجمہ:..... اور میں درگزر کرتا ہوں شریف آدمی کی بری بات سے تاکہ اس کو اپنے لئے ذخیرہ بنا دوں (یعنی ضرورت کے وقت اس سے فائدہ اٹھالوں، یا اس کی دوستی کو برقرار رکھوں) اور میں اعراض کرتا ہوں کمینہ کی گالی سے مہربانی کرتے ہوئے۔
یہ شعر مشہور زمانہ مخی حاتم طائی کا ہے۔

تشریح المفردات:

(اغفر) صواب سے بخشنا، درگزر کرنا (عوداء) بری اور غیر مناسب بات (اللسیم) کمینہ، خبیث، انفسر (نکرمًا) مہربانی کرنا۔

محل استشهاد:

(اذخارہ) محل استشهاد ہے مفعول لہ واقع ہے اور منصوب ہے باوجودیکہ مضاف ہے۔

المفعول فيه وهو المسمى ظرفاً

الظرف وقت أو مكان، مُنْبا

”فی“ باطراد، كُنْنا امْكُثْ اَزْمَنا

ترجمہ:..... ظرف وہ وقت یا مکان ہے جو فی کے معنی کو محض من ہو قیاسی طور پر جیسے

ہنا الخ (یہاں توڑی دیر کیلئے ٹھہرا، ہنا ظرف مکان اور از منّا ظرف زمان کی

مثال ہے)

(ش) عَرِكَ المصنف الظرف بانه: زمان أو مكان ضمن معنى ”فی“ باطراد، نحو: ”امكث هنا أزمنّا“
 فهنا: ظرف مكان، وأزمنّا: ظرف زمان، وكل منهما متضمن معنى ”فی“؛ لأن المعنى: امكث في هذا
 الموضوع [و] في أزمن واحترز بقوله: ”ضمن معنى في“ مما لم يتضمن من أسماء الزمان أو المكان
 معنى ”فی“ كما إذا جعل اسم الزمان أو المكان مبعداً، أو عبراً، نحو: ”يوم الجمعة يوم مبارك،
 ويوم عرفة يوم مبارك، والدار لزيد“ فإنه لا يسمى ظرفاً والحالة هذه، وكذلك ما وقع منهما
 مجروراً، نحو: ”سرت في يوم الجمعة“ و”جلست في الدار“ على أن في هذا ونحوه خلافاً في
 تسميته ظرفاً في الاصطلاح، وذلك ما نصب منهما مفعولاً به، نحو: ”بنيت الدار، وشهدت يوم
 الجمل“

واحترز بقوله: ”باطراد“ من نحو: ”دخلت البيت، وسكنت الدار، وذهبت الشام“ فإن كل
 واحد من ”البيت، والدار، والشام“ متضمن معنى ”فی“ ولكن تضمنه معنى ”فی“ ليس مطرداً؛ لأن
 أسماء المكان المختصة لا يجوز حذف ”فی“ معها؛ فليس ”البيت، والدار، والشام“ في المثل منصوبة
 على الظرفية، وإنما هي منصوبة على التشبيه بالمفعول به؛ لأن الظرف هو: متضمن معنى ”فی“
 باطراد، وهذه متضمنة معنى ”فی“ لا باطراد.

هذا التقرير كلام المصنف، وفيه نظر؛ لأنه إذا جعلت هذه الثلاثة ونحوها منصوبة على التشبيه
 بالمفعول به لم تكن متضمنة معنى ”فی“؛ لأن المفعول به غير متضمن معنى ”فی“؛ فكذلك ما شبه

به؛ فلا یحتاج إلی قوله: "باطراد" لیخرجها؛ فإنها خرجت بقوله "ما ضمن معنی فی" واللہ تعالیٰ اعلم.
طرف مفعول فیہ کی تعریف

مصنف نے طرف کی تعریف کی ہے کہ طرف وہ زمان یا مکان ہے جو "فسی" کے معنی کو قیاسی طور پر متضمن ہو جیسے "امکت ہنا ازمننا" (ہنا) طرف مکان اور (ازمننا) طرف زمان ہے۔ یہ دونوں فی کے معنی کو متضمن ہیں اس لئے کہ تقدیر عبارت یوں ہے "امکت فی ہذا الموضع، فی ازمن" "ضمن معنی فی" کہہ کر ان اسمائے زمان و مکان سے احتراز کیا جو "فسی" کے معنی کو متضمن نہ ہو۔ مثلاً یہ کہ اسم زمان یا مکان کو مبتدا خبر بنا یا جائے جیسے: یوم الجمعة یوم مبارک، یوم عرفة یوم مبارک، الدار للذیذ اس حالت میں ان کو طرف نہیں کہا جاتا اس لئے کہ یہ "فی" کے معنی کو متضمن نہیں ہیں۔

اسی طرح "سرت فی یوم الجمعة، جلست فی الدار" بھی ہے۔ (شارح فرماتے ہیں) مجہذا اس کو طرف کہنے میں نحو یوں کا کچھ اختلاف بھی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں "فی" ذکر ہے اس لئے تضمن معنی فی نہ پائے جانے کی وجہ سے طرف نہیں اور بعض اس کو مجازاً اظرف کہتے ہیں۔ وکذلک مانصب منہما مفعولاً بہ الخ۔ (باطراد) کہہ کر "دخلت البیت" سکت الدار، ذہبت الشام سے احتراز کیا اس لئے کہ بیت، دار، شام اگرچہ "فی" کے معنی کو متضمن ہیں۔ لیکن یہ تضمن قیاسی نہیں اس لئے کہ یہ (بیت، دار، شام) اسماء مکان محض ہیں اور اسمائے مکان محض سے "فی" کو حذف کرنا صحیح نہیں۔

پس بیت، دار، شام منصوب بنا بر طرفیت نہیں بلکہ اس وجہ سے منصوب ہیں کہ یہ مفعول بہ کے مشابہ ہیں اس لئے کہ طرف وہ ہوتا ہے جو "فی" کے معنی کو قیاسی طور پر متضمن ہو جبکہ ان کا متضمن قیاسی نہیں۔

شارح فرماتے ہیں کہ مصنف کے کلام کا یہی حاصل ہے لیکن اس میں اشکال ہے اسلئے کہ ان تینوں کو اگر مفعول بہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب قرار دیا جائے تو یہ "فی" کے معنی کو متضمن ہی نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ مفعول خود "فی" کے معنی کو متضمن نہیں ہوتا تو اس کا مشابہ بھی نہیں ہوگا۔ تو اطراد کی قید کی ضرورت نہیں کی کہ ان تینوں کو نکالا جائے "ما ضمن معنی فی" کے ساتھ خود بخود یہ نکل گئے۔ واللہ اعلم۔

فانصبته بسا لواقع فيه مظهرا

كان والافانوه منقادرا

ترجمہ: میں آپ مفعول لے کر نصب دین میں اس عامل سے جو میں میں واقع ہو ظاہر ہو اگر کتاب میں کو مقدمہ بیان میں۔

(ش) حکم مباحث من تعنی "لغی" من اسماع الزمان والمکان، المصنوب، والناسیب له ما واقع فيه، وهو المصدر، نحو: "عجبت من ضریک زیذا، یوم الجمعة، عند الآخر"، أو الفعل، نحو: "ضربت زیذا، یوم الجمعة، أمام الأمير"، أو الوصف، نحو: "أناضرب زیذا، یوم، عندک".

وظاهر کلام المصنف أنه لا ينصبه إلا الواقع فيه فقط، وهو المصدر، وليس كذلك، بل ينصبه هو وغيره: كالفعل، والوصف.

والنصيب له إمام مذکور كما مثل، أو مخلوف، جوارا، نحو ان يقال: "متى جئت؟" فتقول: "یوم الجمعة"، و"کم سرت؟" فتقول: "فرسخین" والتقدير: "جئت یوم الجمعة، وسرت فرسخین".
لأو جوبنا، كما ان واقع الطرف صفة، نحو: "ضربت برجل عندک"، أو صلة، نحو: "جاء الذى عندک"، أو حالا، نحو: "ضربت برجل عندک"، أو خبرا الى المجرى أو فى الأصل، نحو: "زیدا عندک، وظننت زیذا عندک".

فانصبا فى هذه الظروف ومخلوف وجوبا فى هذه المواضع كلها، والتقدير فى غير الصلة "استقر" أو "سند" وفى الصلة "استقر" لأن الصلة لا تكون إلا جملة، والفعل مع فاعله جملة، واسم الفاعل مع فاعله ليس بجملة، والله اعلم.

ترجمہ و تشریح:

ظرف کا عامل:

جو "فسی" کے معنی کو حکم من ہوا اسمائے زمان یا مکان میں سے، تو اس کا حکم منصوب ہوتا ہے۔ اس کا نائب یا تو صدر ہوگا۔ جیسے "عجبت من ضریک زیذا، یوم الجمعة، عند الأمير"، یا فعل ہوگا جیسے "ضربت زیذا، یوم الجمعة، أمام الأمير یا وصف ہوگا جیسے "أناضرب زیذا، یوم، عندک"۔

شارح مصنف پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مصنف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو نصب دہ والا صرف مصدر ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ فعل اور وصف بھی اس کیلئے ناصب ہیں جس طرح مثالوں میں گزر گیا۔
 حاشیہ میں اس کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ظرف میں جو واقع ہوتا ہے وہ حدث ہے اور مصدر حدث پر دلالت کرتا ہے مطابقت اور فعل اور وصف دلالت کرتے ہیں حدث پر بطریقہ تفضیلت، تو مصنف کے کلام کو اس محمول کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مطابقت اور تفضیلت دونوں پر ظرف کو حمل کیا ہے۔ اسی طرح اس میں فعل اور وصف دونوں آجاتے ہیں۔ لہذا شارح کے اعتراض کی کوئی خاص وجہ نہیں۔

والنَّاصِبُ لَهُ أَمَامَهُ كَوَرِّ الْخ:

مفعول فیہ یعنی ظرف کو نصب دینے والا عامل یا مذکور ہوگا جس طرح گزر گیا اور یا جواز امحذوف ہوگا جیسے جائے ”متی جئت“ اور آپ کہیں یوم الجمعة، اسی طرح ”فرسخین“ کہا جائے گا کم سرت کے جواز میں۔

کبھی اس کا حذف وجوبی ہوتا ہے یا اس طور کہ ظرف مفت واقع ہو جائے جیسے ”سردت ہرجلی عندک یا صلہ واقع ہو جیسے ”جاء الذی عندک“ یا حال ہو جیسے ”سردت بزید عندک“ یا فی الحال خبر ہو جیسے ”زید عندک“ یا اصل کے اعتبار سے خبر ہو جیسے ”ظننت زیداً عندک“۔

عامل ان تمام ظروف میں وجوباً حذف ہے صلہ کے علاوہ میں فعل (استقر) اور اسم (مستقر) دونوں مقرر مانا جاسکتا ہے۔ لیکن صلہ میں ضروری ہے کہ اس کا ناصب فعل (استقر) ہو اس لئے کہ فعل فاعل ملکہ جملہ ہوتا ہے اور صلہ کیلئے جملہ ہونا ضروری ہے۔ اور اسم فاعل فاعل کے ساتھ پورا جملہ نہیں ہوتا۔

وَكُلٌّ وَقَبْلُ فَايِلُ ذَاكَ، وَمَا

يَقْبُلُهُ الْمَكَانُ الْأَمِيَّهُ مَا

نَحْوُ الْجِهَاتِ وَمَا

صِيغٌ مِنَ الْفِعْلِ كَمَرْمِي مِنْ رَمِي

ترجمہ:..... اور ہر اسم زمان نصب کو قبول کرتا ہے، اور اسم مکان نصب کو قبول نہیں کرتا
مگر اس وقت جب وہ ہم ہو جیسے جہات اور مقدار اور وہ جو فعل سے بتائے گئے ہیں
مَرْمِي جَور مِي سے ماخوذ ہے۔

(یعنی) أن اسم الزمان يقبل النصب على الظرفية: مبهما كان، نحو: "سرت لحظة، وساعة" أو
مختصاً: إما بإضافة، نحو: "سرت يوم الجمعة"، أو بوصف نحو: "سرت يومًا طويلاً" أو بعدد، نحو:
"سرت يومين"

وَأما اسم المكان فلا يقبل النصب منه إلا نوعان؛ أحدهما: الضميمة،
والثاني: ما صيغ من المصدر بشرطه الذي سنذكره وهو المبهمة كالجهات [الست]، نحو:
"سرت فوق البيت"، [ويمين، وشمال] وأمام، وخلف" ونحو هذا، كالمقادير، نحو: "غلوقة، وميل، وفرسخ،
زيد" تقول: "جلست فوق الدار، وسرت غلوقة" فتتصبا على الظرفية.

وَأما ما صيغ من المصدر، نحو: "مجلسي زيد يومه" فشرط نصبه - قياساً - أن يكون عاملاً
في لفظه، نحو: "لعدت مقعد زيد، وجلست مجلس عمرو" فلو كان عاملاً من غير لفظه تعين جرّه
، نحو: "جلست في مرمى زيد"؛ فلا تقول: "جلست مرمى زيد" إلا شلوذاً.

ومما ورد من ذلك قولهم: "هو منى مقعد القابلة، ومزجر الكلب، ومناط الثريا" أي: كائن
بعد القابلة، ومزجر الكلب، ومناط الثريا، والقياس: "هو منى في مقعد القابلة، وفي مزجر الكلب،
في مناط الثريا" ولكن نصب شلوذاً، ولا يقاس عليه، خلافاً للكسائي، وإلى هذا أشار بقوله:

وشرط كون ذا مقيساً أن يقع
ظرفاً لما في أصله معه اجتماع

أي: وشرط كون نصب ما اشتق من المصدر مقيساً: أن يقع ظرفاً لما اجتماع معه في أصله،
أن ينتصب بما يجمعه في الاشتقاق من أصل واحد، كجماعة: "جلست" ب"مجلس" في
اشتقاق من الجلوس؛ فأصلهما واحد، وهو: "الجلوس"

وظاهر کلام المحدثف أن المصنف ایرو ما صیغ من المصدر منهما، أما المقدیر فمذهب الجمهور أنها من الظروف المبهمة، لأنها وإن كانت معلومة المقدار فهي مجهولة الصفة، وذهب الأستاذ أبو علی الشلوبین إلى أنها ليست من [الظروف] المبهمة؛ لأنها معلومة المقدار، وأما ما صیغ من المصدر فيكون مبهما نحو: "جلست في مجلسنا" و"جلسنا"، نحو: "جلست مجلسي" و"جلسنا". وظاهر كلامه أيضا أن "مرمي" مشتق من رمى، وليس هذا على مذهب البصريين؛ فإن ما ذهب إليه أنه مشتق من المصدر، لا من الفعل.

وإذا تقرر أن المكان المنطوق به هو: ما له لفظاً تعويديه لا ينصب ظرفاً، فاعلم أنه لم يسمع نصب كل مكان مخصوص مع "دخل" أو "سكن" أو "العشي" أو "المساء" مع "ذهب" أو "دخلت البيت"، وسكنت الدار، وهنيت الشام، واحتفلت الناس في ذلك، فقل: هي منصوبة على الظرفية لتلويذاً، وقيل: منصوبة على إسقاط حرف الجر والوصول "دخلت في الدار" فحذف حرف الجر، فاصبحت الدار مفعولاً "مورثاً" وقيل: منصوبة على التقديم بالمفعول به.

ترجمہ و تشریح:

اسم زمان اور اسم مکان کے نصب کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ اسم زمان مطلقاً نصب بنا بر ظرفیت کو قبول کرتا ہے چاہے بہم ہو یا قطع، بہم کی مثال "سرت لحظة وساعة" (میں تھوڑی دیر چلا، اس تھوڑی دیر میں ابھام ہے) مختص بالاضافة کی مثال "سرت يوم الجمعة"، مختص بالوصف کی مثال "سرت يوم طويلاً"، مختص بالعدد کی مثال "سرت يومين" اسم مکان میں سے نصب بنا بر ظرفیت کو صرف دو قسمیں قبول کرتی ہیں۔ ایک قسم بہم ہے جیسے جہات ست (چھ عین) فوق، تحت، یمنین، شمال، أمام، خلف۔ اور مقدار (یہ بھی مہمات میں داخل ہیں مزید واضح آگے آرہی ہے) جیسے غلوة، میل، فرسخ، ہرید، چنانچہ آپ کہیں گے جلست فوق الدار، سرت غلوة۔ (غلوة میں سوار، میل دس غلوة اور فرسخ میں میل اور ہرید چار فرسخ کہلاتے ہیں وہی اقوال آخر گمافی الحاشیة)

اسم مکان میں سے نصب بنا بر ظریف کو قبول کرتے ہیں اور دوسری قسم وہ اسم مکان ہے جو ضرورت سے بنائے گئے ہوں جیسے مجلس، جمعہ، دوام، مکان، میں، منصوبہ، بلدیہ، قریبت ہیں۔ (چنانچہ جلسہ مجلس ولیدہ، انعقاد ولیدہ کہا جاتا ہے)

لیکن اس قسم کیلئے شرط یہ ہے کہ ان کا عامل ان کے لفظ ہی سے ہو جیسے مذکورہ دونوں جملوں میں ہے اگر عامل ان کے لفظ سے نہ ہو تو ان کا مجرور ہونا "فی" کے ساتھ ہونا چاہیے۔ "مجلس علی من لیس ولیدہ" (یہاں چونکہ مری کا عامل جلسہ من غیر لفظ ہے لہذا اس کا مجرور ہونا "فی" کے ذریعے متعین ہے)۔

یہاں اعتراض وارد ہوتا ہے کہ "ہو جی، مقصد اللہ لعلہ اعز جو علی الکلب"۔ معنایا "قریباً جس میں کلبوں میں عامل من لفظ نہ صحت کے باوجود نصب آیا ہے۔" علامت اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کتب غرور و اہل پر ہاٹی کو قیاس نہیں کیا جاتا بلکہ اگرچہ انہم کہلی وجہ اللہ کائن میں اکتفا ہے۔

سطلان معنی لقمہ صندل لقمہ، جراجا انجمن کونجی ہیں اور ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں میرے ہے یعنی قریباً ہیں جس طرح بچہ کی ولادت کے وقت ساتھ بیٹھنا یا بیٹھنا تو یہ ہوتی ہے اور فلاں معنی منجز الکلب لکن اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں مجھ سے اتنا دور ہے جس طرح وہ جگہ دور ہوتی ہے جہاں کتے کو بھاگایا جاتا ہے مقصود ان کا ہے۔

ممنوع ہے اور "فلاں معنی مناط الثریا" (ثریا یا ثراہ و کلام ہے) سے بھی بعد کی طرف اشارہ کیا مقصود ہوتا ہے۔

اس شرط کی طرف مصنف نے اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔
وشرط کون ذام مقیسا ان یقع
ظرفا لسانی اصلہ معہ اجتمع
ترجمہ:..... جو مصدر سے مشتق ہوں ان کے نصب کی شرط قیاسیہ ہے کہ وہ ظرف واقع ہو ایسے فعل (عامل) کیلئے جس کے ساتھ یہ اصل میں جمع ہو۔

(ش) ای: وشرط کون نصب ما اشتق من المصدر مقیسا: ان یقع ظرفا لما اجتمع معہ فی اصلہ، ای: ان

یلتصبا بما اجتمع علی الاشتقاق من اصل واحد کما جملة بالجلسة من "مجلس علی الاشتقاق من

الجلوس" فاصلہما واحد ہونہ "الجلوس"

وظاهر کلام المصنف أن المقادیر وما صیغ من المصدر مهمان؛ أما المقادیر فمذهب الجمهور أنها من الظروف المبهمة، لأنها وإن كانت معلومة المقدار فهي مجهولة الصفة، وذهب الأستاذ أبو علي الشلوبين إلى أنها ليست من [الظروف] المبهمة؛ لأنها معلومة المقدار، وأما ما صیغ من المصدر فيكون مهمماً، نحو: "جلست مجلساً" ومختصاً، نحو: "جلست مجلس زيد" وظاهر كلامه أيضاً أن "مرعى" مشتق من رمى، وليس هذا على مذهب البصريين؛ فإن مذهبهم أنه مشتق من المصدر، لأن الفعل.

وإذا تقررت أن المكان المختص - وهو حاله الظار تحويه - لا ينتصب ظرفاً، فاعلم أنه سمع نصب كل مكان مختص مع "دخل" و"سكن" ونصب "الشام" مع "ذهب" نحو: "دخلت البيت، وسكنت الدار، وذهبت الشام" واختلف الناس في ذلك، فقبل: هي منصوبة على الظرفية شلوذاً، وقبل: منصوبة على إسقاط حرف الجر، والأجل "دخلت في الدار" لحذف حرف الجر، فانصب الدار، نحو: "مررت بهذا" وقبل: منصوبة على التشبيه بالمفعول به.

ترجمہ و تشریح:

یعنی مصدر سے مشتقات (جیسے مجلس، جلوس سے مشتق ہے) کے قیاسی طور پر نصب کیلئے شرط یہ ہے کہ یہ ایسے فعل (عالم) کے ذریعہ منصوب ہوں کہ جس کے ساتھ یہ ایک اصل (اصل سے مراد مادہ ہے نہ کہ مصدر) سے مشتق ہونے میں جمع ہوں یعنی ان کا فعل اور خود یہ ایک مصدر سے مشتق ہوں (العدت مقلد زید، جلست مجلس زید والی مثال میں بھی اس شرکائی طرف اشارہ ذکر ہوا) جیسے جلست مجلس کے ساتھ جلوس سے مشتق ہونے میں شریک (جمع) ہے۔

وظاهر کلام المصنف:

مصنف نے متن میں "وما يقبله المكان الأمهتان نحو الجهات والمقادير وما صيغ من الفعل" کہا تھا شارح فرماتے ہیں کہ مصنف کے اس ظاہری کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقادیر اور جو مصدر سے بنائے جاتے ہیں دونوں قسم کے اسم مکان مہمات میں داخل ہیں (اس لئے کہ ما صیغ من الفعل، المقادیر پر عطف ہے

اور معطوف معطوف علیہ حکم میں برابر ہوتے ہیں حالانکہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ وہ ہے جو اختلاف ہے، جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ ظروف مجہول ہیں مقدار اگرچہ ان کا معلوم ہے (مثلاً اس سے پہلے گزر گئی مثلاً غلوۃ تین سو گز ہے وغیرہ) لیکن یہ صفت کے اعتبار سے مجہول ہیں (اس لئے کہ ان کا مطلق معنی نہیں ہے) اور اسٹاز ابوعلی اہلہ بن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ظروف مجہول ہیں سے ہیں اس لئے کہ ان کا مقدار معلوم ہے (مقدار کے معلوم ہونے کی وجہ سے مجہول میں داخل نہیں صفت اگرچہ مجہول ہے لیکن اس کا اعتبار نہیں)۔

اور جو اسم مکان صدد سے بنائے گئے ہیں وہ مجہول ہی ہوتے ہیں جیسے "جلسست مجلسنا" اور مختص بھی جیسے "جلسست مجلس زید" الغرض (شارح فرماتے ہیں کہ) معنی کے کلام کا ظاہر مراد نہیں۔

و ظاہر کلامہ ایضاً:

مصنف کے قول "کسرمی من رمی" کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ "سرمی" زمی فعل سے مشتق ہے حالانکہ بصرین کا یہ مسلک نہیں بلکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ یہ صدد سے مشتق ہے فعل سے نہیں۔ (صدر اصل ہے یا فعل اس کی تفصیل گزر چکی مع ماہیہ من الاختلاف)

و اذ اتقرر الخ:

اب جبکہ یہ بات معلوم ہوئی کہ اسم مکان میں صرف موصوب منصوب یا ظرفیت کو قبول کرتے ہیں اور وہ بھی قبول کرتے ہیں جو مصدر سے مشتق ہوں تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان کے علاوہ مضافی منصوب یا ظرفیت نہیں ہوتا۔ لیکن "و جعلت البیت مسکن الذی" ذہبت الشام" یعنی مثالوں میں بیت، دار، شام، مکان، شام ہونے کے باوجود منصوب ہیں (شارح فرماتے ہیں) چنانچہ اس میں اختلاف ہو گیا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ منصوب یا ظرفیت ہیں لیکن شاذ کے طور پر، اور بعض کے نزدیک منصوب ہیں حرف جر کے اسقاط کے ساتھ (یعنی منصوب بنوع الخافض) جیسا کہ مورت زید اسکا ہوا ہے۔

اور بعض کے نزدیک اس وجہ سے ہیں کہ یہ مفعول بہ کے مشابہ ہیں۔ (اور بعض فرماتے ہیں کہ منصوب ہیں اس بنا پر کہ حقیقۃً مفعول بہ ہیں اس لئے کہ "ذخّل" کبھی مفعول متعدی ہوتا ہے اور کبھی بواسطہ حرف جر "تاہم یہ صرف "ذخّل" ہی میں ہے ذہب وغیرہ میں نہیں) ولکن لولہ وجہ

وَمَا يُسْرَفُ ظَرْفًا وَغَيْرَ ظَرْفٍ
فَلَا تَكُ ذُو ظَرْفٍ فَيَسِي الْعَرَفِ
وَعِبْرَةُ ذِي الْفَرْفِ، أَلْسِنِي لَسْرَمِ
ظَرْفِيَّةٌ أَوْ شِبْهَهَا مِنْ الْبِكْرِ لَسْرَمِ

ترجمہ:..... اور جو ظرف اور غیر ظرف نہ لکھا جاتا ہے (نحویوں کے عرف (اصطلاح)

میں وہ تعریف ہے اور غیر صرف ظرفوں میں وہ ہے جو ظرفیت یا شہ ظرفیت کے ساتھ

لازم ہو۔

(ش) ینقسم اسم الزمان واسم المكان إلى: متصرف، وغير متصرف، فالمتصرف من ظرف الزمان
أو المكان: ما استعمل ظرفاً وغير ظرف، كـ "يوم، ومكان" فإن كل واحد منهما يستعمل ظرفاً،
نحو: "سرت يوقاً، وجلمت مكاناً"، ويستعمل مبتدأ، نحو: "يوم الجمعة يوم مبارك، ومكانك
حسن"، وفاهلاً، نحو: "جاء يوم الجمعة، وارتفع مكانك"

وغير المتصرف: هو ما لا يستعمل إلا ظرفاً أو شبهه، نحو: "سحر" إذا أردته من يوم بعينه، فإن
لم تردده من يوم بعينه فهو متصرف، كقوله تعالى: ﴿إِلَّا آلَ لُوطٍ نَجِينَاهُمْ بِسَحَرِهِمْ﴾، و"فوق" نحو:
"جلست فوق الدار" فكل واحد من "سحر، وفوق" لا يكون إلا ظرفاً.

والذي لزم الظرفية أو شبهها "عند [وطني]" والمؤنن بشبه الظرفية أنه لا يخرج عن الظرفية
إلا باستعماله نحو: "اب من"، نحو: "خرجت من عند زيد" ولا تجر "عند" إلا بـ "من" فلا يقال:
"خرجت إلى عنده"، وفوق العامة: "خرجت إلى عنده" خطأ.

اسم زمان و مکان کی قسمیں

اسم زمان اور اسم مکان ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ متصرف اور غیر متصرف۔ متصرف وہ ہے جو ظرف اور غیر ظرف دونوں استعمال ہوتا ہے جیسے "یوم، مکان"۔ چنانچہ یہ ظرف بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے "مسرت یوما" جلسہ مکانا" اور مبتدا بھی جیسے "یوم الجمعة یوم مبارک، مکانک حسن، اور فاعل بھی جیسے "جاء یوم الجمعة، ارتفع مکانک"۔

غیر متصرف کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو صرف نصب بنا ظرفیت کو لازم ہو۔ دوسری قسم وہ ہے جو ظرفیت کو یا شبہ ظرفیت کو لازم ہو۔ مزید ظرفیت کو لازم ہو اس کی شارح نے دو مثالیں دی ہیں ایک "سبحو جب معین سبحو مراد نہ ہو ورنہ پھر متصرف ہوگا۔ جو باری تعالیٰ کے اس قول میں ہے "الاول لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے انہیں ہم نے سحر کے وقت حجاب سے دی، سحر سے مراد رات کا آخری حصہ ہے) دوسری مثال "لوقی" کی جیسے "جلسہ لوقی الدار" ان دونوں مثالوں میں نصب بنا ظرفیت لازم ہے۔

ظرفیت یا شبہ ظرفیت کو لازم ہو اس کی مثال "عندہ" "لقد" ہے ان میں یا تو نصب بنا ظرفیت ہے یا جر بوجہ من ہے یعنی ظرفیت سے نکلنے کیلئے "من" کے ساتھ اس کا مجرور ہونا ضروری ہے جیسے: "خروجت من عندہ" (المنیٰ کے ساتھ عندہ مجرور استعمال نہیں ہوگا۔ چنانچہ "خروجت من عندہ" کہنا صحیح نہیں عام حضرات کا اس طرح کہنا غلطی ہے)

قائدہ: نیز..... مصنف کے قول "الذی لزوم ظرفیۃ او شبہہا" میں او شبہہا کو اگر متن میں مذکور "ظرفیۃ" پر عطف کیا جائے تو اس سے غیر متصرف کی ایک ہی قسم معلوم ہوتی ہے جو ظرفیت کو اور شبہ ظرفیت کو لازم ہو حالانکہ ایسا نہیں بلکہ او شبہہا متن میں مذکور "ظرفیۃ" پر عطف نہیں بلکہ یہ محذوف عبارت پر عطف ہے اسی لزوم ظرفیۃ فقط او ظرفیۃ او شبہہا اس صورت میں غیر متصرف کی دو قسمیں ہوں گی ایک وہ قسم جو ظرفیت کو لازم ہو اور دوسری قسم جو ظرفیت یا شبہ ظرفیت کو لازم ہو لہذا متن اور شرح دونوں میں تقدیر عبارت وہی ہونی چاہیے جس کا ابھی ذکر ہوا۔

قائدہ نمبر ۲:..... شارح نے غیر متصرف کی اس قسم کی جو نصب بنا ظرفیت کو لازم ہے دو مثالوں پیش کی ہیں ایک

”سحر“ کی جو کہ صحیح ہے اور دوسری ”فوق“ والی جو صحیح نہیں اس لئے کہ ”فوق“ غیر متصرف کی دوسری قسم ”الذی لزوم ظرفیہ لوشبہا“ کے تحت آتا ہے اسی لئے کہ قرآن کریم میں یہ ”من“ کے ساتھ مجرور استعمال ہوا ہے کما فی قولہ تعالیٰ ”فخرج علیہم السقف من فوقہم“

وَالَّذِينَ نَسُوا عَيْنَ مَكَانٍ مَّصْدَرٌ
وَذَاكَ لَيْسَ ظَرْفَ الزَّمَانِ بِكُنْزٍ

ترجمہ: اور کبھی ظرف مکان کی جگہ مصدر نائب ہو کر آتا ہے اور یہ ظرف زمان میں اکثر ہوتا ہے۔

(ش) ینوب المصدا عن ظرف الحکیان فیلا نقولک: ”جلیست قرب زید“ ای: مکان قرب زید، حذف المضاف وہ: ”مکان“ و اقم المضاف الیہ مقامه فأعرب بإعرابه وهو نصب علی الظرفیہ، ولا ینقض ذلک، فلا نقول: ”آتیک جلوس زید“ تریدمکان جلوسہ۔

و یکثر إقامة المصدا مقام ظرف الزمان، نحو: ”آتیک طلوع الشمس بوقدم الحاج، و خروج زید الأصل: وقت طلوع الشمس، و وقت قدم الحاج، و وقت خروج زید، حذف المضاف بإعراب المضاف الیہ بإعرابه، هو مقیم فی کل مصدر۔

ترجمہ و تشریح:

مصدر کبھی ظرف مکان کی جگہ پڑتا ہے جیسے ”جلیست قرب زید“ ای مکان قرب زید، ”مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو قائم مقام بنایا اور مضاف والا اعراب مضاف الیہ کو دیا جو کہ نصب بنا پر ظرفیت ہے لیکن قیاسی نہیں چنانچہ آپ ”آتیک جلوس زید“ میں ”آتیک“ کے ہاں تریدمکان جلوسہ؟

ویکثر الخ:

مصدر کو ظرف زمان کی جگہ قائم مقام بنانا کبھی ہے جیسے ”وقت طلوع الشمس بوقت قدم الحاج“ و وقت خروج زید“ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنایا اور مضاف والا اعراب مضاف الیہ کو دیا، اور یہ ہر مصدر میں قیاسی ہے، الغرض مصدر کا ظرف مکان کی جگہ آتا سکتا ہے اور اس زمان کی جگہ آتا قیاسی ہے۔

و وصلت الی هذا المقام ليلة ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

المفعول معه

يُنْصَبُ تَالِي الْوَاوِ مَفْعُولًا مَعَهُ

فِي نَحْوِ سِيرِي وَالطَّرِيقِ مُسْرَعَةً

بِمَا مِنْ الْفِعْلِ وَشِبْهَهُ سَبَقَ

ذَلِكَ النَّصْبُ، لِأَنَّ الْوَاوِ فِي الْقَوْلِ الْأَحَقِّ

ترجمہ:..... واؤ کے بعد آئے واسلے (ام) کو مفعول مع کی حیثیت سے نصب دیا جاتا ہے

”سیری و الطریق مسرعة“ جیسی ترکیب میں اور یہ نصب اس فعل یا خبر فعل کی وجہ

سے ہے جو پہلے ہونے واؤ کی وجہ سے صحیح قول کے مطابق۔

(ش) المفعول معه هو: الاسم، المنصب، بعد الواو بمعنى مع. والتأنيب له ما تقدمه: من الفعل، أو

شبهه. فمثال الفعل: ”سيري و الطریق مسرعة“ أي: سيري مع الطریق، فالطریق منصوب بسيري.

و مثال شبه الفعل: ”زيد سائر و الطریق“ و ”أعجبتني سيرك و الطریق“ فالطریق منصوب

بسائر و سيرك.

وزعم قوم أن الناصب للمفعول معه الواو، وهو غير صحيح؛ لأن كل حرف اختص بالاسم

ولم يكن كالجزء منه؛ لم يعمل إلا الجر، كحروف الجر، وإنما قيل: ”لم يكن كالجزء منه“ احترازاً

من الألف واللام؛ فإلها اختصت بالاسم ولم يعمل فيه شيئاً؛ لكونها كالجزء منه، بدليل تخطي

العامل لها، نحو: ”مررت بالفلام“

ويستفاد من قول المصنف: ”في نحو سيري و الطریق مسرعة“ أن المفعول معه مقيس فيما

كان مثل ذلك، وهو: كل اسم وقع بعد الواو بمعنى مع، وتقدمه فعل أو شبهه، وهذا هو الصريح من

قول النحويين.

وكذلك يفهم من قوله: ”بمّا من الفعل وشبهه سبق“ أن عاملة لا بد أن تقدم عليه، فلا

تقول: ”والنيل سرت“ وهذا باتفاق، أما تقدمه على صاحبه نحو: ”ملأوا النيل زيدا“ ففيه خلاف.

والصحيح منه.

ترجمہ و تشریح:

مفعول معہ کی تعریف:

مفعول معہ وہ اسم منصوب ہے جو ایسے واو کے بعد واقع ہو جو مع کے معنی میں ہو اور اس کا نائب وہی عامل ہے جو اس سے پہلے واقع ہو چاہے وہ فعل ہو یا شبہ فعل۔

فعل کی مثال ”سیری والطریق مسرعة“ (جلی چار استہ کے ساتھ جلدی) ای ”سیری مع الطريق“ طریق یہاں ”سیری“ کی وجہ سے منصوب ہے۔

شبہ فعل کی مثال:

ربنا نسالک والطریق ما عجبی سیرک والطریق

وزعم الخ:

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مفعول معہ کو نصب دینے والا واو ہی ہے۔ (شارح فرماتے ہیں) لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے کہ جو حرف اسم کے ساتھ خاص ہو اور اس کے جزء کی طرح نہ ہو تو وہ صرف جر کا عمل ہی کرتا ہے جیسے حروف جارہ اسم کے ساتھ خاص ہیں اور جزء کی طرح نہیں (بلکہ متصل ہیں) لہذا یہ حرف جر ہی دیتے ہیں۔

”لم یکن کما لجزء منه“ کبکرا از کیا الف لام سے اس لئے کہ الف لام بھی اسم کے ساتھ خاص ہیں لیکن اس نے عمل اسم میں عمل اس لئے نہیں کہا کہ یہ اسم کے جزء کی طرح ہیں بایں وجہ کہ عامل اسی پر داخل ہوتا ہے جیسے ”مسرعة“ بالعلام

وَيُسْتَفَادُ الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ مصنف کے قول ”فی نسو سیری والطریق مسرعة“ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفعول معہ ہر اس جگہ میں قیاسی ہے جو اس کی طرح ہو۔ اور اس سے مراد ہر وہ اسم ہے جو ایسے واو کے بعد واقع ہو جو ”مع“ کے معنی میں ہو اور اس سے پہلے فعل یا شبہ فعل ہو یہ نحو یوں کا صحیح قول ہے۔

و کذلک يفهم الخ

مصنف کے قول ”وبسامن الفعل وشبهه سبق“ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مفعول معد میں عامل کا مفعول ہونا ضروری ہے چنانچہ ”والنیل سرت“ (میں انعام و کامیابی کے ساتھ چلا) نہیں کہہ سکتے اس مسئلہ میں اتفاق ہے البتہ عامل کے مصاحب (ساتھ، یعنی فاعل) پر تقدیم صحیح ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے صحیح قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی مفعول معد کی تقدیم صحیح نہیں (اگرچہ ابن جنی رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق جائز ہے)

وَبَعْدَ مَا اسْتَفْهَمُوا أَوْ كَيْفَ نَصَبَ

بِفِعْلِ كَوْنٍ مُضْمَرٍ بَعْضُ الْعَرَبِ

ترجمہ:..... ما استفہام اور کیف کے بعد مادہ کون کے مفعول فعل سے بعض عرب نے مفعول معد کو نصب دیا ہے۔

(ش) حق المفعول [مع] أن يسبقه فعل أو شبهه، كما تقدم تمثيلاً، وسمع من كلام العرب نصبه بعد ”ما“ و ”كيف“ الاستفهاميتين من غير أن يلفظ بفعل، نحو: ”ما أنت وزيداً“ و ”كيف تكون وقصعة من ثريد، فزيداً وقصعة منصوبان ب ”تكون“ المضمره.

ترجمہ و شرح:

پہلے گزر گیا کہ اس سے فعل یا شبہ فعل آتا ہے لیکن کلام عرب سے ”ما“ اور ”كيف“ استفہام سے کے بعد اس کا نصب بھی مسوع ہے حالانکہ فعل بظاہر لفظوں میں نہیں ہوتا، جیسے ”ما أنت وزيداً“ ”كيف أنت وقصعة من ثريد“ نحویوں نے ان جیسی مثالوں میں ”کون“ کے مادہ کا فعل محذوف مانا ہے ”والثقلير“ ”ما“ ”تكون وزيداً“ ”كيف تكون وقصعة من ثريد“ ”زيداً اور قصعة“ یہاں محذوف ”تكون“ کی جگہ سے منصوب تھا۔

فائدہ:..... شرح ابن عقیل کے محشی نے اس مقام پر عجیب بات لکھی ہے کہ باوجود اس کے کہ کلام عرب میں ”ما“ اور ”كيف“ کے بعد نصب آیا ہے لیکن یہ پھر بھی قلیل ہے زیادہ تر ان دونوں کے بعد ماقبل پر عطف کر کے رفع سنا گیا ہے

الی اخره۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

هذا ما كتبه العبد الضعيف في اليوم الأول من عيد الفطر ١٢٢٥ هـ والحمد لله

والمعطف إن يمكن بلا ضعف أحق

والنصب إن يمكن بلا ضعف أحق

والنصب مختار لدى ضعف النسق

والنصب إن لم يجوز المعطف يجب

أو اعتقد إضمار عامل نصب

ترجمہ:..... اگر بغیر کسی ضعف کے عطف ممکن ہو تو زیادہ اہق ہے اور نصب پسندیدہ ہے

جب عطف کمزور ہو۔

اور اگر عطف جائز ہو تو ہم نصب واجب ہے یا آپ عامل کو مقدر مان لیں (اگر آپ

کے یہ کیا تو) آپ اس تک اہق جائیگے۔

(ش) الاسم الواقع بعده الواو: إمان يمكن عطفه على ما قبله، أولا، فإن أمكن عطفه فإما أن يكون بضعف، أو بلا ضعف.

فإن أمكن عطفه بلا ضعف فهو أحق من النصب، نحو: "كنت ألو زيد كالأخوين" لرفع

"زيد" عطفاً على المضمرة المتصلة أولى من نصبه مفعولاً معه؛ لأن العطف ممكن للفصل، والتشريك أولى من عدم التشريك، ومثله "سار زيد وعمرو" لرفع "عمرو" أولى من نصبه.

وإن أمكن المعطف بضعف فالنصب على المعية أولى من التشريك، والسلامة من الضعف،

نحو: "سار زيد وعمرو" لرفع "زيد" أولى من رفعه، والضعف المعطف على المضمرة المرفوعة المتصلة بلا فصل.

وإن لم يمكن عطفه فعلى النصب: على المعية، أو على إضمار فعل [يليق به]، كقوله:

عطفني بنا ماء جارداً

فماء: منصوب عطفي المعية، أو على إضمار فعل يلق به، والتقدير: "وسقنيهما ماء بارداً" وكلمة

تعالى: (ف) فاجمعوا أمركم وشركاءكم كقوله: "وشركاءكم" لا يجوز عطفه على "أمركم"؛ لأن المعية

على نية تكرر العامل، إذ لا يصح أن يقال: "أجمعت شركائي" وإنما يقال: "أجمعت أمري، وجمع

شركائى“ لشركائى: منصوب على المعية، والتقدير - واللّه أعلم - فاجمعوا امرکم مع شركائکم، أو منصوب بفعل يليق به، والتقدير: “فاجمعوا امرکم واجمعوا شركاءکم”

ترجمہ و تشریح:

مفعول معہ کے واو کا ما قبل پر عطف:

مفعول معہ میں جس واو کا ذکر ہوتا ہے اس کا ما قبل پر عطف ممکن ہوگا یا نہیں اگر ممکن ہے تو ضعف (ترکیبی کڑوری) کے ساتھ ہوگا یا بغیر ضعف کے۔

اگر عطف بغیر ضعف کے ممکن ہو تو یہ نصب سے زیادہ احسن (تقدیر) ہے جیسے ”كنت أنا وزيد كما لأخوين“ یہاں زيد کو ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنا اولیٰ ہے اس سے کہ اس کو نصب بنا کر مفعول معہ دیا جائے اس لئے کہ یہاں عطف فاصلا کی وجہ سے ممکن ہے (قاعدہ ہے کہ عطف ضمیر متصل پر اس وقت جائز ہے جب اس کی تاکید متصل کے ساتھ ہو یہاں أنا بھی ضمیر متصل کے ساتھ تاکید حاصل ہے اس لئے بغیر ضعف کے عطف ممکن ہے) اور حکم میں شریک ہونا (جیسا معطوف، معطوف علیہ میں ہوتا ہے) عدم شریکتہ سے اولیٰ ہے ”ومنہ ساز زید و صبر“

وان امکان الخ:

اگر عطف ممکن ہو لیکن ضعف کے ساتھ تو اس صورت میں نصب بنا کر معیت اولیٰ ہے۔ شریک سے جیسے ”مسرّت وزید“ یہاں زيد کو ضمیر مرفوع متصل پر عطف کر سکتے ہیں لیکن چونکہ اس کی تاکید متصل سے نہیں ہوئی ہے (جس کا ہونا ضروری ہے) اس لئے ضعیف ہے۔

اور اگر عطف بالکل معنی کے فساد کی وجہ سے ممکن ہی نہ ہو تو نصب بنا کر معیت یا مناسب فعل کو مقدر ماننا ضروری ہوگا جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۶۶- عطفہا لبنا و منسا و بتاردا

ترجمہ:..... میں نے اس (جانور) کو چارہ کھلایا اور ٹھنڈا پانی (پلایا)

شرح المفردات:

(العین) بھوسا، جانوروں کی خوراک کا چارہ۔ ماء بارداً شہداً پانی۔

محل استشہاد:

(وماء بارداً) محل استشہاد ہے اس کا عطف باقبل پر ممکن نہیں ہے اس لئے معطوف معطوف علیہ کا عامل ایک دوسرے پر مسلط ہوتا ہے یہاں معطوف علیہ کا عامل معطوف پر مسلط نہیں ہوتا اس لئے کہ عَلَفْتُهَا مَاءً نہیں کہا جاتا ہے (کیونکہ چارہ کھلایا جاتا ہے اور پانی کھلایا نہیں جاتا بلکہ پلایا جاتا ہے یعنی عطف کی صورت میں پانی پر ”کھلانے“ کا حکم لگے گا جو کج صحیح نہیں۔) اس وجہ سے یہ ”مَاءً بَارِدًا“ یا تو منصوب بنا بر متعین ہے یا سقیئہا، فعل یہاں حذف ہے۔ ای وسقیئہا ماءً بارداً“

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”فاجمعوا امرکم وشركاءکم“

یہاں ”شركاءکم“ کا عطف ”امرکم“ پر صحیح نہیں اس لئے کہ عطف کی صورت میں اجمعوا وشركاءکم کہا جائے گا اس لئے کہ ”اجمع“ ہمزہ کے ساتھ صرف معانی میں استعمال ہوتا ہے ”ذوات“ میں استعمال نہیں ہوتا (شركاء یہاں ذوات ہیں) ہاں بغیر ہمزہ کے ”جمع“ دونوں میں مشترک ہے۔ چنانچہ ”شركائی“ منصوب بنا بر متعین ہے۔ ای اجمعوا امرکم مع شركاءکم یا مناسب فعل محذوف ہے ای اجمعوا امرکم واجتمعوا شركاءکم۔

الاستثناء

مَا اسْتَنْتَ "أ" مَعَ تَكْوِينِ يَتَّصِفُ

وَيَتَّصِفُ نَفْسِي أَوْ كَنَفْسِي أَيْ يَنْصَبُ

الْبَسْمُ مَا اتَّصَلَ، وَانْصَبَ مَا انْقَطَعَ

وَعَنْ تَمِيمٍ فِيهِ اسْتِدْالٌ وَتَمَعٌ

ترجمہ:..... جس کو لایا مستثنیٰ کرے کلام کے ساتھ ہونے کے بعد (کلام موجب کی قید یہاں سے مفہوم ہوتی ہے اس لئے کہ بعد میں غیر موجب کو ذکر کیا ہے صراحتاً کلام موجب ذکر نہیں) اور نفی یا شبہ نفی کے بعد مستثنیٰ متصل کو تابع بنانا پسندیدہ ہے اور مستثنیٰ منقطع کو آپ منصوب ہی کریں اور تمیہوں سے اس میں بھی بدل واقع ہوتا صحیح ہے (یعنی ان کے ہاں پہلے کی طرح یہاں بھی تابع بنا سکتے ہیں)

(ش) حکیم المستثنیٰ "ب" "إلا" النصب، إن وقع بعد تمام الكلام الموجب، سواء كان متصلاً أو منقطعاً، نحو: "قام القوم إلا زيداً، وضربت القوم إلا زيداً أو مررت بالقوم إلا زيداً، وقام القوم إلا حمزاً" وضربت القوم إلا حمزاً أو مررت بالقوم إلا حمزاً" "إلا" في هذه المثل منصوب على الاستثناء، كذلك "حمزاً"

والصحيح من مذاهب النحويين أن الناصب له ما قبله بواسطة "إلا" واختار المصنف - في غير هذا الكتاب - أن الناصب له "إلا" وزعم أنه مذهب سيوريه وهذا معنى قوله: "ما استنتت الا مع تمام ينتصب" أي: أنه ينتصب الذي استنتته "إلا" مع تمام الكلام، إذا كان موجهاً.

فإن وقع بعد تمام الكلام الذي ليس بموجب - وهو المشتمل على النفي، أو شبهه، والمراد شبه النفي: النهي، والاستفهام - فإما أن يكون الاستثناء متصلاً، أو منقطعاً، والمراد بالمتصل: أن يكون المستثنى بعضاً مما قبله، وبالمنقطع: ألا يكون بعضاً مما قبله.

فإن كان متصلاً، جاز نصبه على الاستثناء، وجاز اتباعه لما قبله في الإعراب، وهو المختار، والمشهور أنه بدل من متبوعه، وذلك نحو: "ما قام أحد إلا زيد، وإلا زيداً، ولا يقيم أحد إلا زيد، وإلا زيداً، وهل قام أحد إلا زيد؟ وإلا زيداً؟ وما ضربت أحدًا إلا زيدًا ولا تضرب أحدًا إلا زيدًا، وهل ضربت أحدًا إلا زيدًا؟ فيجوز على "زيدًا" أن يكون منصوبًا على الاستثناء، وأن يكون منصوبًا على البدلية من "أحد"، وهذا هو المختار، فيقول: "الظهور أن ما ضربت بأحد إلا زيد، وإلا زيدًا، ولا تمرر بأحد إلا زيد، وإلا زيدًا، وهل مررت بأحد إلا زيد؟ وإلا زيدًا؟"

وهذا معنى قوله: "وبعد نفى أو كفى التصيب إتياع ما اتصل" أي: اختير إتياع الاستثناء المتصل، إن وقع بعد نفى أو شبه نفى.
وإن كان الاستثناء منقطعًا، فنصب عند جمهور العرب؛ فنقول ما قام القوم إلا حمارًا، ولا يجوز الإتياع وأجازه بنو تميم فنقول: "ما قام القوم إلا حمار، وما ضربت القوم إلا حمارًا، وما مررت بالقوم إلا حمار"

وهذا هو المراد بقوله: "وأنصب ما انقطع" أي: نصب الاستثناء المنقطع إذا وقع بعد نفى أو شبهه عند غير بني تميم، وأما بنو تميم فيجوزون إتياعه.
فمعنى اليمين أن الذي استثنى بـ "إلا" ينتصب، إن كان الكلام موجبا ووقع بعد تمامه، وقيل على هذا التقييد بذكره حكم النفي بعد ذلك وإطلاق كلامه يدل على أنه ينتصب، سواء كان متصلاً أو منقطعاً.

وإن كان غير موجب - وهو الذي فيه نفى أو شبه نفى - أنتخب - أي: اختير - إتياع ما اتصل، ووجب نصب ما انقطع عند غير بني تميم، وأما بنو تميم فيجوزون إتياع المنقطع.

مشی یا اختیار ووجه اعراب

یہاں سے مشی کے اعراب کی مختلف صورتیں نکالے ہیں۔

تمہید کے طور پر چند اصطلاحات کو مختصراً ضروری ہے۔

(۱) استثناء، کسی چیز کو الگ کرنا، علیحدہ کرنا۔

(۲) اذات استثناء، استثناء کے حروف جیسے لا، غیر۔

(۳) مستثنیٰ جس کو الگ کر دیا ہو۔

(۴) مستثنیٰ منہ، جس سے دوسری چیز کو الگ کر دیا گیا ہو جیسے "جماعی القوم الاؤیہ" اس میں قوم مستثنیٰ منہ

تخلک زید مستثنیٰ ہے۔

(۵) مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں متصل، منقطع۔

مستثنیٰ متصل اس کو کہتے ہیں کہ استثناء سے پہلے مستثنیٰ مستثنیٰ میں داخل ہو لیکن اس کو اللہ وغیرہ کے ساتھ خارج کر دیا

گیا ہو جیسے جاء نی القوم الا زید (زید قوم میں داخل تھا لیکن خود ہیہم خارج کر دیا گیا) اور مستثنیٰ منقطع اس کو کہتے ہیں

جو لفظ غیرہ کے بعد مذکور ہو اور اس کو مستثنیٰ منہ سے نکالا نہ گیا ہو اس لئے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ میں داخل ہی نہیں جیسے جاء نی

القوم الاحمار (کہہ قوم میں داخل نہیں)

(۶) کلام کا دو قسمیں ہیں کلام موجب، کلام غیر موجب

کلام موجب ایسا کلام کہتے ہیں جس میں لفظی معنی استثناء منہ ہو اور غیر موجب اس کو کہتے ہیں جس میں لفظی معنی

استثناء ہو (واضح رہے کہ شبہ لفظی سے مراد لفظی اور استثناء منہ ہے) ان مختصر اصطلاحات کو سمجھنے کے بعد اب شرح کی اہم ملاحظہ فرمائیں۔ مستثنیٰ کے اعراب کو مختلف نسبت میں

ان مختصر اصطلاحات کو سمجھنے کے بعد اب شرح کی اہم ملاحظہ فرمائیں۔ مستثنیٰ کے اعراب کو مختلف نسبت میں

تقسیم کرتے ہیں تاکہ طالب علم آسانی سے سمجھ سکے۔

(۱)..... جو مستثنیٰ کلام موجب کے نام ہونے کے بعد واقع ہوا ہے متصل ہوا یا منقطع اس کا حکم منسوب ہوا ہے جیسے قسم

القوم الاحمار، ضربت القوم الاحمار، مررت بالقوم الاحمار (پہلی مثالیں متصل اور دوسری منقطع کی

ہیں ان میں زید اور حمار منسوب بنا یا استثناء میں۔

(مومن میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ اس مستثنیٰ کو نصب دینے والا کونسا عامل ہے ایک

قول یہ ہے کہ اس کو نصب دینے والا اس سے پہلے والا اس ہے لیکن بواسطہ الآ کے دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نائب

لفس الآ ہے مصنف رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ "ما استتبت الآء" والے الآ سے ظاہر ہے

جبکہ اپنی دیگر کتابوں میں مصنف نے اس مسلک کی صراحت بھی کی ہے۔ تیسرا قول بھی ہے کہ یہ کہ نائب الآ سے

پہلے واقع ہونے والا فعل ہے لیکن بغیر واسطہ الہ کے (جس طرح پہلے مذہب والے کہتے ہیں) چوتھا قول یہ ہے کہ اس کا نائب فعل محذوف ہے اور الہ اس پر دلالت کر رہا ہے مثلاً جماع القوم الازیدنا ای استثنی زیدنا۔ شلوچین رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق پہلا مسلک محققین کا ہے۔

(۲)..... اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب کے بعد واقع ہو تو مستثنیٰ یا متصل ہو گا یا منقطع اگر متصل ہے تو اس میں نصب بنا بر استثناء بھی جائز ہے اور ما قبل سے تابع بنانا بھی جائز ہے اور مشہور قول کے مطابق یہ ما قبل سے بدل ہے جیسے ”ما مقام احد الازیدنا، الازیدنا لا یقیم احد الازیدنا، الازیدنا، هل قام احد الازیدنا، الازیدنا“ (استفہام کی مثال ہے وغیرہ یہاں زید کو منصوب بنا بر استثناء بھی کر سکتے ہیں اور احد سے بدل بھی بنا سکتے ہیں اور یہی بخار مسلک ہے۔ مصنف کے قول ”و بعد لغوی او کھفی الخ“ سے بھی مراد ہے۔

(اس صورت میں بدل واقع ہونے کا مسلک بصرین کا ہے ان کے ہاں یہ بدل البعض من الكل ہے اور کوئی کے نزدیک یہاں ”الہ“ حرف عطف ہے اور ما بعد والا اسم اس پر عطف ہے یہی وجہ ہے کہ ابو العباس احمد بن یحییٰ کوئی رحمہ اللہ نے بصرین پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس صورت میں (مثلاً ما مقام احد الازیدنا) زید کیسے بدل واقع ہو سکتا ہے جبکہ اس کا متبوع احمد منقی ہے بلین طرز کہ احد کے قیام کوئی اور زید کیلئے ثابت کیا جا رہا ہے لیکن ابو سعید سیرانی (جو کتاب سیبویہ کے شارح ہیں) نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں ہم نے صرف عامل کے عمل میں ما قبل سے بدل بنایا ہے اور لغوی واثبات میں مخالفت بدل ہونے کیلئے معترضین جیسے صورت ہرجل لا کوریم ولا نسیب“ صورت ہرجل لا زید ولا عمرو“ اور بعض حضرات نے یہاں استثناء کی بحث میں بدل کو اس معنی میں لیا ہے کہ یہ پہلے کی جگہ پر آیا ہے معروف بدل مراد نہیں (یعنی جو تو الخ میں ذکر کیا جاتا ہے) کو لکل وجہ۔

(۳) وان كان الاستثناء منقطعاً الخ:

اور اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب کے بعد واقع ہو اور منقطع ہو تو اس صورت میں جمہور عرب کے ہاں نصب مستثنیٰ جیسے ”ما مقام القوم الا حماراً“ اور تابع بنانا جائز نہیں اگرچہ عجم نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔
لمعنی البیعین الخ: سے شارح اسی مذکورہ تفصیل کو دوبارہ ذکر کر رہے ہیں فلا حاجة الی الاعادة.

وَعَثْرُ نَصْبٍ سَابِقٍ فِي النَّفْسِ قَدْ

يَسْتَأْتِي وَلَكِنْ نَصْبُهُ اخْتِصَارٌ وَإِنْ وَرَدَ

ترجمہ:..... کلام غیر موجب میں مستحق سابق کے علاوہ (یعنی رفع) بھی آتا ہے لیکن اس

کے نصب کو آپ پسند کریں اگر اس طرح آجائے۔

(ش) إذا تقدم المستثنى على المستثنى منه فلما أن يكون الكلام موجبا أو غير موجب .

لیان کان موجبا وجب نصب المستثنى، نحو: "قام الأزيد القوم" وإن کان غیر موجب

فالمختار نصبه، فنقول: "ما قام الأزيد القوم" ومنه قوله

١٦٤- فَمَالِي إِلَّا آلَ أَحْمَدَ شَيْهَةَ

وَمَالِي إِلَّا مَلَأَ قَبَّ الْحَقِّ مَلَأَب

وقد روى رفعه فنقول "ما قام الأزيد القوم" قال سيويه حدثني يونس أن قوما يوتق بهم

يقولون: "مالي إلا أخوك ناصر" وأعره هو الفاعلي بدل من الأول [على القلب] [لهذا السبب] ومنه

قوله:

١٦٨- فَاثَمَّ يَرْجُونَ مَتْلَهُ فَتَأْتِي

إِذَا لَمْ يَكُنْ إِلَّا النَّبِيُّونَ قَطِيع

لمعنى البيت: أنه قد ورد في المستثنى السابق غير النصب - وهو الرفع - وذلك إذا كان

الكلام غير موجب، نحو: "ما قام الأزيد القوم" ولكن المختار نصبه.

وعلم من تخصيصه وروى غير النصب بالنفي أن الموجب يتعين فيه النصب، نحو: "قام الأزيد

القوم"

ترجمہ و تشریح:

(۳)..... اگر مستثنیٰ مستحق منہ پر مقدم ہو تو یا کلام موجب ہوگا یا غیر موجب اگر موجب ہے تو مستثنیٰ کا نصب واجب ہے جیسے

"قام الأزيد القوم" اور غیر موجب ہو تو اس کا نصب مختار ہے جیسے "ما قام الأزيد القوم" اور اسی سے شاعر کا

یہ قول ہے۔

۱۶۷- وَالسَّالِسُ إِلَى آلِ أَحْمَدَ شَيْبَةَ

وَالسَّالِسُ إِلَّا مَذْهَبَ الْحَقِّ مَذْهَبٌ

ترجمہ..... پس میرے لئے احمدیوں کے آل علاوہ کوئی جماعت نہیں اور وہی میرے

لئے حق مذہب کے سوا کوئی مذہب ہے۔

تشریح المفردات:

(مالی) خبر مقدم ہے (ما) نافیہ ہے، (شعبة) فرقہ، جماعت، شعو، بدکار شیع اور جمع الجمع اقصاع

آتی ہے۔ (مذہب الحق) میں باحکام ثانی مذکور ہے اسی مذہب اہل الحق یا اضافۃ الموصوف الی الصفة کے قبیل سے ہے جیسے مسجد الجامع۔

محل استشہاد:

(الآل احمدیہ) (آل احمدیہ) محل استشہاد ہے یہاں دونوں جگہوں میں مشقی منصوب ہے مشقی منصوب

مقدم ہے اور کلام غیر موجب ہے یہی مسلک بخارے۔

نیز اس صورت میں بھی مروی ہے جیسے "عَالَمُ الْأَزِيدِ الْيَوْمَ" یہی وجہ ہے کہ امام سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے

ہیں کہ یہ لیس حدیثیں ہیں کیا کہ ایک قوم ہے جن کی مرتبہ پر اتحاد کیا جاتا ہے وہ کہتی ہے "عَالَمُ الْأَخْبُوكِ

ناصر" یہاں مشقی منصوب پر مقدم ہے کلام موجب ہے مگر کلام موجب ہے ان کے ہاں دوسرا قول سے بدل واقع ہے

(بدل طلب سے مراد بدل کلمہ ہے)

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۶۸- فَاتَهُمْ بِرَجْمُونَ مِنْهُ فَمَاءَةٌ

أَذَالَهُمْ بِكُنْ إِلَّا السَّمِيحُونَ فَسَالِحٌ

ترجمہ..... (حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما) شاعر رسول کا شعر ہے بدر کے دن حجر علیہ

الصلوة والسلام کی طرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ آپ ﷺ سے سوارش

کی امید رکھتے ہیں جب انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا۔

تشریح المفردات:

(یوجون) نصر سے جمع ذکر غائب کا صیغہ ہے امید رکھنے کے معنی میں ہے (شفاعۃ) فتح سے بمعنی سفارش۔

محل استشہاد:

(الالیون) محل استشہاد ہے یہاں مشقی (النبیون) مرفوع ہے مشقی منہ (شافع) پر مقدم ہے کلام غیر موجب ہے نصب یہاں مختار ہے لیکن پھر بھی رفع آیا ہے۔

وعلم الخ:

غیر نصب یعنی رفع کو نفی کے ساتھ خاص کیا اس سے معلوم ہوا کہ کلام موجب میں نصب متعین ہے جیسے ”قام الآ زید القوم“

وَأَنْ يُفْرَغَ سَابِقِ "إِلَا" لِمَا

بَعْدِي كُنْ كَمَا لَوْ "إِلَا" عَدِمَا

ترجمہ:..... اگر "إِلَا" کا قبل مابعد کیلئے فارغ ہو تو یہ ایسا ہوگا گویا کہ "إِلَا" موجود ہی نہیں۔

(ض) إذا فرغ سابق "إِلَا" لِمَا بَعْدَهَا - أي: لم يشغل بما يطلبه - كان الاسم الواقع بعد "إِلَا" معرباً بإعراب ما يقتضيه ما قبل "إِلَا" قبل دخولها، وذلك نحو: "ما قام إلا زيد، وما ضربت إلا زيداً، وما مرت إلا بزيد" ف "زيد": فاعل مرفوع بقام، و "زيداً": منصوب بضربت، و "بزيد": متعلق بمرت، كما لو لم تذكر "إِلَا"

وهذا هو الاستثناء المفرغ ولا يقع في كلام موجب فلا تقول: "ضربت إلا زيداً"

ترجمہ و تشریح:

اگر مشقی منہ مفرغ ہو یعنی ذکر نہ ہو تو اس صورت میں "إِلَا" کے بعد واقع ہونے والے اسم پر اس طرح اعراب

جاری ہوگا جس طرح اعراب "الا" کے داخل ہونے سے پہلے جاری ہوتا تھا جیسے "مماقام الا زید، ما ضربت الا زیداً" مامرث الا بزید اس کو استثناء مفرغ کہتے ہیں اور یہ کلام موجب میں واقع نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ نہیں کہہ سکتے کہ "ضربت الا زیداً" اس لئے کہ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ میں نے تمام لوگوں کو مارا ہوائے زید کے اور یہ مجال ہے جبکہ ابن حاجب رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ جب "الا" کا مابعد فضلہ ہو یا فائدہ حاصل ہوتا ہو تو وہاں کلام موجب میں بھی استثناء صحیح ہے جیسے کوئی طالب علم کہے "قراٹ الا یوم الجمعة"

وَالْعِ الْاِذَا ت تَوَكَّدَ كَلَا

تَمَرُّزُ بِهِمِ الْاِ الْفَتَى الْا الْعَلَا

ترجمہ:..... اور آپ تاکید والے الا کو لغو قرار دیں (یعنی اس کے ذریعہ عمل نہ دیں، پہلے ذکر ہو چکا کہ مستثنیٰ کو نامصب مضاف کے ہاں الا ہے اس لئے یہاں لا کے ملحقی کرنے کا ذکر کیا اور اکثر نحوویوں کے ہاں مستثنیٰ کو نصب دینے والا سابق اسم ہی ہے) جیسے لا بعمود الخ۔ ترجمہ:..... آپ ان پر نہ گزریں مگر اس جوان پر جو بلندی والا ہے اس پر گزریں جائیں "العلاء" تو عین کے فتح اور الف ممدودہ کے ساتھ ہے بمعنی شرافت اور قصر ضروریہ شجرہ کی وجہ سے ہے۔ یا عین کے ضمہ اور الف مقصورہ کے ساتھ ہے جمع ہے علیاء کی دونوں صورتوں میں عبارت میں مضاف حذف ہے مثلاً ذوالعلاء یہاں دوسرا

الا تاکید کیلئے ہے اور العلاء ما قبل الفتی سے بدل گل ہے)

(فی) إذا كررت "الا" لقصد التوكيد لم تؤثر فيما دخلت عليه شيئاً ولم تغد غير توكيد الأولى، وهذا معنى الغالها، وذلك في البدل والعطف، نحو: "مامرثت بأحد الأزيد إلا أخيك" ف"أخيك" بدل من "زيد" ولم تؤثر فيه "الا" شيئاً، أي لم تغد فيه استثناء مستقلاً، وكانك قلت: مامرثت بأحد الأزيد إلا أخيك، ف"أخيك" بدل من "زيد" ولم تؤثر فيه "الا" شيئاً، أي لم تغد فيه استثناء مستقلاً، وكانك قلت: مامرثت بأحد الأزيد إلا أخيك، ومثله: "لا تمرر بهم إلا الفتى إلا العلاء" [والأصل: لا تمرر بهم إلا الفتى العلاء] بدل من الفتى، وكررت "الا" توكيداً، ومثال العطف "لام القوم الأزيد أو الأصغر" والأصل: الأزيد أو عمراً، لم كررت "الا" توكيداً، ومنه قوله:

۱۶۹- قَبْلِ السُّهُبِ الْإِيلَةَ وَيَهَارُهَا

وَالْأَطْلُوعِ الشَّمْسِ نَسْمُ حَرَارُهَا

والأصل: وطلوع الشمس، وكررت "إلا" توكيداً.

وقد اجتمع تكرارها في البادل والعطف لفي قوله:

۱۷۰- مَالِكٌ مِنْ شَيْخِكَ أَلَا عَمَلُهُ

الْأَرْسِيْمُ وَالْأَرْمَلُهُ

والأصل: الإعماله رسيمة ورملة، ف"رسيمة": بدل من عمله، "ورمله" معطوف على

"رسيمة" وكررت "إلا" فيهما توكيداً.

ترجمہ و تشریح:

الّا کا تاکید کیلئے مکرر آنا:

جب الّا محض تاکید کیلئے مکرر لایا جائے تو اپنے پرخل میں کچھ عمل نہیں کرتا اور پہلے تاکید کے علاوہ دوسرا فائدہ

نہیں دیتا، یہاں الغاء کا یہی معنی ہے اور یہ بدل اور عطف میں ہوتا ہے جیسے: "السُّهُبُ وَالْأَطْلُوعُ الشَّمْسِ" یا "السُّهُبُ وَالْأَطْلُوعُ الشَّمْسِ"۔

اچھیک "یہاں اچھیک زید سے بدل ہے اور آلانے اس میں مستقل اشتناء کا فائدہ نہیں دیا، اسی طرح الّا تیسرے

البح ہے (کما مرّ ذکرہ)

عطف کی مثال "قَامَ الْقَوْمُ الْآزِيدًا وَالْأَطْلُوعُ الشَّمْسِ" اور اسی ہے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۶۹- قَبْلِ السُّهُبِ الْإِيلَةَ وَيَهَارُهَا

وَالْأَطْلُوعِ الشَّمْسِ نَسْمُ حَرَارُهَا

ترجمہ: زمانہ نہیں گزرات اور دن، اور طلوع کا طلوع ہونا ہے اور غروب ہو جانا ہے۔

تشریح المفردات:

(السُّهُبُ) زماںہ، کم ہو یا زیادہ، اور ہمیشہ مدت دہا پر بھی اس کا اخلاق ہوتا ہے یہاں بھی مراد ہے۔ (الْإِيلَةُ)

رات، من غروب الشمس الى طلوع الفجر، جمع اس کی لیاٹی آتی ہے غیر قیاسی طور پر، (لَهَا) (دین، تشریحاً

طلوع فجر سے غروب شمس تک اور عرفا طلوع شمس سے غروب شمس تک کو کہا جاتا ہے (غیاں) غروب ہونا، بعض نسخوں میں راء کی جگہ باء آئی ہے یعنی غیاب بمعنی غائب ہونا، لیکن چونکہ راء کا قصیدہ ہے اس لئے غیار صحیح ہے۔

محل استشہاد:

(والا طلوع) محل استشہاد ہے یہاں دوسرا "لاملفی" ہے اس لئے کہ زائد ہے اور پہلے والے "الا" کی تاکید کے لئے ہے یہاں دوسرے نے عمل نہیں کیا اس لئے کہ یہ پہلے کے تابع ہے اس پر عطف ہے "والتقدیر وطلوع الشمس"

وقد اجتمع تکرارہا الخ:

کبھی بدل اور عطف دونوں میں الا ایک ساتھ آتا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۰- مَالِكٌ مِنْ شَيْخِكَ اَلَا عَمَلُهُ

اَلَا رَسِيْمُهُ وَاَلَا زَمَلُهُ

ترجمہ:..... آپ کے کیلئے آپ کے بڑھاپے کا کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے عمل کے جو صفاروہ کی سعی اور طواف کی سعی ہے۔

تشریح المفردات:

(شیخ) اس آدمی کو کہتے ہیں جو بڑھاپے میں داخل ہو چکا ہو اس معنی پر (رسیم) سعی بین الصفا والمروة، اور رمل سعی لعی الطواف کو کہا جائے گا، بعض حضرات نے "شیخ" سے مراد اونٹ لیا ہے لیکن اکثر شارحین مثلاً شیخ عبدالمنعم العجر جاوہی نے شرح شواہد ابن عقیل میں اور شیخ قطة العدوی نے فتح الجلیل میں اور بعض دیگر حضرات نے اس پر رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ (شیخ) ہاتھین کی غلطی ہے یہ اصل میں ان کے ہاں شنج (بالنون والجمیم) ہے اور یہی شنج بمعنی جمل یعنی اونٹ کے ہے اس صورت میں رسیم اور رمل چلنے کی دو قسموں کی طرف اشارہ ہے فالرسم سیر الحمل بغير سرعة والرمل بالعکس (رسیم تیزی سے اونٹ کی رفتار کو کہتے ہیں اور رمل آہستگی والی رفتار کو کہتے ہیں) اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ کو آپ کے اونٹ سے کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کی تیز اور آہستہ رفتار کے۔

محل استشہاد:

(الارسیمہ والارملہ) محل استشہاد ہے یہاں الابدل اور عطف میں مکرر آیا ہے اصل میں تھا الاعملہ، رسیمہ و رملہ تھارسیمہ، عملہ سے بدل ہے اور رملہ، رسیمہ پر عطف ہے اور الابدال تاکید کیلئے مکرر ہے۔

وَان تُكْرَرُ لَا لِتَوْكِيدٍ فَمَعَ

تَفْرِیغِ التَّأْثِیرِ بِالْعَامِلِ دَع

فِی وَاحِدٍ مَّا بَالَا اسْتِثْنٰی

وَلَيْسَ عَنْ نَصْبٍ سِوَاهُ مُغْنٰی

ترجمہ:..... اگر الابدال تاکید کیلئے مکرر آجائے تو مفرغ میں ایک میں عامل کی تاثیر کو چھوڑ دیں (یعنی ایک میں عمل دیدیں) جو ال کے ذریعہ مستثنیٰ ہو اور اس کے علاوہ میں نصب کے علاوہ کوئی خلاصی (چارہ) نہیں۔

(ش) إذا كررت "إلا" لغير التوكيد - وهي: التي يقصد بها ما يقصد بها قبلها من الاستثناء، ولو أسقطت لما فهم ذلك - فلا يخلو: إيمان يكون الاستثناء مفرغاً، أو غير مفرغ.

فإن كان مفرغاً شغلت العامل بواحد ونصبت الباقي، فتقول: "ما قام إلا زيد إلا عمرًا إلا بكرًا" ولا يتعين واحد منه لشغل العامل، بل أيها شغلت العامل به، ونصبت الباقي، وهذا معنى قوله: "فمع تفریغ - إلى آخره" أي: مع الاستثناء المفرغ اجعل تأثير العامل في واحد مما استثنيت به، وانصب الباقي. وإن كان الاستثناء غير مفرغ، وهذا هو المراد بقوله:

ترجمہ و تشریح:

اگر الابدال کو تاکید کے علاوہ کیلئے مکرر لایا جائے یعنی اس سے بھی مقصود وہی ہو جو بالعموم کے استثناء سے مقصود ہے اور الابدال کو ساقط کرنے کی صورت میں مقصود حاصل نہ ہوتا ہو تو اس صورت میں استثناء یا مفرغ ہو گا یا غیر مفرغ۔ اگر مستثنیٰ مفرغ ہے تو ایک مستثنیٰ کو آپ عمل سے مشغول کر لیں اور باقیوں کو نصب دیدیں جیسے "ما قام إلا زيد إلا عمرًا إلا بكرًا" نیز ایک کو عمل کیلئے متعین کرنا ضروری نہیں جس کو چاہیں عمل کیلئے متعین کر کے باقیوں کو نصب دیدیں فمع

تفریح الخ سے مصنف نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اگر غیر مترغ ہے تو اس کی تفصیل مصنف نے اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے۔

وَدُونَ تَفْرِیحِ مَنَعَ التَّقْدِمِ
نَصَبِ الْجَمِیعِ أَحْکَمَ بِهِ وَالتَّوْجِیهِ
وَالنَّصَبِ لِتَبَاخُیْرِ، وَجِیِّ بِوَاحِدٍ
مِّنْهَا كَمَا لَوْ كَانَ دُونَ زَائِدٍ
كَلِمَ یَقُوْا أَلَا أَمْرًا أَعْلَى
وَخُكْمًا فِی الْقَصْدِ حُكْمُ الْأَوَّلِ

ترجمہ..... مترغ کے علاوہ میں جب مستثنیات مقدم ہوں تو سب کے نصب پر فیصلہ
کڑیں اور اس کو لازم کر دیں اور مؤخر ہونے کی صورت میں نصب دیں (یعنی باقی
مستثنیات کو نصب دیں) اور ایک مثلی کو اس طرح لائیں گویا کہ وہ زائد کے بغیر ہے
(یعنی الّا کے بغیر ہے) جیسے ”لم یقو الا امرؤ الاعلیٰ (ان میں سے کسی نے عہد کو
پورا نہیں کیا مگر ایک آدمی نے اور علی نے۔“

(ش) فَلَا یَخْلُو: إِمَانٌ تَقْدِمُ الْمُسْتَثْنَاتِ عَلَى الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ، أَوْ تَبَاخُرُ

لَبَانَ تَقَدَّمَ الْمُسْتَثْنَاتِ وَجِبَ نَصَبُ الْجَمِیعِ، سِوَاءَ كَانَ الْكَلَامُ مُوجِبًا أَوْ غَيْرَ مُوجِبٍ، نَحْوُ:
”قَامَ الْإِزِيدُ الْإِعْمَرُ الْإِكْرَامِيُّ، وَمَا قَامَ إِلَّا زَيْدٌ الْإِعْمَرُ الْإِكْرَامِيُّ الْقَوْمُ“ وَهَذَا مَعْنَى قَوْلِهِ: ”وَدُونَ
تَفْرِیحِ - الْبَيْتِ“

وَأِنْ تَبَاخُرَتْ فَلَا یَخْلُو: إِمَانٌ یَكُونُ الْكَلَامُ مُوجِبًا، أَوْ غَيْرَ مُوجِبٍ، فَإِنْ كَانَ مُوجِبًا وَجِبَ نَصَبُ
الْجَمِیعِ، فَتَقُولُ: ”قَامَ الْقَوْمُ الْإِزِيدُ إِلَّا عَمْرًا الْإِكْرَامِيًّا“ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ مُوجِبٍ عَوَمِلُ وَاحِدٍ مِنْهَا بِمَا
كَانَ یُعَامَلُ بِهِ لِتَوَلُّمِ یَكْتُمُ الْإِسْتِثْنَاءَ، لِیَبْدَلَ مَعَالِمَهُ وَهُوَ الْمَخْتَارُ - أَوْ یَنْصِبُ - وَهُوَ قَلْبٌ - كَمَا
تَقْدِمُ، وَأَمَّا بِنَاقِيهَا فَجِبَ نَصْبُهُ، وَذَلِكَ نَحْوُ: ”مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا الْإِكْرَامِيًّا“ فَ”زَيْدٌ“ بَدَلَ مِنْ
أَحَدِهِ وَإِنْ شِئْتَ أَبَدَلْتَهُ غَيْرَهُ مِنَ الْبَاقِيْنَ، وَمَعْلَى قَوْلِ الْمَصْنِفِ: ”لَمْ یَقُوْا إِلَّا أَمْرًا أَعْلَى“

امرو“ بدل من الواو فی ”یفوا“ وهذا معنی قوله ”وانصب لتأعجبرأی: وانصب المستثنيات كلها إذا اخرت عن المستثنى منه إن كان الكلام موجهاً، وإن كان غير موجب لفتح بواحد منها معرباً بما كان يعرب به لو لم يتكرر المستثنى، وانصب الباقي.

ومعنى قوله: ”وحكمها فى القصد حكم الاول“ أن ما يتكرر من المستثنيات حكمه فى المعنى حكم المستثنى الاول؛ فثبت له ما ثبت للاول: مع الدعول والمخروج؛ لفتح تولك: ”قام القوم الا يزيد الا عمراً الا بكرة“ الجميع مخرجون، وفتح قولك: ”ما قام القوم الا يزيد الا عمراً الا بكرة“ الجميع داخلون، وكذا فى قولك: ”ما قام أحد الا يزيد الا عمراً الا بكرة“ [الجميع داخلون].

ترجمہ و تشریح:

اگر مستثنیٰ غیر مفرغ ہے تو پھر یا مستثنيات مستثنیٰ منہ پر مقدم ہونے یا مؤخر اگر مقدم ہوں تو سب کا نصب واجب ہے چاہے کلام موجب ہو یا غیر موجب جیسے ”قام الا يزيد الا عمراً الا بكرة القوم ما قام الخ اور اگر مؤخر ہوں تو کلام موجب ہوگا یا غیر موجب موجب ہو تو سب کا نصب واجب ہے جیسے ”قام القوم الا يزيد الا عمراً الا بكرة“ اور غیر موجب کلام ہو تو تو ایک مستثنیٰ کے ساتھ اسی طرح معاملہ کیا جائے جس طرح استثناء مکرر نہ ہونے کی صورت میں تھا چنانچہ وہ ماقبل سے بدل ہوگا اور یہی مختار ہے یا منصوب ہوگا اور یہ قلیل ہے اور باقیوں کا نصب واجب ہے جیسے ”ما قام أحد الا يزيد الا عمراً الا بكرة“ زید یہاں احد سے بدل ہے اور اس کے علاوہ کسی بھی ایک مستثنیٰ کو آپ بدل کیلئے متعین کر سکتے ہیں اور اسی سے مصنف کا یہ قول ہے ”لم يفوا الا امرؤ الا على“ یہاں امرؤ، لم يفوا کے واؤ سے بدل ہے ”على“ مستثنیٰ منصوب ہے لیکن ضرورت شعر یہی کی وجہ سے مرفوع ہے مصنف کے قول ”وانصب لتأخير الخ کا یہی مطلب ہے۔

”وحكمها فى القصد حكم الاول“ کا مطلب یہ ہے کہ جو مستثنيات میں سے مکرر ہوں ان کا حکم مستثنیٰ اول کی طرح ہے چنانچہ ”قام القوم الا يزيد الا عمراً الا بكرة“ میں سب قیام کے حکم سے خارج ہیں اور ”ما قام القوم الا يزيد الا عمراً الا بكرة“ میں سب قیام میں داخل ہیں وغیرہ۔

وَأَسْتَنْ مَن جَرُّوْا بِغَيْرِ مُغْرَبَا

بِمَا لِمَسْتَنْي بِأَلَا نُسْبَا

ترجمہ:..... ”غیر“ کے ذریعہ مستثنیٰ کو مجرور کر دیں اس حال میں کہ خود ”غیر“ پر وہ

اعراب ہو جو مستثنیٰ بالآ کی طرف منسوب ہے۔

(ش) استعمال بمعنی ”إلا“ - فی الدلالة علی الاستثناء - ألقاظ : منها ما هو اسم وهو ”غیر، وسوی، ویسوی، وسواء“، ومنها ما هو فعل وهو ”لیس، ولا یكون“، ومنها ما یكون فعلاً وحرفاً، وهو ”عداء، وخلا، وحاشا“ وقد ذکرها المصنف كلها.

فأما ”غیر، وسوی، وسوی، وسواء“ فحکم المستثنیٰ بها الجر؛ لإضافتها إليه؛ وتعرب ”غیر“ بما كان یعرب به المستثنیٰ مع ”إلا“ فتقول: ”قام القوم غیر زید“ بنصب ”غیر“ كما تقول: ”قام القوم إلا زیداً“ بنصب ”زید“ وتقول: ”ما قام أحد غیر زید، وغیر زید“ بالاتباع والنصب، والمختار الأتباع، كما تقول: ”ما قام أحد إلا زید، وإلا زیداً“ وتقول: ”ما قام غیر زید“ ترفع ”غیر“ وجوباً كما تقول: ”ما قام إلا زید“ برفعه وجوباً، وتقول ”ما قام أحد غیر حمار“ بنصب ”غیر“ عند غیر بنی تمیم، وبالاتباع عند بنی تمیم، كما تفعل فی قولک: ”ما قام أحد إلا حمار، وإلا حماراً“

وأما ”سوی“ فالمشهور فیها كسر السین والقصر، ومن العرب من یفتح سینها ویمد، ومنهم من یضم سینها ویقصر، ومنهم من یکسر سینها ویمد، وهذه اللغة لم یذكرها المصنف، وقل من ذكرها، ومن ذكرها الفارسی فی شرحه للشاطبية.

ومذهب سیبویه والفراء وغیرهما أنها لا تكون إلا ظرفاً، فإذا قلت: ”قام القوم سوی زید“ ف”سوی“ عندهم منصوبة علی الظرفية، وهي مشعرة بالاستثناء، ولا تخرج عندهم عن الظرفية إلا فی ضرورة الشعر.

واختار المصنف أنها ك”غیر“ فتعامل بماتعامل به ”غیر“: من الرفع والنصب والجر، وإلى

هذا أشار بقوله:

استثناء پر دلالت کرنے والے الفاظ

استثناء پر دلالت کرنے میں ال کے معنی میں کئی الفاظ استعمال ہوتے ہیں بعض اسم ہیں جیسے ”غیر، سوی، سوی، سوا، سوا“ اور بعض فعل ہیں جیسے: لیس، لایگون بعض ایسے ہیں جو فعل بھی استعمال ہوتے ہیں اور حرف بھی جیسے ”عدا، خلا، حاشا، مصنف نے ان سب کی تفصیل ذکر کی ہے کہ کن صورتوں میں یہ فعل ہو گئے اور کن صورتوں میں حرف، پوری تفصیل انشاء اللہ آگے آرہی ہے۔

”غیر، سوی، سوی، سوا“ کے ساتھ جس کو متثنیٰ کیا جائے تو اس کی طرف چونکہ یہ مضاف ہو گئے اس لئے وہ متثنیٰ مجرور ہوگا اور ”غیر“ کو اس طرح اعراب دیا جائے گا جس طرح متثنیٰ بہ الا کو دیا جاتا تھا ”علیٰ التفصیل الذی قرء تموه فی نحو میر وهدایة النحو وهذا الكتاب فلا حاجة الی الاعادة“

”سوی“ میں مشہور سین کا کسرہ اور قصر ہے، اور عرب میں سے بعض حضرات سین کو فتح دے کر مد پڑھتے ہیں اور بعض سین کا ضمہ اور قصر اور بعض سین کا کسرہ اور مد پڑھتے ہیں اس آخری لغت کو مصنف نے یہاں ذکر نہیں کیا (باقی تین لغات کو اگلے متن میں ذکر فرمایا ہے) البتہ فارسی (ابو عبد اللہ جمال الدین محمد بن حسن متوفی ۶۵۶ھ) نے شاطبیہ کی شرح میں اس کو ذکر کیا ہے۔

و مذهب سیویہ الخ:

امام سیویہ اور فرعاء رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ”سوی“ صرف ظرف استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ جب آپ ”قام القوم سوی زید“ کہیں گے تو اس میں ”سوی“ منصوب بنا برظرفیت ہوگا اور استثناء پر مشعر (خبر دینے والا) ہوگا ان کے ہاں ظرفیت سے نہیں نکلتا مگر ضرورت شعری کی وجہ سے جس طرح کہ آگے اشعار آرہے ہیں وہاں ”سوی“ مرفوع منصوب، مجرور سب استعمال ہوا ہے)

یہاں اشعار سے پہلے مختصراً ”سوی“ میں نحو یوں کے مختلف مذہبوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ ”سوی“ منصوب بنا برظرفیت ہی ہوتا ہے یا اس کے علاوہ مختلف عوامل آنے کی وجہ سے مرفوع، مجرور بھی ہوتا ہے اس میں مشہور تین مذاہب ہیں۔

(۱)..... پہلا مذہب امام سیویہ اور ظلیل کا ہے کہ یہ نصب بنا برظرفیت سے نکلتا ہی نہیں اگر کلام عرب میں اس کے خلاف

آجائے تو اگر اس کی تاویل ممکن ہو تو تاویل کی جائے گی وگرنہ وہ شاذ ہوگا” و لایقاس علیہ غیرہ“

(۲)..... دوسرا مذہب کوفیین کا ہے مصنف علیہ الرحمۃ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے کہ ”سوی“ کبھی ظرف بھی آتا ہے اور کبھی مختلف عوامل آنے کی وجہ مرفوع، منصوب (غیر ظرفیت کی وجہ سے) بھی آتا ہے اور اس کا غیر ظرف ہونا ضرورت شعری کے ساتھ بھی خاص نہیں اور شاذ بھی نہیں۔

(۳)..... تیسرا مذہب رمانی اور ابو البقاء العکبری رحمہما اللہ کا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ظرف بھی استعمال ہوتا ہے اور غیر ظرف بھی، لیکن ظرف استعمال ہونا نسبت غیر ظرف کے استعمال ہونے کے کثیر ہے، یہ دئے ابن ہشام رحمہ اللہ کی بھی ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا ہے ”والی مذہبہما اذہب“

فیصلہ کتب مذہب

ایسے مواقع پر صاحب منحة الجلیل دو ٹوک الفاظ میں انصاف کا فیصلہ فرماتے ہیں کہ عرب سے مختلف اشعار وارد ہوئے ہیں ان کی کثرت کو اور ان کے علاوہ احادیث کو دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا مذہب (یعنی مذکورہ مذہب میں دوسرا مذہب) آراخ ہے اور دیگر حضرات کا مرتجوح ہے، اور یہ تاویل کرنا کہ یہ ضرورت شعری ہے وغیرہ وغیرہ اس کی کوئی ضرورت نہیں (چونکہ آگے اشعار میں اسی کو پیش کیا جائیگا کہ ”سوی“ مختلف عوامل آنے کی وجہ سے مرفوع، منصوب، مجرور استعمال ہوا ہے لہذا اس کو ابھی سے ذہن میں محفوظ کر لیں تاکہ بار بار ان مذہب کا اعادہ نہ ہو۔) خیر الکلام ما قل وقل“

واختار المصنف الخ:

مصنف نے یہ جو کہا ہے کہ ”سوی“ کے ساتھ ”غیر“ والا معاملہ ہوگا یعنی مرفوع، منصوب، مجرور ہونا اس کی طرف مصنف نے اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

وَلَسُوِي سُوِي سَوَا اَجْمَلَا

عَلَى الْأَصْحَاءِ الْمَعْرُومِي

ترجمہ:..... سُوِي، سُوِي، سَوَا کیلئے صحیح قول کے مطابق وہ حکم کا ہمیں جو لفظ

”غیر“ کیلئے ہے۔

(ش) فمن استعمالها مجرورة قوله ^{صلى الله} ^{عليه} ^{وسلم}: "دعوت ربي ألا يسلم على امتي عدوا من سوى نفسها"
 وقوله ^{صلى الله} ^{عليه} ^{وسلم}: "ما أتم في سواكم من الأمم إلا كالشعيرة السوداء في الثور الأبيض"، وقول الشاعر:

١٤١- ولا ينطق الفحشاء من كان منهم

إذا جلسوا منا ولا من بوائنا

ومن استعمالها مرفوعة قوله:

١٤٢- وإذا تباع كريمة أو تشتري

فيسواك بسواك كما أو أبيت المشتري

وقوله:

١٤٣- ولَمْ يَتَّقِ سِوَى الْعَدْوَانِ

وَنَاهَهُمْ كَمَا دَانُوا

ف "سواك" مرفوع بالابتداء، و"سوى العدوان" مرفوع بالفاعلية. ومن استعمالها منصوبة على غير الظرفية قوله:

١٤٣- لَدَيْكَ كَفِيلٌ بِأَلْمُنَى لِمُؤْمِلٍ

وَإِنَّ سِوَاكَ مَرِيئٌ مُؤْمِلَةٌ بِشَقِي

ف "سواك" اسم "إن"، هذا تقرير كلام المصنف

ومذهب سيويه والجمهور أنها لا تخرج عن الظرفية إلا في ضرورة الشعر، وما استشهد به على خلاف ذلك يحتمل التأويل.

ترجمہ و تشریح:

مصنف کی موافقت میں (کہ سِوَى الخ منصوب بنا برظرفیت کے بغیر بھی استعمال ہوتا ہے) شارح مختلف مثالیں ذکر فرما رہے ہیں۔

”سوی“ کے مجرور استعمال ہونے کی مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ”دَعُوْثُ رَبِّيْ اَلَا يُسَلِّطُ عَلَيَّ اُمَّتِيْ عَدُوًّا مِّنْ سِوَى اَنْفُسِهَآ“ اور یہ قول ”مِنَ الْاُمَّمِ مِمَّنْ سِوَاكُمْ“ (یہاں من سوی“ فی سواکم“ میں ”سوی“ مجرور استعمال ہوا ہے۔) اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۱- وَلَا يَنْطِقُ الْفَحْشَاءَ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ

اِذَا جَلَسُوا مَنَا وَلَا مِنْ سِوَانَنَا

ترجمہ:..... اور ان میں سے کوئی بھی بری بات نہیں کہتا (جب وہ کہیں بیٹھ جائیں) نہ ہم سے اور نہ ہمارے علاوہ کسی اور سے۔

تشریح المفردات:

(لا) نافیہ ہے (ینطق) ضرب سے بمعنی بولنا (الفحشاء) بری بات، بدکلامی، فحش گوئی، یہ منصوب بنزع الخافض ہے ای بالفحشاء یا مفعول مطلق ہے حذف مضاف کے ساتھ ای ”نطق الفحشاء“ محل استشہاد:

(من سواننا) محل استشہاد ہے یہاں سواء ظرفیت سے نکل کر من کے ساتھ مجرور استعمال ہوا ہے (لد مرفاہیہ) ”سوی“ کے مرفوع استعمال کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۲- وَ اِذَا تَبَّاعُ كَرِيْمَةٌ اَوْ تَشْتَرِي

فَيَسْوَآكَ بَايَعُهَا وَاَنْتَ الْمُشْتَرِي

ترجمہ:..... جو کوئی اچھی صفت بیچی یا خریدی جاتی ہو تو آپ کے علاوہ دوسرے حضرات اس کو بیچنے والے اور آپ خریدنے والے ہوتے ہیں۔

تشریح المفردات:

(واذا) میں واؤ کوٹینین کے ہاں زائد ہے، دیگر حضرات کے ہاں استحقاقیہ ہے (کریمة ای خصلة حميدة) اچھی صفت۔

محل استشہاد:

(سواک) محل استشہاد ہے ظرفیت سے نکل کر ”سوی“ مبتدا واقع ہوا ہے۔ اور شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۷۳- وَأَلِيمٌ يَنْقَى سَوَى الْعُدْوَانِ

دُنَا فَمُ كَمَا ذَانُوا

ترجمہ:..... (جب برائی مکمل طور پر سامنے آئی) اور ظلم کے علاوہ کچھ نہ بچا تو ہم نے ان کو ایسا بدلہ دیا جس طرح انہوں نے ہمارے ساتھ کیا۔

تشریح المفردات:

یہ شعر ماقبل کے شعر پر عطف ہے ماقبل کا شعر یہ ہے۔

فَلَمَّا اصْبَحَ الشَّرُّ

وَأَمْسَى وَهُوَ غَرِيْبَانِ

(عدوان) ظلم، زیادتی، تجاوز، دن جمع مذکر محکمہ کا صیغہ ہے۔ ذان یدین ضویبہ یضرب سے بدلہ دینا۔

قیامت کو بھی یوم الدین“ کہتے ہیں اس لئے کہا میں بندوں کو بدلہ دیا جائے گا۔ یہ شعر ”دیوان حماسہ“ کے دوسرے صفحہ میں ذکر ہے۔

محل استشہاد:

(سوی العداوان) محل استشہاد ہے یہاں ”سوی“ فاعل واقع ہے مرفوع ہے اور منصوب بنا بر ظرفیت سے نکل

گیا ہے۔

غیر ظرفیت کی بناء پر منصوب ہونے کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۴- لَدَيْكَ كَفِيْلٌ بِالْمُنَى لِمُؤْمِلٍ

وَإِنْ سِوَاكَ مَنْ يُؤْمَلُ بِشَقِي

ترجمہ:..... آپ کے پاس امید رکھنے والے کیلئے آرزوؤں کا کفیل ہے اور آپ کے

علاوہ جس سے کوئی امید رکھتا ہے وہ نامراد ہوگا۔

تشریح المفردات:

کفیل، ذمہ دار، کفالت کرنے والا، (منشی) منیہ کی جمع ہے جیسے "مندی، مذنیہ کی جمع ہے، (مؤمل) تاویل باب تفعیل سے بمعنی امید رکھنا یہ نامحیرگی کی خبر ہے، (یشقی) سمع سے نامراد و بد بخت ہونا۔

محل استشہاد:

(سواک) محل استشہاد ہے یہاں منصوب ہے اس وجہ سے کہ "ان" کا اسم واقع ہے۔

مصنف اور امام سیبویہ اور جمہور کے مسلکوں کی تفصیل ابھی گزر چکی (فلا حاجة الى الاعادة)

وَاسْتَشْنَنَ نَاصِبًا بَلْبَسًا وَخَلَا

وَبَعْدًا، وَيَبْكُونَ بَعْدًا

ترجمہ: "لبس" اور "خلا" اور "بعدا" کے ذریعہ آپ اشاء کریں اس حال میں

کہ آپ نصب دینے والے ہوں۔ اور "بکون" کے ساتھ بھی اس حال میں کہ وہ "لا"

(ش) ای: استشنن بلبس، وما بعد هان صبا المشغلي، فقول: "قام القوم لبس زيداً، وخلا زيداً، وبعدا زيداً، ولا يكون زيداً" ف "زيداً" في قولك: "ليس زيداً، ولا يكون زيداً" منصوب على أنه خبر "ليس، ولا يكون"، واسمهما ضمير مستتر، والمشهور أنه عائد على البعض المفهوم من القوم، والتقدير: "ليس بعضهم زيداً [ولا يكون بعضهم زيداً]، وهو مستتر وجوباً، وفي قولك: "خلا زيداً، وبعداً زيداً" منصوب على المفعولية، و"خلا، وبعداً" فعلان فاعلهما - في المشهور - ضمير عائد على البعض المفهوم من القوم كما تقدم، وهو مستتر وجوباً، والتقدير: خلا بعضهم زيداً، وبعداً بعضهم زيداً.

ونبه بقوله: "يكون بعد لا" - وهو قيد في "يكون" فقط - على أنه لا يستعمل في الاستثناء من

لفظ الكون غير "يكون" وأنها لا تستعمل فيه إلا بعد "لا" فلا تستعمل فيه بعد غيرها من أدوات النفي

نحو: لم، وإن، ولن، ولما، وما.

ترجمہ و تشریح:

لَيْسَ، خَلَا، عَدَا، لَا يَكُونُ کے بعد مستثنیٰ کا حکم:

یعنی ”لَيْسَ“ اور ”خَلَا اور عَدَا“ اور ”لَا يَكُونُ“ کے بعد آپ مستثنیٰ کو منصوب کر دیں جیسے ”قَامَ الْقَوْمُ لَيْسَ زَيْدًا، خَلَا زَيْدًا، عَدَا زَيْدًا، لَا يَكُونُ زَيْدًا، چنانچہ ”زَيْدًا“ یہاں منصوب ہے اس بنا پر کہ یہ لَيْسَ اور لَا يَكُونُ کی خبر ہے اور ان کا اسم ضمیر مستتر ہے جو ایک قول کے مطابق بعض کی طرف راجع ہے جو قوم سے مفہوم ہوتا ہے۔ والتقدير لَيْسَ بَعْضُهُمْ زَيْدًا، لَا يَكُونُ بَعْضُهُمْ زَيْدًا۔

اور خَلَا زَيْدًا، عَدَا زَيْدًا میں ”زَيْدًا“ منصوب بنا پر مفعولیت ہے ”خَلَا“ دونوں فعل ہیں ان کا قائل مشہور قول کے مطابق ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے بعض کی طرف جو قوم سے مفہوم ہوتا ہے۔ والتقدير خَلَا بَعْضُهُمْ زَيْدًا۔

وَكَبَهُ بِقَوْلِهِ الْعَج:

”وَيَكُونُ بَعْدَ لَا“ کی قید صرف ”يَكُونُ“ کے ساتھ خاص ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ استثناء میں ”كُونُ“ کے لفظ میں سے ”يَكُونُ“ ہی استعمال ہوتا ہے جب اس سے پہلے ”لَا“ ہو چنانچہ اس سے پہلے اگر دیگر اذات لگی ہو مثلاً، لَمْ، اِنْ وغیرہ تو وہ استثناء کیلئے استعمال نہیں ہو سکتے۔

وَأَجْرُ زَيْدٍ بَقِيَ يَكُونُ اِنْ تُسْرَفُ

وَبَعْدَ ”مَا“ النُّصْبُ، وَالْجَرَازُ قَدْ تَبْرَدُ

ترجمہ:..... ”يَكُونُ“ سے پہلے دونوں (یعنی خَلَا اور عَدَا کے ذریعے) سے آپ

جروں اگر آپ چاہیں اور ”مَا“ کے بعد نصب دیدیں، اور جو بھی لگی ہوگی۔

(س) أَى: إِذَا لَمْ تَسْقُلْمَ ”مَا“ هَلَى، ”خَلَا، وَعَدَا“ فَاجْرُورِ بَعْدَ مَا لَمْ تَسْقُلْمَ: ”قَامَ الْقَوْمُ خَلَا زَيْدًا، وَعَدَا زَيْدًا“ فَخَلَا، وَعَدَا: حَرْفُ جَرٍّ، وَلَمْ يَحْفَظْ سَيُؤَيِّدُ الْعَجْرُ لِهَمَّا، وَإِنَّمَا حَكَاهُ الْأَخْفَاشُ بِمَنْ الْجَرْبُ ”خَلَا“ قَوْلُهُ:

٤٥ - خَلَا النَّهْلُ لَأَرْجُو سِوَاكَ، وَتَمْنَا

أَعْدَ عِيَالِي شُعْبَةً مِّنْ عِيَالِكَ.

ومن الجرب "عدا" قوله:

۱۷۶- ترکنا فی الحضیض بنات عوج
عواکف لدا حضمّن الی النسور
ابحنا حیثهم قتلًا وَاَسْرًا
عَدَا التَّمَطُّاءَ وَالطَّفْلَ الصَّغِيرَ

فإن تقدّمت علیهما "ما" وجب النصب بهما؛ فتقول: "قام القوم ما محلاً زیداً، وما عداً زیداً" فـ

"ما": مصدریة، و"حلا، وعدا": صلتها، وفعالها ضمیر مستتر یعود علی البعض كما تقدم فقیرة
و"زیداً": مفعول، وهذا معنی قوله: "وبعد ما انصب" هذا هو المشهور.

وإجازة الکسانی الجرب بهما بعد "ما" علی جعل "ما" زائدة، وجعل "حلا، وعدا" حرفی جرّ، فتقول

"قام القوم ما محلاً زیداً، وما عداً زیداً" وهذا معنی قوله: "وانجراراً قد یرد" وقد حکى الجرمی فی الشرح
الجرب بعد "ما" عن بعض العرب.

ترجمہ و تشریح:

اس سے پہلے یہ بتایا کہ "حلا" "عدا" کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے ابھی یہ بتا رہے ہیں کہ ان کے ذریعے آپ

جرمی دے سکتے ہیں بشرطیکہ ان سے پہلے "ما" نہ ہو، سیو یہ رحمہ اللہ نے ان کے ذریعے جر کو محفوظ نہیں کیا ہے البتہ امام
انفصّ نے اس کی حکایت کی ہے "حلا" کے ساتھ جر کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۵- حَلَا اللّٰهُ لَا اَرْجُو سِوَاكَ، وَاَمَّا

اَعْتَدَ هِيَ اَلِی سَفْبَةَ مَنْ عِيَالِکَا.

ترجمہ: ...سوائے اللہ کے میں آپ کے علاوہ کسی اور سے امید نہیں رکھتا اور تحقیق میں تو

اپنے اہل و عیال آپ کے اہل و عیال کا ایک حصہ سمجھتا ہوں۔

تشریح المفردات:

(اعتد) نصر سے بھی گننا، (عیال) عیال کی جمع ہے جیسے جیاد، جید کی جمع ہے، گھر والوں کو کہا جاتا ہے

اللہ جب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو زیر کفالت ہوں، (شعبۃ طائفہ، جماعت اس کا مجمع شعب ہے جیسے غر فہ کی جمع غروف ہے۔

محل استنباط:

”علا اللہ“ محل استنباط ہے یہاں ”علا“ حرف جرا استعمال ہوا ہے اور قضا اللہ اس کی وجہ سے مجرور ہے۔

نوٹ:..... شارح نے اگرچہ یہ کہا ہے کہ یہ وہیہ رحمہ اللہ نے عرب سے (علا) وغیرہ کے ترک و نقل نہیں کیا ہے لیکن حاشیہ میں ہے کہ یہ نقل صحیح ہے اور یہ وہیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں باقاعدہ اس نقل کی تصریح کی ہے۔
”علا“ کے ساتھ جر کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۶- تَرَکْنَا فِی الْحَضِیضِ بَنَاتِ عُوجٍ

عَوَاكِفٌ قَدْ خَضَفْنَ اِلَى النَّسْرِ

اَبْحَنَّا حَيْثُهُمْ قَنَلًا وَاَسْرًا

عَدَا الشَّمَطَاءَ وَالطُّفْلَ الصَّغِيرَ

ترجمہ:..... ہم نے پست زمین میں اعموی گھوڑے، ہمیشہ کیلئے چھوڑے جو گدھوں کے
ہاتھ سے چکے ہوئے تھے، ہم نے ان کے قبیلہ کی بیخ کنی کی نقل کے ساتھ اور قبیلہ کے
کے ساتھ، سوائے بوڑھی عورت اور چھوٹے بچے کے۔

تشریح المفردات:

(الحضیض) پست زمین کا نام ہے، (بنات عوج) یہاں مراد صرف خدیف ہے ای بنات عوج عوج
بنات، اخوات کو نحویوں نے جمع مؤنث سالم میں سے بنایا ہے اس لئے کہ جمع کی تاوان میں زائد ہے اور مفرد میں یہ تاء
اصل ہے اس لئے کہ ان کا مفرد بنات، اخت کی تاء ان میں زائد ہے اور مفرد میں یہ تاء اصل ہے اس لئے کہ ان کا مفرد
بنات اخت ہے ابن، ابیح پر حمل کر کے جمع میں ان سے تاء کو حذف کیا۔ (عوج) اغوج یا عوجاء کی جمع ہے، اس سے
مراد وہ گھوڑے ہیں جو اعوج نامی عمدہ نسل کے گھوڑے کی طرف منسوب ہیں یعنی اس کی نسل سے ہیں، یہ گھوڑا پہلے کندہ
(جو یمن کا ایک قبیلہ ہے) کے پاس تھا پھر بنو سلیم نے لیا آخر کار بنو ہلال کا ہی رہ گیا۔ (عواکف) عاکفہ کی جمع ہے لازم

پکڑنا، بچھڑنا، (مخضن) مخصوع سے مراد یہاں ولت ہے۔ (المنسور) نسو کی جمع ہے معنی گدھ۔ اس کی کنیت ابو الابرود (ابو الاصبغ، ابو مالک، ابو المنہال، ابو یحییٰ ہے مادہ کی کنیت "أم قشعم" ہے۔ نسور کے معنی ٹوچنا، اور لگنا، گدھ چونکہ شکار کو لگتا ہے اس لئے اس کو "نسر" کہا جاتا ہے، اس کو مسند الطیور (مقام پرندوں کا سردار) بھی کہتے ہیں اس کی عمر لمبی ہوتی ہے بعض حضرات کے ہاں ایک ہزار سال کی عمر ہوا کرتی ہے، اڑنے کی طاقت اتنی ہے کہ مشرق اور مغرب کے فاصلہ کو ایک دن میں طے کر لیتا ہے، اس کا جسم اتنا بڑا ہے کہ بعض کے قول کے مطابق ہاتھی کے بچوں کو اٹھا کر لے جاتا ہے، قوت شاملہ اتنی تیز کہ چار سو فرسخ تک مردار کی بوسو لگ سکتا ہے، مردار پر جب آجائے تو ہیبت کی وجہ سے اس سے دیگر پرندے دور ہو جاتے ہیں، اتنا زیادہ کھاتا ہے کہ پھر حرکت بھی نہیں کر سکتا ایک کزور آدمی اس حالت میں پکڑ سکتا ہے، عجیب بات یہ ہے کہ جب یہ خوشبو لگتا ہے تو مر جاتا ہے اپنے دوست کی جدائی پر غمزدہ رہتا ہے یہاں تک کہ بعض مرتبہ اسی وجہ سے مر بھی جاتا ہے، عورت کا وضع حمل مشکل ہو تو اس کے پر کو عورت کے نیچے رکھنے سے وضع حمل میں بھی آسانی ہو جاتی ہے۔ (مناعوذ من فتح الجلیل) (حقی) قبیلہ (الشمطاء) یوزمی عورت جس کے بال سفید ہو چکے ہوں۔

محل استشہاد:

(عَدَا الشَّمَطَاءُ) محل استشہاد ہے یہاں "عَدَا" حرف جِز استعمال ہوا ہے (الشمطاء) اس کی وجہ سے

مجرد ہے۔

فان تقدمت الخ:

خلا، عدا سے پہلے ما آجائے تو اس کا حکم:

اگر "خلا، عدا" سے پہلے "ما" نہ ہو تو پھر یہ دونوں حرف جِز ہو سکتے ہیں (کما مرؤ ذکرہ تفصیلاً) ہاں اگر اس سے پہلے "ما" آجائے تو ان کے ذریعہ نصب و زیادہ واجب ہے جیسے "جاء القوم ما خلا زيدا" ما خلا زيدا" یہاں مصدر یہ ہے خلا، عدا دونوں فعل ہیں ان کا قائل وہ ضمیر مستتر ہے جو شخص کی طرف راجع ہے "زيداً" مفعول ہے۔

مصنف کے قول ”وبعد ما نصب الخ“ کا یہی معنی ہے البتہ خالی رحمہ اللہ نے ”ما“ کے داخل ہونے کے بعد بھی جز کو جائز قرار دیا ہے ”ما“ اس صورت میں ان کے ہاں زائد ہے اور ”خلا اور ”عدا“ دونوں حرف جز ہیں مصنف کے قول ”والجبر أو قد يرد“ کا یہی مطلب ہے۔ جزمی نے یہی شرح میں بعض عرب سے ما کے بعد جز کو نقل کیا ہے واللہ اعلم۔

وَحَيْثُ جَبْرٌ مَعْنَى مَا خَرَفْنَا

كَمَا هُنَا إِنَّ لَنَا مَعْلَمًا

ترجمہ:..... جہاں خلا اور عدا جردیدیں تو وہ دونوں حرف ہو گئے جس طرح نصب دینے کی صورت میں یہ دونوں فعل ہوتے ہیں۔

خلا، عدا کے مابعد اعراب

یعنی اگر خلا، عدا، کے ذریعے مابعد مجرد ہو تو اس صورت میں یہ دونوں حرف جز ہو گئے اور اگر مابعد منصوب ہوں تو دونوں فعل ہو گئے۔

وَكَخَلَا حَمَاسًا وَلَا تَنْصِبُ مَا

وَقِيلَ ”حَاشَا“ وَ”حَاشَا“ فَتَأْخُذُ بِمَا

ترجمہ:..... ”خلا“ کی طرح ”حاشا“ بھی ہے اور ”حاشا“ ”ما“ کے ساتھ نہیں آتا اور ”حاشا“ اور ”حاشا“ بھی کہا گیا ہے جس اس کو یاد رکھیں۔

(شہد المشہور ان ”حاشا“ لا تکون الا حرف جزم فتقول: ”قام القوم حاشا زيدا“ جزم ”زيد“ وذهب الاخفش والجزمى والمزنى والمبرد وجماعة منهم المصنف الى انها مثل ”خلا“: تسعمل فعلا فنصب ما بعدها، وحرقت جزم ما بعدها فتقول: ”قام القوم حاشا زيدا، وحاشا زيدا“، وحكى جماعة منهم الفراء، وابوزيد الانصارى، والشيبانى -النصب بها، ومنه: ”اللهم اغفر لى وللمن يسمع، حاشا الشيطان و ابا الاصم“ وقوله:

۱۷۷- حَاشَا قَرِيْبًا، فَإِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَهُمْ

عَلَى الْبَرِيَّةِ بِآلَا سَلَامٍ وَالذِّينِ

وقول المصنف: "وَلَا تَصْحَبْ مَا" معناه أن "حاشا" مثل "خلا" في أنها تنصب ما بعدها أو تجره، ولكن لا تقدم عليها "ما" كما تقدم على "خلا"؛ فلا تقول: "قام القوم ملحاشان هذا" وهذا الذي ذكره هو الكثير، وقد صحتها "ما" لئلا يفني مسند أبي أمية الطرسوسي عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "أصلية أحب الناس إلى ما حاشا فاطمة" وقوله:

۱۷۸- رَأَيْتَ النَّاسَ مَا حَاشَا قَرِيْبًا

فَأَتَى بَحْنَ فَضَّلَهُمْ فَمَا لَأَ

ويقال في "حاش، وحشا"

حَاشَا كَا اسْتِعْمَالِ:

(ادات استثناء میں سے "حاشا" بھی ہے مشہور قول کے مطابق "حاشا" صرف حرف جرا استعمال ہوتا ہے جیسے "قام القوم حاشا زید" امام الحنفی الجرجانی متذکر منقولاً عن حنبلی اللہ کے نزدیک "حاشا" "خلا" کی طرح ہے فعل بھی استعمال ہوتا ہے اور بالآخر منصوب ہوگا اور حرف بھی استعمال ہوتا ہے اور بالبعد اس کا مجرد ہوگا جیسے "قام القوم حاشا زیداً، حاشا زیداً۔ ایک جماعت نے (جن میں فراء، ابوزید، الصاری، ہبیبانی، رحمہم اللہ شامل ہیں) نصب کی بھی حکایت کی ہے اور یہ قول ہے: "الطهيم الخطر لى مؤلفين يتلوع حاشا الشيطان" وابتدأ الصبح" (یہاں لفظ شیطانی منصوب ہے اور ابتداء صبح اس پر عطف ہے یہ بھی حالت نفس میں ہے اور عطف کے ساتھ) اور شاعر کا یہ قول بھی ہے:

۱۷۷- حَاشَا قَرِيْبًا، فَإِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَهُمْ

عَلَى الْبَرِيَّةِ بِآلَا سَلَامٍ وَالذِّينِ

ترجمہ..... (پہلے حکم سے) قریش متعلق ہیں اس لئے کہ اللہ رب العزت نے اسلام

اور دین کی وجہ سے ان کو باقی مخلوقات پر تھیں تھی ہے۔

بنی المصروفات:

(قریشاً) نصر بن کنانہ کی نسل، یا فہر بن مالک بن نصر کی نسل اور ان کی اولاد کو قریش
 یا تاتے، (قریش) قریش کی تفسیر ہے سمندر کے جانوروں میں سے ایک جانور ہے جو دیگر جانوروں کو کھاتا اور ان پر
 بآتا ہے اس کو "قرش" کہا جاتا ہے چونکہ ان میں بھی حدت تھی اس لئے حدت کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے
 بھی "قریش" کہا جانے لگا۔ (ہریتہ) اصل میں ہریتہ تھا ہمزہ کو اگر ہریتہ کہا جانے لگا۔

استشہاد:

"حاشا قریشاً" محض استشہاد ہے یہاں حاشا فعل استعمال ہوا ہے اور اس کے ذریعے مایعہ کو نصب دیا گیا

قول المصنف الخ

"قَوْلًا تَضَعُ مَا" کہہ کر معنی اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ "حاشا" حلا کی طرح ہے کہ یہ لے
 کر نصب دیتا ہے اور جز، لیکن فرق یہ ہے "حلا" پر "ما" آتا تھا لیکن اس پر "ما" نہیں آتا ہے اور "ما" کا نہ آنا کثیر
 ناقل ہے۔ چنانچہ مسند ابی امیۃ الطرسوسی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی
 علیہ وسلم نے فرمایا "أَسَامَةُ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ مَا حَاشَا فَاطِمَةَ" (اسامہ (بن زید رضی اللہ عنہ) تمام لوگوں میں
 نے فاطمہ کے مجھے بہت پسند ہے)

شرح ابن عقیل کے حاشیہ میں ہے کہ اکثر نحوویوں کو ہم ہو گیا کہ "ما حاشا فاطمۃ" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے کلام میں سے ہے ایسے حضرات فرماتے ہیں کہ "حاشا" یہاں استثنائیہ ہے اور اس پر "ما" داخل ہوا ہے۔ لیکن
 یہ سب نہیں اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ "ما حاشا فاطمۃ" بلوی کا قول ہو اور بلوی کی مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے
 فرمایا ہے "أَسَامَةُ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ مَا حَاشَا فَاطِمَةَ" بلوی کا قول ہے اور حاشا فعل ماضی متصرف

ہے (باب مفاعلہ سے ماضی کا مینغہ ہے یہی وجہ ہے کہ سابقہ ذہبانی کے شعر میں ”أَحَاشِي“ اس کا مضارع استعمال ہوا ہے، حَاشِي يُحَاشِي استثناء کرنے کے معنی میں ہے) اور راوی کی مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور نہ اہل بیت میں سے کسی کو مستثنیٰ کیا، بلکہ حَاشِيَةُ الْخَضْرَىٰ میں جزم و یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ ”بعم طبرانی“ میں ہے ”مَا حَاشَا فَاطِمَةَ وَلَا غَيْرَهَا“ جس سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ماٹا فیہ ہے الغرض یہ کہنا کہ ”حَاشَا“ استثنائیہ ہے اور اس پر ماٹا مصدریہ داخل ہے صحیح نہیں۔ اور شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۷۸۔ رَابِعُ النَّبَاسِ مَا حَاشَا قَرِيْبًا

لَأَنَا لِحَنِ الْفَضْلُهُمْ فَعَالًا

ترجمہ:..... میں نے لوگوں کو دیکھا سوائے قریب کے کہ ہم ان سے کارکردگی، کرم و سخاوت کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

تشریح المفردات:

(رابع) علمیہ ہے جو دو مفعولوں کی طرف صحیحی ہوتا ہے (الناس) مفعول اول (ذو ننا) مفعول ثانی حذف ہے (فعالاً) فاعل کے فاعل کے ساتھ حالات اور اچھی کارکردگی، اور ذکرہ کے ساتھ فعل کی جمع ہے، اکثر فقرہ کے ساتھ اجمع کاموں اور ذکرہ کے ساتھ برے کاموں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

محل الشہاد:

”مَا حَاشَا قَرِيْبًا“ محل الشہاد ہے یہاں ”حَاشَا“ پر ”مَا“ مصدریہ آیا ہے جو قلیل ہے۔

واضح رہے کہ حَاشَا تین مذاہب ہیں۔

(۱)..... اول یہ کہ یہ صرف صحیحی استعمال ہوتا ہے اور اس کا مابعد صرف مجرد ہوتا ہے اور یہ امام سیبویہ اور زمخشری کی رائے ہے۔

(۲)..... دوم یہ کہ ”حَاشَا“ صرف فعل استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے مابعد میں نصب بھی جائز ہے اور جو بھی، اگر مجرد ہو تو وہاں حرف جر حذف ہوگا اور اس کا محل باقی رہے گا، اگر منصوب ہو تو منصوب بتزج الخافض ہوگا۔

(۳)..... سوم یہ کہ یہ فعل ہو کر اپنے مابعد کو نصب بنا کر مفعولیت دیتا ہے اور حرف جر بھی ہوتا ہے یہ امام میرزا مازنی رحمہما اللہ کا مسلک ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے ان کے مسلک ہی کی پیروی کی ہے اور سماع عن العرب بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

الحاشیاء

ویقال فی حاشا الخ:

”حاشا“ کے اندر دو لغتیں اور ہیں ایک ”حاشی“ ہے اور دوسری ”حشاشا“ ہے۔

فائدہ:..... بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”حاشا“ استثنائی کے اندر دو لغتیں ہیں حالانکہ ایسا نہیں صحیح قول یہ ہے کہ یہ لغتیں

”حاشا“ تزییہ کے اندر ہیں۔

جاننا چاہئے کہ ”حاشا“ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)..... استثنائیہ۔

(۲)..... وہ جو فعل متصرف ہو اور ”استثنائی“ کے معنی میں ہوں اور کاف کو ہوا ہے۔

(۳)..... تزییہ، جو مابعد کے نقصان کو دور کرنے کیلئے آجائے جیسے ”حاشا للہ“ یعنی وہ اللہ کے لئے بڑی ہے۔ واللہ

اعلم۔

وصلت الیٰ ہذا المقام قبیل صلوة القبر فی اجوال المکرّم ۱۴۲۵ھ

الحال

المَحْضَلُّ وَصْفٌ، لِمَنْطِقَةٍ مَبْتَوِيَةٍ

مَفْهُمٌ لِي حَالٍ كَفَرْدًا اذْهَبُ

ترجمہ:..... حال ایسا وصف ہے جو فقط اور محسوس ہوتا ہے اور حال پر دلالت کرتے جیسے

”فردًا اذهب“ میں جاتا ہوں اس حال میں کہ میں اکیلا ہوتا ہوں۔

(ش) عرف الحال بانه ”الوصف، الفضلة، المنتصب، للدلالة على هيئة“ نحو: ”فردًا اذهب“ ف” فردًا“ حال لوجود الفيود المذكورة فيه.

وخرج بقوله ”فضلة“: الوصف الواقع وصدق نحو: ”زيد قائم“

وبقوله ”للدلالة على الهيئة“ بالعميز المشتق، نحو: ”لله دوه فلومًا“ فإنه تمييز لا حال علتى

الصحيح؛ إذ لم يقصد به الدلالة على الهيئة، بل التعجب من فروسيته؛ فهو لبيان المتعجب منه، لا لبيان هيئته.

وكذلك: ”وأيت رجلا راكبا“ فإن ”راكبا“ لم يسبق للدلالة على الهيئة، بل لتخصيص

الرجل.

وقول المصنف ”مفهم في حال“ هو معنى قولنا ”للدلالة على الهيئة“

ترجمہ و تشریح:

حال کی تعریف:

(حال لغوی معنی کے اعتبار سے اس کو کہتے ہیں جس پر انسان کا حزن ہو یعنی خیر یا شر) اصطلاحی معنی کے اعتبار سے

حال اس وصف کو کہتے ہیں جو کلام فضلہ منسوب ہو اور دلالت کرے کسی بیت پر، جیسے ہر ذکا اذہب (عام طور پر "جاءنی
 یدراکبا" کی مثال پیش کی جاتی ہے، ضرورت شعری کی وجہ سے "طوطا اذہب" کی مثال ذکر کی)
 "فضلة" سے احتراز کیا اس وصف سے جو کہ عمدہ واقع ہو جیسے زملا قلائم طلائم وصف ہے لیکن خبر ہونے کی وجہ
 سے عمدہ واقع ہے۔

"للدلالة على الهيئة" کے قول سے تمیز مشتق کلمہ لیا جیسے "الذرة حرة طارئة" صحیح قول کے مطابق یہ تمیز ہے
 حالی نہیں اس لئے کہ اس مقصود بیت پر دلالت کرنا نہیں بلکہ آدمی کی شہسواری پر تعجب ہے، الغرض اس میں تعجب منہ کا بیان
 ہے بیت کا نہیں۔

اسی طرح روایت رجلا راکبا "میں راکب کو آدمی کی تخصیص کیلئے لایا ہے بیان علی الهيئة کیلئے نہیں۔

وَكُنْ رَأْسُهُ مَسْتَقِيمًا مُنْتَقِمًا

بِنَفْسِهِ الْبَسِطِ الْبَسِطِ مَسْتَقِيمًا

ترجمہ:..... اور اس حال کا منتقل اور مشتق ہونا غالب ہے لیکن مستحق نہیں۔

(ش) الاكثر في الحال أن تكون منتقلة مستقلة ومعنى الاتصال: ألا تكون ملازمة للمتصف

بها، نحو: "جاء زهدرا كبا" "ف" "راکبا" وصف منتقل الجوہر الفکا کہ جن "زهد" بان یعنی ماشیا۔

وقد سجع الحال غير منتقلة، أي وصفا لازمة نحو: "دعوت الله سعيما" و"خلق الله الزرافة

يديها أطول من رجليها" بقوله:

١٤٩- فجاءت به بسط العظام، كأنما

عظامها من بسط العظام، أي وصفا لازمة

ف"سعيما" و"أطول" بوسط "أحوال" وهي أوصاف لازمة

وقد ثانی الحال جامدة، ويكثر ذلك في مواضع ذكر المصنف بعضها بقوله:

ترجمہ و تشریح:

حال کی قسمیں:

حالی کی دو قسمیں ہیں (۱) منقلہ، (۲) غیر منقلہ

منقلہ اس حال کو کہتے ہیں جو ذوالحال کے ساتھ ملازم نہ ہو یعنی جدا بھی ہو سکتا ہے ہوتا جیسے ”جاہ زید راکبنا“ راکبنا وصف منقلہ ہے زید سے الگ بھی ہو سکتا ہے یا اس طور کہ وہ بدل آ جائے۔

غیر منقلہ وہ ہے جو ذوالحال کے ساتھ وصف لازم ہو۔ جیسے ”دَعُوْثُ اللّٰهِ سَمِيْعًا (سمیع (سننے والا) حال ہے رب کریم کے ساتھ لازم ہے) اور یہ قول ”مَخْلِقُ الْبَلَدِ التَّوْرَةَ بِذَنْبِهَا اطْوَلَ مِنْ رَحْمَتِهَا“ (اللہ تعالیٰ نے ”ذرافہ“ جانور کو پیدا کیا اس حال میں کہ اس کی اگلی ٹانگیں چھٹی ٹانگوں سے لمبی ہیں۔ (بدیہا سے اگلی ٹانگیں مراد ہیں کیونکہ اگلی ٹانگیں بمنزلہ ہاتھوں کے ہیں یہاں (بدیہا الخ) حال ہے ذرافہ سے اور حال غیر منقلہ ہے اس لئے کہ اگلی ٹانگوں کا لمبا اور چھٹی کا چھوٹا ہونا اس کے ساتھ وصف لازم ہے اس لئے جدا نہیں ہوتا۔

ذرافہ ایک کھر والا جانور ہے اگلی اگلی ٹانگیں لمبی، چھٹی چھٹی، گردن گھوڑے کے مانند، مگر اس سے لمبی اور کھڑی، کھال چیتے کی طرح، قد کی درازی میں اونٹ کے برابر، سر پر دو چھوٹے ٹیپک، پنج ذرافہ، ذرافہ، ذرافہ آتی ہے) حال غیر منقلہ کے قبیل سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۷۹- الْجَاءُ ثَبِيْطُ الْعِظَامِ ، كَأَمَّا

عَبَسَ بِمَنْعِهِ بَيْنَ الرَّجَالِ لَوْلَا

ترجمہ: جس نے (جمنڈ) اپنے منہ کو جتا، اس حال میں کہ وہ مناسب

قد و قامت والا تھا گویا کہ اس کی بگڑی لوگوں کے درمیان جمنڈے کی طرح تھی۔

تشریح المفردات:

(جاءت) میں ہی ہمیر ہم جمنڈج کی طرف راجع ہے۔ یہاں شاعر جمنڈج (بروزن قنفذ) کی تعریف

کر رہا ہے، (سبط العظام) یعنی مناسب قد و قامت والا (جماعہ) نکال کر یعنی بگڑی (لؤلؤ) جمنڈا اور ولہف کے مقابلے میں کچھ چھوٹا ہوتا ہے۔

محل استشہاد:

(سبط العظام) محل استشہاد ہے یہاں حال وصف لازم آیا ہے۔ کبھی حال جامد بھی آتا ہے یعنی مشتق نہیں

معنیٰ نے ان جگہوں میں سے بعض کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے۔

ويكثر الجمود في سعر، وفي

مبدئ تاول بلا تكلف

كف فيه ثدا بكدا، يمدأ بيد

و كرز يمدأ أسدا، أي كياسد

ترجمہ:..... اور حال کا جامد ہوتا کثیر ہے اگر دلالت کرے ”نرخ، بھاؤ“ پر اور اس حال

میں بھی کثیر ہے جو بغیر تکلف کے مشتق کی تاول کو ظاہر کرے، جیسے بعد مڈا الخ۔

(وضاحت آگے آرہی ہے انشاء اللہ)

(ش) يكثر معنى الحال جامدة إن دلّت على سعر، نحو: ”بعد مڈا بدرهم“ لمدأ: حال جامدة، وہی فی

معنى المشتق، إذا لمعنى ”بعد ميسراً كل مد بدرهم“ ويكثر جمودها- أيضاً- ليمادل على تفاعل،

نحو: ”بعته يذا بيدة“ أي: مناجزة، أو على يشبهه، نحو: ”كرز يدا أسدا“: أي مشبها الأسد، ف ”يد،

و أسد“ جامدان، و صرح وهو عهما حالاً لظهور تاولهما بمشتق كما تقدم، والى هذا أشار بقوله: ”وفى

مبدئ تاول“ أي: يكثر معنى الحال جامدة حيث ظهر تاولها بمشتق.

وعلم بهذا وما قبله أن قول النحويين ”إن الحال يجب أن تكون منقولة مشتقة“ معناه أن

ذلك هو الغالب، لأنه لازم، وهذا معنى قوله لهما تقدم: ”لكن مستحقاً“

ترجمہ و تشریح:

حال بھی جامد بھی آتا ہے:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ حال کو مشتق ہی آتا ہے اگر تاول بھی بتا رہے ہیں کہ کبھی کبھار جامد بھی آجاتا ہے لیکن

وہاں حال کا جامد آتا کثیر ہے جہلکہ وہ نرخ، بھاؤ پر دلالت کرے جیسے ”بعثه مڈا بدرهم“ (اس بندے پر ایک مڈا ایک

درہم کا بیج دو) مڈا یہاں جامد ہے اور یہ مشتق کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کا معنی ہے ”بعد ميسراً كل حله بدرهم

“ (ميسراً مفعول کا مینہ ہے اور مفعول مشتق ہوا کرتا ہے)

فائدہ:..... مذاہب کے مابین ہے جس کی مقدار اہل حجاز کے نزدیک ۱۸ اور اہل عراق کے نزدیک دو مرتبہ ہے۔

ویکثر الخ:

حال جہاں تقابل پر دلالت کرے وہاں بھی زیادہ تر حال جلد استعمال ہوتا ہے جیسے بعد یذا بہد ای مناجزۃ، میں نے اس چیز کو ہاتھ در ہاتھ پکڑی، یا تشبہ پر دلالت کرنے جیسے "کثر یذا امسا، ای مشبہا الامسا (زید نے شیر کی طرح حملہ کیا)

یہاں "یذا" اور "امسا" دونوں کا حال واقع ہوا صحیح ہے اس لئے کہ ان کی تاویل مشتق سے کرنا واضح ہے۔

مصنف کے قول "وہی مہدی تاویل" سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

و علم الخ اس سے معلوم ہوا کہ عربی حضرات یہ بڑھتے ہیں کہ حال کا فعل ہونا واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ غالب ہے یعنی اکثری کا عدہ ہے لازم نہیں، مصنف کے قول "لیکن تمس مستحقا" سے یہی مراد ہے۔

وَالْحَالُ أَنْ تُرْفَعَ لِحَاكِمَاتِهَا

لِجِهَاتِهَا مَعْنَى كَوْنِهَا كَمَا جِهَاتُهَا

ترجمہ:..... حال اگر لفظ متکون ہو تو اس میں اس کے گزرنے کا اعتقاد نہیں ہے

وَحَدَّثَ اجْتِهَادًا

(ش) مذهب جمہور النصارى ان الحال لا تکون الا مکرة، وان وان ماورد منها معرفة

لفظاً فهو منکر معنی، کقولہم: جاءوا الجماء الفقير.

۱۸۰- وَأَرْسَلَهَا الْمَرَاكِبَ

واجتهاد وحذک، وکلمته فاه الی فی؛ ف"الجماء، والمراکب، وحذک، وفاه": أحوال، وہی

معرفة، لکنها مؤولہ بنکرة، والتقدير: جاءوا الجماء، والمراکب معترکہ، واجتهاد منقرضاً، وکلمته معاهدة.

ووعم الجمادات یون ویرتس ان یجوز صرف الحال مطلقاً بلا تاویل؛ فاجزوا: "جاء زیداً المراکب"

والمصطلح المتکون، فالقوانین تضمنت الحال معنی الشرط صرح تعریفها، وبالإطلاق، فمقال مقصود

معنی الشرط "زید المراکب أحسن منه الماشی" ف"المراکب والماشی": حالان، ووضح تعریفها، فالقوانین

بِالشَّرْطِ، إِذَا التَّقْدِيرُ: زَيْدٌ إِذَا رَكِبَ أَحْسَنَ مِنْهُ إِذَا مَلَسَ، مَطَانٍ لَمْ تَعْقِدْ مِنَ الشَّرْطِ لَمْ يَصِحَّ مَعْرَفَتُهُ؛
فَلَا تَقُولُ: "جَاءَ زَيْدٌ الرَّكْبُ" إِذَا يَصِحُّ: "جَاءَ زَيْدٌ إِنْ رَكِبَ"

ترجمہ و تشریح:

حال نگرہ ہوتا ہے:

جبہور نحو یوں کا مسلک یہ ہے کہ حال صرف نگرہ ہوا کرتا ہے جہاں لفظ حال معرکہ آجاتے وہاں معنی نگرہ کہا جائے گا
جیسے "جاء و الوجداء الغضیر" میں جاء و اجتمعوا کہا جائے گا۔
اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۶- وَإِذَا سَلَّهَا الصُّرَاكُ وَلَمْ يَلْدُفَعْنَا

وَلَمْ يُشَلِّقْ عَلَيْنَا نَفْسَ الْبَدْحِ خَيْسَلٍ

ترجمہ:..... پانی پر اس گدھے نے کہ حملہ کیا (شکار) کی حالت میں بھجا اور ان کو
منع نہیں کیا اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے پانی پینے کی کمی ہو گئی

نہ ڈرا۔

تشریح المفردات:

(ارسل) باب افعال سے واحد مذکر غائب کا مینہ ہے اس میں "هسو" ضمیر مستتر ہے جو راجع ہے حمار وحشی کی

طرف اور (ها) ضمیر گدیوں کی طرف راجع ہے۔

یہاں شاعر حمار وحشی کی تعریف کر رہا ہے کہ حمار وحشی نے گدیوں کو بھیجے وقت کھل کا مظاہرہ کیا وہ اس طرح کہ ان

کو بھیجے وقت خود وہ بلکہ جگہ پر کھڑا ہوا اور گدیوں کو دیکھتا ہوا یا یاد ہو کہ شکاری آدمی ان پر حملہ کر دے، جب وہ شکاری کو

دیکھتا تو فوراً ہنہاتا تاکہ اس کی آوازیں نہ کر گدھیاں ادھر ادھر ہو جائیں اور شکاری کے ہاتھ سے کھل جائیں۔ اسی عمل کو

ادخال سے تعبیر کیا، ادخال کی نسبت حمار وحشی کی طرف مجازی ہے کیونکہ حیوانہ ارسال ذی روح کا کام ہے۔ (الغواک)

ای معترکہ ہجوم (لم یدد) نصر سے بمعنی منع کرنا (انقص) نقص الوجہل کہا جاتا ہے اور مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی مراد

پوری نہ ہوئی، نقص البعیر اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اپنے سیر ہو کر پانی نہ پئے یہاں بھی یہی مراد ہے۔ (دخال) سے

یہاں مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے اونٹ کو (جس نے ایک بار پانی پی لیا ہے) کو انا اونٹوں کے ساتھ شامل کرے جنہوں نے ایک بار پیا ہے تاکہ اس کا اونٹ دوبارہ پی لے۔

محل استشہاد:

(العراک) محل استشہاد ہے یہ حال واقع ہے، معرّفہ ہے لیکن چونکہ یہ مؤول بالکمرہ ہے اس لئے حال واقع ہونا صحیح ہے ای ارسلھا معترکة، (معتبرکہ کمرہ سے مؤول ہے)

اسی طرح اجتہد وجدک میں "منفردا" کلمتہ فہ الی فی "میں مُشافہة کی تاویل کی جائے گی۔

وزعم البغدادیون الخ:

بغداد میں اور یوں رحمہ اللہ کے نزدیک حال کو مطلقاً معرّفہ بنانا جائز ہے بغیر کسی تاویل کے، چنانچہ انہوں نے "جاء زید السراکب" کو مطلقاً جائز کہا ہے۔ اور کوئین نے اس میں تفصیل کی ہے کہ جب حال شرط کے معنی کو حتمین ہو تو اس کو معرّفہ بنانا صحیح ہے اور اگر شرط کے معنی کو حتمین نہ ہو تو پھر صحیح نہیں حتمین کی مثال "جاء زید السراکب أحسن منه الماشی" (زید اس حال میں کہ وہ سوار ہوا چھا ہے اس سے جب وہ پیدل چلنے والا ہو)

یہاں "الراکب الماشی" دونوں حال ہیں اور چونکہ یہ دونوں شرط کے معنی کو حتمین ہیں اس وجہ سے ان کا حال واقع ہونا صحیح ہے اذالتقدیر زید اذارکب أحسن منه اذامشی "عدم حتمین کی مثال "جاء زید الراکب" صحیح نہیں اس لئے کہ جاء زید ان رکت، نہیں کہہ سکتے۔

وَمُضِرٌّ مُنْكَرٌ خَالٍ بِقَعٍ

بیکمرہ کلمتہ زید طلع

ترجمہ: جو مصدر کرہ ہو وہ حال واقع ہوتا ہے کثرت کے ساتھ جیسے "بفتحة زید"

طلع" (زید اچانک نمودار ہوا، یہاں بفتحة مصدر کرہ حال واقع ہے)

(ش) حقّ الحال أن یکون وصفاً - وهو ما دلّ علی معنی وصاحبه: کفائتم، وحسن، ومضروب - لوقوعها

مصدر اعلیٰ خلاف الأصل، اذ لا دلالة لیه علی صاحب المعنی.

وقد كفر معجى الحال مصدر انكرة، ولكنه ليس بمنقوس، المجهته على خلاف الأصل، ومنه "زيد طلع بفتة" ف "بفتة": مصدر انكرة، وهو منصوب على الحال، والتقدير: زيد طلع بافتة، هذا مذهب سيبويه والجمهور.

وذهب الكولبيون إلى أنه منصوب على المصدرية كما ذهب إليه، ولكن الناصب له عندهم الفعل المذكور [وهو طلع] لتأنيته بفعل من لفظ المصدر، والتقدير في قولك "زيد طلع بفتة": "زيد بفت بفتة"، فيؤولون "طلع" بفت، ويتصرون به "بفتة".

ترجمہ و تشریح:

حال میں زیادہ تر بات یہ ہے کہ وہ ایسا وصف ہوا کرتا ہے جو معنی اور معنی والے پر دلالت کرے جیسے قائم، حسن، مضروب، چنانچہ حال کا مصدر واقع ہونا خلاف الاصل ہے اسلئے کہ مصدر میں معنی پر تو دلالت ہوتی ہے جیسے ضرب (اس میں بارنا وصف تو پایا جاتا ہے لیکن مارنے والے پر دلالت نہیں) شرح کی تفصیل سے پہلے یہ بات جانی چاہئے کہ اس میں دو جگہ اختلاف ہے جس کی طرف شارح نے اشارہ کیا ہے اور زیادہ وضاحت نہیں کی پہلا اختلاف منکر مصدر کے بارے میں ہے کہ اس کا اعراب کیا ہے، اور دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ اس ترکیب پر قیاس کرنا جائز ہے یا نہیں۔

۱:..... امام سیبویہ اور جمہور کے ہاں اس کا اعراب نصب بنا برحالیہ ہے اور اس کی تاویل مناسب وصف کے ساتھ کی جائیگی جیسے "زيد طلع بافتة"

۲:..... امام اعشى اور مبرد جمہما اللہ کے ہاں یہ منصوب بنا بر مصدریت ہے اور اس کا عامل محذوف ہے اور فعل فاعل ملکہ حال ہے۔ چنانچہ طلع زيد بفتة میں تقدیر عبارت ہے بفتة بفتة یہاں ان دونوں حضرات کے ہاں "بفتة" حال نہیں ہے بلکہ بفتة ہے۔

۳:..... کولبیوں کے ہاں بھی یہ منصوب بنا بر مصدریت ہے لیکن ان کے ہاں اس کا عامل اسی کے لفظ سے محذوف ہے "زيد طلع بفتة" میں زيد بفت بفتة "تقدیر عبارت ہوگی۔

اب وہاں دوسرا اختلاف کہ حال کلام عرب میں مصدر مکر استعمال ہوا ہے تو کیا اس پر اس کے علاوہ کو قیاس کر جاسکتا ہے یا نہیں؟

امام سیبویہ کے ہاں باوجود کلام عرب میں کثرت سے وارد ہونے کے اس پر قیاس جائز نہیں جبکہ بعض دیگر حضرات کے ہاں جائز ہے (طالع لمن بدو حاشیہ ابن عقیل)۔

وَلَمْ يُنْكَرْ غَيْبًا فَوَالْحَالِ الْفِ

لَمْ يَتَأَخَّرْ أَوْ يُخَيَّرْ أَوْ يَنْ

مِنْ بَعْدِ نَفْسِي أَوْ مُضَاهِيهِ ك، لَا

يَتَّبِعُ أَمْرًا عَيْلَى أَمْرِي مُتَسَهِّلًا

ترجمہ:..... اور انکڑ و پیشتر ذوالحال ٹکر نہیں ہوتا اگر مؤخر نہ ہو، یا اس کی جھیس نہیں کی گئی

ہو یا نئی اور سہیلی کے بعد واقع نہ ہو (ورنہ پھر ٹکر ہوتا ہے) جیسے لا یبع الخ۔

(ش) حق صاحب الحال ان یکون معرفة، ولا ینکر فی الغالب إلا عند وجود مسوغ، وهو أحد أمور:

منها: أن یقدم الحال علی النكرة، نحو: "لِیَهَا قَاتِمًا رَجُلٌ"، و کقول الشاعر، و انشدہ سیبویہ:

۱۸۱- وَبِالْجَسْمِ مَنَى بَيْنَا لَوْ عَلِمْتَهُ

شُحُوبٌ، وَإِنْ تَسْتَهْدِي الْعَيْنَ تَشْهَدُ

و کقولہ:

۱۸۲- وَمَا لَمْ نَفْسِي مِثْلَهَا لِي لَأَنْتُمْ

وَلَا تَسْدُ لِقُرَى مِثْلُ مَا مَلَكْتُ يَمِينِي

ف "قَاتِمًا": حال من "رجل"، و "بَيْنَا": حال من "شحوب"، و "مِثْلَهَا": حال من "لأنتم".

ومنہا: أن تخصص النكرة بوصف، أو بإضافة، فمثال ما تخصص بوصف قوله تعالى: ﴿لِیَهَا قَاتِمًا رَجُلٌ﴾

یفرق کل أمر حکیم أمرًا من عندنا.

و کقول الشاعر:

۱۸۳- نَجُوتٌ يَنْوَحُوا وَمَجْرِبَةٌ كَمَا

فِي لُكَّانٍ مَّا عَمِرَ فِي الرِّمِّ مَشِيخُونَ

وَقَسَائِرُ يَسُدُّونَ بِالسَّيِّئَاتِ مَبِيضَةً

فِي قَوْمِهِ الْفِ عَامٍ هَرَبَ حَمِينًا

ومقال ما تخصص بالإضافة قوله تعالى: ﴿فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءٍ لِللِّسَانِ لِمَا

وَسَمِعَهَا: أَنْ تَقَعَ النِّكَرَةُ بَعْدَ نَفْيٍ أَوْ شَبَّهَهُ، وَشَبَّهَ النَّفْيُ هُوَ الْأَسْفَهَامُ وَالنَّهْيُ، وَهُوَ الْجِرَادُ

أَوْ يَمِينٌ تَمَّ بَعْدَ نَفْيٍ أَوْ مِثْلِهِ "لَمَّا مَاقَعَ بَعْدَ النَّفْيِ قَوْلُهُ:

۱۸۳- مَّا حَمَّ مِنْ مَوْتٍ حَمِيٍّ وَإِنَّا

وَلَا تَبْرَى مِنْ أَعْدِائِنَا

ومنه قوله تعالى: ﴿وَمَا أَمَلْنَا مِنَ الْإِنسَانِ عَدُوًّا﴾ فـ"لَهَا كِتَابٌ" جملة في

عِ الْحَالِ مِنْ "قَرِيبَةٍ، وَصَحَّ مَجِيءُ الْحَالِ مِنَ النِّكَرَةِ لِقَدِيمِ النَّفْيِ عَلَيْهَا، وَلَا يَصِحُّ كَوْنُ الْجُمْلَةِ

قَرِيبَةً، عَلَّامًا لِلزَّمَنِ حَشْرِيٍّ، لِأَنَّ الْوَاوَ لَا تَفْصِلُ بَيْنَ الصِّفَةِ وَالْمَوْصُوفِ، وَالْهَيْئَةُ جُودٌ "إِلَّا" مَانِعٌ مِنْ

إِذْ لَا يَمْتَرُضُ "إِلَّا" بَيْنَ الصِّفَةِ وَالْمَوْصُوفِ، وَمِنْ صَرِيحٍ يَمْنَعُ ذَلِكَ: أَبُو الْحَسَنِ الْأَعْفَشِيُّ فِي

قَوْلِهِ، وَأَبُو عَلِيٍّ الْفَارَسِيُّ فِي التَّذَكِيرَةِ.

ومقال ما وقع بعد الاستفهام قوله:

۱۸۵- مَّا صَاحَ قَبْلَ حَمِّ حَمِيٍّ يَا قَطْرِي

لِنَفْسِكَ الْعُدُوِّ فِي إِيْمَادِهَا الْأَمَلِ

ومقال ما وقع بعد النهي قول المصنف: "لَا يَبِغُ امْرُؤٌ عَلَى امْرَأَةٍ مُسْتَعْشَلًا" وقول قطري بن

۱۸۶- لَا يَبْرُكُنَّ أَحَدٌ إِلَى الْأَحْتِمَامِ

يَوْمَ الْوَهْيِ مُتَعَوِّفًا لِحَمَامِ

واحترز بقوله: "عَالِيًا" مَقَابِلَ عَجْنِي الْمَحَال فِيهِ مِنَ النُّكْرَةِ بِلَا مَسْوُغٍ مِنَ الْمَسْوُغَاتِ الْمَذْكُورَةِ، وَمِنْهُ قَوْلُهُمْ: "مَرُوتٌ بِمَنْاءٍ لِقَدْ قُورِجِلٌ" وَقَوْلُهُمْ: "عَلَيْهِ مَائَةٌ بَيْضًا"، وَأَجَازٌ سِيَّوِيهِ "فِيهِارِجِلٌ قَانِمًا"، وَفِي الْعَدِيثِ: "صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَاعِدًا، وَوَأَى وَوَأَى هَ رَجَالٌ قِيَامًا".

ترجمہ و تشریح:

ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے:

ذوالحال چونکہ معنی کے اعتبار سے مبتدا ہوتا ہے اور مبتدا زیادہ تر معرفہ ہوتا ہے یا کمرہ مختصہ وغیرہ (جس کا تفصیل ذکر مبتدا کی بحث میں جلد اول میں گزر گیا) اس لئے ذوالحال کیلئے بھی ضروری ہوا کہ یہ بھی معرفہ ہی واقع ہوگا۔ وہ جگہیں جہاں ذوالحال کمرہ ہوتا ہے:

چند جگہیں ایسی ہیں جہاں کمرہ واقع ہو سکتا ہے:

(۱) حال کمرہ پر مقدم ہو جیسا "لِيَهْبِطَ لِقَائِهَا حُنَيْنٌ"

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

بِالْحَسْمِ مَتَى بَيْنَنَا لَوْ عَلِمْتَهُ

شُحُوبٌ، وَأَنْ تَسْتَشْهَدِي الْعَيْنَ تَشْهَدِي

ترجمہ: میرے جسم پر صاف واضح تصویر ہے اگر تو پہنچا ہوتی (تو میرے ہونے پر رحم

کرتی) اور اگر آنکھ سے تہاں پر گواہی طلب کرنا چاہتی ہے تو وہ گواہی دے گی۔

تشریح المفردات:

(بِالْحَسْمِ) جار مجرور محدود کے ساتھ متعلق ہو کر خبر مقدمہ۔ (بَيْنَنَا) واضح ظاہر بیان بےین ضرب سے اسم

فاعل ہے، فاعل کے وزن پر ہونا چاہئے لیکن اس وزن پر اسم فاعل کا آنا قلیل ہے۔ (لَوْ عَلِمْتَهُ) میں لو شرطیہ ہے لعطف

علی، یا "لَوْ حَمَيْتِي" اس کا جواب ہے (شُحُوبٌ) یعنی تصویر، مبتدا مؤخر (الْعَيْنَ) آنکھ، ان اعضاء میں سے ہے جو مؤنث

استعمال ہوتے ہیں۔

محل استشہاد

(بیتنا) اور (شعوب) محل استشہاد ہیں یہاں (بیتنا) حال واقع ہے (شعوب) ذوالحال نکرہ ہے
 موسیٰ (گنجائش پیدا کرنے والا) ذوالحال پر حال کی تقدیم ہے، لیکن یہ یہودیہ رح اللہ کے مسلک کے مطابق ہے ان کے ہاں
 مبتدا سے حال کا واقع ہونا صحیح ہے لیکن جمہور کے مسلک کے مطابق مبتدا سے حال کا واقع ہونا صحیح نہیں ان کے ہاں
 بیتنا بالجسم کے حلق کی ضمیر سے حال ہے اس صورت میں اس بیت میں کوئی مشابہ نہیں۔
 اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۴۔ وَمَا لَمْ نَفْسِي مَعْلَهَا لِي لَانَّمْ

وَلَا مَدْفَعِي مَعْلَهَا لِي مَعْلَهَا لِي مَعْلَهَا لِي

ترجمہ:..... میرے نفس کو اس طرح کسی نے بھی ملامت نہیں کی جس طرح خود میرے نفس
 نے کی ماور نہ میرے مملوکہ مال کی طرح کسی نے میرے فخر کو دور کیا (یعنی میرے ذات
 کو ملامت کرنے والی چیز میری ذات ہی کا آداب ثابت ہوئی) (اس لئے کہ اپنی ذات
 انسان کو اس کی غلطی کا احساس دلاتا ہے) اور جتنا میرے اپنے مال نے میرے فخر کو
 دور کیا اس طرح کسی اور چیز نے نہیں کیا۔

تشریح المفردات:

(ما) نافیہ ہے (لام) یلوم سے لھر سے ہے بمعنی ملامت کرنا، لوم، عدل، عتاب تینوں الفاظ مترادف ہیں
 (نفسی) مفعول بہ مقدم (معلہا) لانم سے طالع ہے (ما ملکت بیمنی) اس سے مراد اپنا مملوکہ مال ہے اس لئے کہ
 ہاتھ اس کا مالک ہے۔

محل استشہاد:

(معلہا لانی لانم) محل استشہاد ہے یہاں معلہا حال واقع ہوا ہے "لانم" سے جو کہ نکرہ ہے موسیٰ یہاں بھی
 حال کی تقدیم ہے۔

وَمِنْهَا أَنْ تَخْصَصَ الْخ:

سُلاعات میں سے یہ بھی ہے کہ مکروہ مفی یا اضافت کے ساتھ خاص ہو جائے تو اس صورت میں اس سے حال کا واقع ہونا صحیح ہے خصوصاً بالوصف کی مثال ”فِيهَا يُفْرَقُ كَمَلِّ امْرِئٍ حَكِيمٍ اَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا“ یہاں امرًا، امری سے حال واقع ہے جو کہ موصوفی ہے اور حکیم اس کی صفت ہے اور اس کی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۳- لَشَجْوَتٍ يَسَارَتٍ نُوحًا وَاسْتَجَبْتَ لَنُوحٍ

فِي لَيْلِكَ مَا خَيْرٌ لِي الْيَوْمَ مَشْهُوِيًا

وَعَاشَ يَلْمُؤُونَ بِآيَاتِ مُبَيَّنَةٍ

فِي قِيَوْمِهِ الْفَقَامِ هَبْرَ خَمْسِينَ

ترجمہ:..... اسے رات آپ نے حضرت نوح علیہ السلام کو نجات دی اور ان کی دعا کو قبول فرمایا (آپ علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ آپ لا تملن علی الارض من الکفرین ہتازاً، اے رب زمین پر کافروں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑو) نجات الکی کشتی میں دی جو دریاب میں پانی کو پہاڑ رہی تھی اس حال میں کہ کشتی بھری تھی، اور انہوں نے زندگی گزاری اس حال میں کہ وہ واضح دلائل اور نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے اپنی قوم میں پچاس کم ایک ہزار سال تک (یعنی ساڑھے نو سال تک)

تشریح المفردات:

(یوحنا) نوحؑ مجھی لفظ ہے عبرانی میں اس کا معنی ساکن کے ہیں بعض حضرات کے نزدیک ان کو نوح اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ وہ زیادہ رویا کرتے تھے ورنہ ان کا اصل نام عبد الغفار تھا، جب سے حضرت آدم علیہ السلام اس دنیا میں اترے اس وقت سے نوح علیہ السلام کی ولادت تک ایک ہزار چھ سو چالیس سال تک کا وقفہ ہے، بعض نے ذکر کیا ہے کہ آپ کی ولادت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک سو چھبیس سال بعد ہوئی، چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اور ساڑھے نو سال اپنی قوم میں گزارے چھ سو سال کے بعد طوفان آیا تھا۔ اس سے پہلے آپ نے ساج کی کڑی سے کشتی بنائی، اور جب کو آپ اس پر سوار ہوئے اور المحرم الحرام عاشورہ کے دن جو دی پہاڑ پر اترے۔

(لَجِيَتْ بِأَرْبَ لَوْحًا) ای من الغرق (فلک) ایک ہی لفظ کے ساتھ جمع اور مفرد دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے (نحو میں) یہاں اصل میں بسکون اللام تھا لیکن ضرورت شعری کی وجہ سے فا کی مناسبت سے لام کو ضمہ کی حرکت دیدی۔ (ماخر) الشق مع الصوت گشتی کا آواز کے ساتھ پانی کو چیرنا (ہم) سمندر (مشحوناً) بھری ہوئی۔

محل استشہاد:

(مشحوناً) محل استشہاد ہے یہ (فلک) کمرہ سے حال واقع ہوا ہے مُشَوَّخِ یہاں کمرہ کا موصوف ہونا ہے (ماخر) صفت کیلئے۔

ومثال ماتخصّص بالاضافة:

تخصیص بالاضافة کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”فسی اربعة ايام سواء للسانين“ یہاں ”سواء“ حال واقع ہے (اربعہ) سے جس کی تخصیص ہو چکی ہے اضافت کے ساتھ۔

ومنها الخ:

ذوالحال کے کمرہ ہونے کی مسوغات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کمرہ نفی یا شہنی کے بعد واقع ہو، شہنی سے استفہام اور نفی مراد ہے۔ مصنف کے قول ”اَوْ يَمِينٌ مِنْ بَعْدِ نَهْيِ الْخِ“ سے یہی مقصود ہے۔ نفی کے بعد کمرہ کے واقع ہونے کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۸۳- مَا نُحْمُ مِنْ مَوْتِ جَمِيٍّ وَاقْتِئَا

وَلَا تَسْرِي مِنْ أَعْمَلِ نَسِيئَا

ترجمہ: تو موت سے کوئی پناہ گاہ مقرر کی گئی ہے جو چھانے والی ہے اور نہ آپ اس دنیا میں ہمیشہ کیلئے کسی کو باقی رکھینگے۔

تشریح المفردات:

(حُم) ماضی مجہول کا صیغہ ہے از نصر کی بات کا عند کی جگہ مقرر ہونا (حَمِي) جانے پناہ محفوظ جگہ، (واقْتِئَا) ضرب سے اسم قائل، چھاننے والا۔

محل استشہاد:

(واقیہ، باقیہ) محل استشہاد ہیں دونوں ”جسمی“ نکرہ سے حال واقع ہیں مسوغ یہ ہے کہ نکرہ سے پہلے آئی ہے۔

اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے، وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ“ اس میں ”لہا کتاب“ جملہ ہے قریۃ سے حال واقع ہے جو کہ نکرہ ہے یہاں نکرہ ذوالحال سے حال کا واقع ہونا صحیح ہے اس لئے کہ اس پر نفی مقدم ہے، نیز اس جملہ کا قریۃ کیلئے صفت ہونا بھی صحیح نہیں۔ (خلافاً للزمحشری زمحشری فرماتے ہیں کہ یہ جملہ، قریۃ کیلئے صفت واقع ہو سکتا ہے اور واو موصوف صفت کے درمیان التصاق کو مؤکد کرنے کیلئے آیا ہے اگرچہ لفظاً فاصلہ ہے لیکن معنی نہیں) اس لئے کہ واو موصوف صفت کے درمیان فاصلہ نہیں آتا نیز الا کا موجود ہونا بھی صفت بننے سے مانع ہے اس لئے کہ الا موصوف صفت کے درمیان نہیں آتا۔ ابوالحسن الاحفش نے ”المسائل“ میں اور ابوالعلی قاری نے تذکرہ میں اس ممانعت کی تصریح کی ہے۔

استفہام کے بعد واقع ہونے کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۸۵- يَصْطَاحُ هَبْلُ حُمِّ عَيْشٍ جَالِيًا فَتْرِي

لَنْ يَسْكُ الْمَلِكُ لِي اِبْعَادَهَا اَلْاَمَلَا

ترجمہ:..... اے میرے ساتھی کیا کوئی باقی رہنے والی زمین کی مقدر کی گئی ہے تاکہ آپ اپنے نفس کیلئے اپنی کے دور دراز امیدوں کے رکھنے میں حذر نہ رکھیں (یعنی کیا کوئی ایسی زمین کی ہے جو کہ باقی ہو جس کی وجہ سے آپ اپنے نفس کو معذور سمجھیں کہ تیرا نفس دور امیدیں رکھتا ہے، یہاں استفہام انکاری ہے یعنی ایسی زمین کی نہیں لہذا اپنے نفس کو دور امیدوں کے رکھنے سے باز رکھیں)

تشریح المفردات:

(صاح) اصل میں یصاحی تھا ترجمہ کری کے آخر میں یا کو حذف کیا، لیکن یہ ترجمہ قیاسی نہیں اس لئے کہ قیاسی ترجمہ اعلام میں ہوتی ہے اور صاحب علم نہیں۔ (حُمِّ) کی تفصیل پچھلے شعر میں گزر گئی (ابعادھا الاملا) میں مصدر کی اضافت

اعمال کی طرف ہوئی ہے۔ (امل) اس کیلئے مفعول ہے (ہا) ضمیر نفس کی طرف راجع ہے۔

محل استشہاد:

(باقیاً) محل استشہاد ہے حال واقع ہوا ہے ”عیش“ مکرہ ذوالحال سے مسوخ یہاں حال کا استشہاد انکاری کے بعد واقع ہونا ہے جو کہ نفی کے معنی میں ہے۔ نفی کے بعد واقع ہونے کی مثال جیسے مصنف کا یہ قول ”لایبغ امرؤ علی امریٰ تستشہداً“ (کوئی آدمی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے آسان سمجھو) و رقظری بن الحجاء کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۶- لَا یَرْکَنُنْ أَحَدٌ إِلَى الْاِحْجَامِ

یَوْمَ الْوَعْدِ مُتَخَوِّفًا لِّلْحَمَامِ

ترجمہ: موت سے ڈر کر جنگ کے دن کوئی بھی پیچھے ہٹنے کی طرف نائل نہ ہو۔

تشریح المفردات:

(لا یرکنن) نفی غائب معروف بالنون کا کیو خفیفہ یعنی نائل ہونا قرآن کریم میں ہے ”وَلَا تَرْکَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا“ (احجام) دشمن سے ملنے سے گریز کرنا، پیچھے ہटना۔ (الوعدی) جنگ (المحمام) حاء کے کسرہ کے ساتھ موت کو کہتے ہیں۔

محل استشہاد:

(متخوفاً) محل استشہاد ہے حال واقع ہے ”أَحَدٌ“ سے جو کہ مکرہ ہے۔ یہاں مسوخ مکرہ کا نفی کے بعد واقع ہونا ہے۔

واحتوز بقوله الخ:

مصنف نے ”وَلَمْ یُنْکِرْ غَالِبًا“ کہہ اس بات کی طرف اشارہ کیا جہاں بغیر مسوخ کے مکرہ سے حال واقع ہوتا ہو جیسے مَرَزَتْ بِمَاءٍ لَعْدَةٌ رَجُلٍ اِی مقدار لعدته، اور یہ قول ”عَلَيْهِ مِائَةٌ بَيْضًا (بَيْضًا بَيْضًا) کی جمع ہے یہ مائة سے حال واقع ہے اس کو تیز بنانا صحیح نہیں اس لئے مائة کی تیز بجز در اور مفرد ہوتی ہے۔ جبکہ یہ منصوب بھی ہے اور جمع

بھی ہے۔

حدیث شریف میں بھی آتا ہے ”صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعًا وَصَلَّى وِرَاءَهُ رِجَالًا قِيَامًا“ یہاں قیاماً حال واقع ہے ”رجال“ سے جو کہ گھر ہے مذکورہ مسوغات میں سے بھی کوئی مسوغ نہیں۔

وَتَبَّقَ خَالٍ مَا يَسْخَرُ مِنْ جُرِّ
أَبَوِ وَلَا أُمَّنْهُ فَقَدْ وَرَدَ

ترجمہ:..... حال کو حرف جر کے ذریعہ مجرور ذوالحال پر مقدم کرنے کو نحو یوں نے منع کیا ہے اور میں منع نہیں کرتا ہوں اس لئے کہ کلام عرب میں آیا ہے۔ (ما) موصولہ ہے۔

(ش) مذہب جمہور النحویین أنه لا يجوز تقديم الحال على صاحبها المجرور بحرف، فلا تقول في "مررت بهند جالسة": مررت جالسة بهند.

وذهب الفارسي، وابن كيسان، وابن برهان إلى جواز ذلك، وتأبهم المصنف، للورود السماع بذلك، ومنه قوله:

١٨٧- لَمِنْ كَانَ يَسْرُدُ السَّمَاءَ هَيْمَانَ ضَادِيًا
السِّيَّ حَيْثُ نَادَاهَا الْحَيْبُ

ف "هَيْمَانَ، وَضَادِيًا": حالان من الضمير المجرور بالي، وهو الباء، وقوله:

١٨٨- فَإِنْ تَكَ أَدْوَادُ أَمْنَنْ وَ بَسْوَةٌ
فَلَنْ يَلْهَبُوا مَرْغًا بِقَتْلِ حَبَالٍ

ف "مَرْغًا" حال من فعل.

وأما تقديم الحال على صاحبها المرفوع والمنصوب فجاز، نحو: "جاء ضاحكاً زيدا".

وخررت مجردة فهذا

ترجمہ و تشریح:

www.KitaboSunnat.com

حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا:

یہ جانا چاہئے کہ ذوالحال کبھی حرف جِراصلی کے ساتھ مجرور ہوتا ہے جیسے سرورث بھند جالسۃ، کبھی حرف جر زائد کے ساتھ جیسے "ما جاء من احدرا کتباً" (من زائد ہے راکتباً حال ہے احد سے) اگر حرف جر زائد کے ساتھ مجرور ہے تو اس صورت میں حال کی تقدیم بالافتاق جائز ہے۔ چنانچہ "ما جاء من احدرا کتباً" کہہ سکتے ہیں۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مجرور بحرف جِراصلی والے ذوالحال پر حال کو مقدم کر سکتے ہیں یا نہیں۔ جمہور نحوویوں کے نزدیک نہیں کر سکتے۔ چنانچہ سرورث جالسۃ بھند کہا کج نہیں۔ اور قاری اور ابن کیمان، ابن برہان رحمہم اللہ کے نزدیک اس صورت میں حال کی تقدیم جائز ہے مصنف نے بھی ان کی اتباع کی ہے اس لئے کہ کلام عرب میں آیا ہے اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۸۷۔ لِسِنِّ كَسَانٍ بَرْدُ الْمَاءِ مَخْتَلِفٌ مَّادِيًا

الْبَرْدُ حَيْثُ مَا تَهَيَّأَ السَّحْبُ

ترجمہ:..... اگر ٹھنڈا پانی سخت یا اس کی حالت میں مجھے محبوب ہے تو میری یہ محبوبہ بھی مجھے محبوب ہے (یعنی میری محبوبہ میرے نزدیک یا سے کیلئے ٹھنڈے پانی کی طرح ہے اور چونکہ سخت یا سے کو ٹھنڈے پانی کی زیادہ ضرورت ہے اس لئے میری محبوبہ بھی مجھے زیادہ پسند ہے۔

تشریح المفردات:

(برد) بمعنی بار، ٹھنڈا، (برد الماء) میں صفت کی اضافت ہے موصوف کی طرف ای الماء البارِد (ہیمان) ہیمان سے ہے (بضم الہاء) اور ہیمان (بالکسر) اس کی جمع ہے، سخت یا اس (مادینا) اسم قائل ہے سمع سے (ہیمان، مادینا) الفاظ مترادف ہیں معنی ان کا ایک ہے (حبيب) حبیبة نہیں کہا اس لئے فعلیل جب بمعنی مفعول ہوا اس میں مذکر مؤنث برابر ہوتے ہیں۔

محل استشہاد:

(ہیمان صادیًا) محل استشہاد ہیں یہ دونوں حال واقع ہیں اس ضمیر سے جو مجبور ہے الٰہی کے ساتھ (محلًا) اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۸۔ لَمَّا تَكَ اَذْوَادُ اَصْبَنَ وَنَسْوَةَ

لَمَّا يَدُ الْوَالِدِ وَالرَّغْبِ اَبْقَى جِبَالَ

ترجمہ:..... اگر اونٹ اور مور میں سب کر دی گئیں تو خیر ہے لیکن یہ تم ہرگز حبال کے قتل کو رائیگاں نہیں لے جاسکتے ہو۔

تشریح المفردات:

(اذواد) ذود کی جمع ہے تین سے دس سال تک کے اونٹوں کو کہا جاتا ہے (فرغنا) بفتح الفاء او کسبہ مدحی رائیگاں جانا، ضائع ہو جانا (حبال) شاعر کا بیٹا۔

شان و رود:..... شاعر طلحہ بن حویلد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر ظاہری طور پر اسلام لایا لیکن واپسی کے بعد نبوت کا دعویٰ کر کے مرتد ہوا آپ علیہ السلام نے مقابلے کیلئے لشکر روانہ کیا لیکن طلحہ خود فرار گیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے طلحہ کی طرف عکاظ اور ثابت رضی اللہ عنہما کو بھیجا لیکن یہ دونوں اس کے ہاتھوں شہید ہوئے ان دونوں کی شہادت سے طلحہ کے بیٹے یا بیٹے ”حبال“ کو قتل کیا گیا تھا جس پر اس نے یہ شعر کہا۔

(اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کے دور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کر کے جنگ قدسیہ میں شہادت

کی اور بالآخر شہادت پائی)

محل استشہاد:

(فرغنا) محل استشہاد ہے حال واقع ہے ”قتل“ سے جو حرف جر کے ذریعہ مجبور ہے۔ اگر ذوالحال مرفوع یا

منصوب ہو تو پھر حال ہی تقدیم جائز ہے جیسے ”جاء صاحبنا زيداً“ ضربت مجردة ہنداً۔

وَلَا تُجِزُ خَالًا مِنَ الْمُضَافِ لَهُ
 إِلَّا إِذَا قُضِيَ الْمُضَافُ عَمَلَهُ
 أَوْ كَانَ جُزْءَ مَأْلِهِ أُضِيفَا
 أَوْ مِثْلَ جُزْئِهِ فَلَا تُجِزُفَا

ترجمہ:..... مضاف الیہ سے آپ حال کو جائز نہ کریں، مگر جب مضاف مضاف الیہ کے عمل کا تقاضا کرے یا وہ مضاف الیہ کا جزء ہو یا جزء کی طرح ہو۔ پس آپ زیادتی نہ کریں۔

(شہ) لایجوز مجی الحال المضاف الیہ، إلا إذا كان المضاف مما يوضح عمله في الحال: كاسم الفاعل، والمصدر، ونحوهما مما تضمن معنى الفعل، فنقول: هذا ضارب هند مجردة، وأعجبنى قيام زيد مسرعًا، ومنه قوله تعالى: ﴿إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ﴾، ومنه قول الشاعر:

۱۸۹ - تَقُولُ ابْتَسَى أَنْ انْطَلَاكَ وَاحِدًا

إِلَى السُّرُوعِ يَسُومُنَا تَارِكِي لِأَسَالِيَا

و كذلك یجوز مجی الحال من المضاف الیہ: إذا كان المضاف جزءًا من المضاف الیہ، أو مثل جزئه فی صحة الاستغناء بالمضاف الیہ عنه؛ فمثال ما هو جزء من المضاف الیہ قوله تعالى: ﴿وَنَزَعْنَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا﴾ ف”إخوانًا“ حلال من الضمير المضاف الیہ ”صدر“، والصدر: جزء من المضاف الیہ، ومثال ما هو مثل جزء المضاف الیہ- فی صحة الاستغناء بالمضاف الیہ عنه- قوله تعالى: ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ ف”حنيفًا“: حال من ”إبراهيم“ والمثلة كالجزء من المضاف الیہ؛ إذ یصح الاستغناء بالمضاف الیہ عنها؛ فلوقيل فی غیر القرآن: ”أن اتبع إبراهيم حنيفًا“ لصح.

لأن لم یکن المضاف مما یصح أن یعمل فی الحال، ولا هو جزء من المضاف الیہ، ولا مثل جزئه- لم یجز أن یجى الحال منه؛ فلا نقول: ”جاء غلام هند صاحبك“ علافًا للفارسی، وقول ابن المصنف رحمه الله تعالى: ”إن هذه الصورة ممنوعة بلا خلاف“ لیس بجید، فإن مذهب الفارسی

جوازا، كما تقدم، ومن نقله عنه الشريف أبو السعادات ابن الشجرى فى أماليه.
ترجمہ و تشریح:

مضاف الیہ سے حال کا واقع ہونا:

مضاف الیہ سے حال واقع ہو سکتا ہے یا نہیں؟

بعض حضرات کی رائے یہ ہے (جن میں مصنف بھی شامل ہیں) کہ مضاف الیہ سے حال واقع ہونا صحیح نہیں جب تک تین شرائط پائی نہ جائیں۔

(۱)..... اول یہ کہ مضاف ایسا ہو جس کا حال میں عمل کرتا صحیح ہو جیسے اسم قائل، مصدر، یا جو فعل کے معنی کو مضمّن ہو اور فعل کی طرح عمل کرتا ہو جیسے هذا ضاربٌ بعد مصدره، انا جینی قیامٌ زید مسرعا اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول "الیہ مرجعکم جمیعاً" (جمیعاً، "کم" ضمیر سے حال ہے) اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۸۹- تَقُولُ ابْتِئَانًا لِّلطَّلَاقِکَ وَ اِحْدًا

السی المروع یوقنا تسلوکی لا ابالیسا

ترجمہ:..... میری بیٹی مجھے کہتا ہے کہ آپ کا اکیلا جگ کی طرف جانا ایک دن مجھے بغیر باپ کے تارے گا۔

تشریح المفردات:

(الطَّلَاقِکَ) میں مصدر کی اصناف قائل کی طرف ہے (روع) بمعنی خوف، مراد اس سے جگ ہے یہاں جگ مثبت کو ذکر کر کے سبب کا ارادہ کیا ہے اس لئے کہ جگ سبب ہے خوف کا۔

محل استشہاد:

(واحداً) محل استشہاد ہے یہ حال واقع ہے الطَّلَاقِکَ میں کہ مضاف الیہ کی ضمیر سے اس لئے کہ انطلاق مضاف کا عمل اس میں صحیح ہے۔

(۲)..... دوسری جگہ جہاں مضاف الیہ سے حال بنا کر ہے دو ہے جہاں مضاف مضاف الیہ کا جزء ہو۔

(۳)..... تیسری یہ ہے کہ جزء تو نہ ہو لیکن جزء کی طرح ہو۔

جزء کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”وَلَنَزَعْنَاهَا مِنِّي مُلْكًا مُّؤْتَمَرًا“ یہاں ”اعواناً“ حال واقع ہے ”صدور ہم“ کی ”ہم“ مضاف الیہ کی ضمیر سے اور صدور مضاف الیہ کا جزء ہے (ہیذا انسان کا جزء ہوتا ہے)

(۴) مضاف الیہ کے جزء کی طرح ہو (یعنی مضاف الیہ سے الگ ہونے کی صحت میں) اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

”فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ الَّذِي هُوَ عَذَابٌ أَلِيمٌ“

اس میں حنیفاً ابراہیم سے حال واقع ہے اور ملۃ مضاف الیہ کے جزء کی طرح ہے (فی صحت الاستثناء) چنانچہ غیر قرآن میں ”ان اتبع ابراہیم حنیفاً“ کہا جائے تو صحیح ہوگا۔

اب اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو اس صورت میں مضاف الیہ سے حال کا واقع ہونا صحیح نہیں ہوگا۔ لہذا اجزاء غلامِ ہدیہ ضاحکہ“ کہنا شرائط نہ پانے کی وجہ سے صحیح نہیں۔

مصنف کے بیٹے کا یہ کہنا کہ یہ صورت بغیر اختلاف کے صحیح ہے صحیح نہیں اس لئے کہ فارسی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے شریف ابوالسعدت نے اپنے امالی میں ان سے یہی نقل کیا ہے۔

(ص ۲۶۷ کے حاشیہ میں اس موضوع پر پیر بحث کی گئی ہے شائقین وہاں ملاحظہ فرمائیں)

وَالْحَالُ إِنِّي مُنْصَبٌ بِفِعْلِ مُرْفَا

أَوْ صِفَةِ اشْتَهَتْ الْمُنْصَرِفَا

فَجَاءَتْ مُرْفَا بِهِيَ كِ ”مُرْفَا

ذَارِ اجِلْ ، وَمُنْصَرِفَا زِيدَا

ترجمہ:..... حال اگر منصوب ہو فعل متصرف یا الیٰ مصنف کے ساتھ جو فعل متصرف کے

ساتھ مشابہ ہو۔ تو اس کی تقدیم جائز ہے کیونکہ ”مُرْفَا ذَارِ اجِلْ وَمُنْصَرِفَا زِيدَا

ذَعَا

(ش) بحوزہ تقدیم الحال علیٰ ناصبہا ان کلان فعل متصرفاً تاوصفة تشبه الفعل المتصرف، والمراد بها: ما تضمن معنى الفعل وحروفه، وقبل العاليت، والثنية والجمع: كاسم الفاعل، واسم المفعول،

والصفة المشبهة؛ فمثال تقديمها على الفعل المتصرف "مخلصا يدعا" فدعا: فعل متصرف،
وتقدمت عليه الحال، ومثال تقديمها على الصفة المشبهة له: "مسرعا ذارا حل"
فإن كان الناصب لها فعلا غير متصرف لم يجوز تقديمها عليه، فتقول: "ما أحسن زيدا
ضاحكا" ولا تقول: "ضاحكا ما أحسن زيدا" لأن فعل التعجب غير متصرف في نفسه؛ فلا يتصرف
في معموله، وكذلك إن كان الناصب لها صفة لا تشبه الفعل المتصرف كالفعل التفضيل لم يجوز
تقديمها عليه، وذلك لأنه لا يثنى، ولا يجمع، ولا يؤنث، فلم يتصرف في نفسه؛ فلا يتصرف في
معموله، فلا تقول: "زيد ضاحكا أحسن من عمرو" بل يجب تأخير الحال؛ فتقول: "زيد أحسن من
عمرو ضاحكا"
ترجمہ و تشریح:

حال کو اس کے عامل پر مقدم کرنا:

حال کی تقدیم اس کے ناصب (عامل) پر جائز ہے یا نہیں؟

اس کے بارے میں قاری ہے ہیں کہ اگر ناصب فعل متصرف ہو یا ایسی صفت ہو جو فعل متصرف کے مشابہ ہو۔ (مراد
اس مشابہت سے یہ ہے کہ وہ فعل کے معنی اور حروف کو حتمین ہو یعنی تانیث، ثنیہ، جمع کو قبول کرتا ہو) جیسے اسم فاعل، اسم
مفعول، صفت مشبہ تو اس صورت میں حال کی تقدیم صحیح ہے۔ فعل متصرف پر تقدیم کی مثال: مخلصا زيد دَعَا (زيد نے دعا
کی اس حال میں کہ وہ مخلص تھا) "دَعَا" فعل متصرف ہے اور حال اس پر مقدم ہے (صفت مشبہ پر تقدیم کی مثال: مُسرِعًا
ذَارًا حَلًّا (وہ کوچ کرنے والا ہے اس حال میں کہ تیز ہے)

اور اگر ناصب فعل غیر متصرف ہو تو پھر حال کی تقدیم صحیح نہیں۔ چنانچہ ضاحكا ما أحسن زيد انہیں کہا جائے گا
اس لئے کہ فعل تعجب خود غیر متصرف ہے تقدیم معمول میں کیسے تصرف کرے گا؟

اسی طرح اگر ناصب ایسی صفت ہو جو فعل متصرف کے ساتھ مشابہ نہ ہو تو بھی حال کی تقدیم اس پر صحیح نہیں اس لئے
کہ یہ تثنیہ، جمع، مؤنث نہیں ہوتا۔ "فلم يتصرف في نفسه فلا يتصرف في معموله" چنانچہ "زيد ضاحكا
احسن من عمرو" کہنا صحیح نہیں۔ (معنی اللبيب میں اسم تفضیل کے تثنیہ جمع ہونے پر تفصیل کلام ہے)

وَعَامِلٌ مُضْمَنٌ مَعْنَى التَّضَمُّنِ لَا
 حُرُوفًا لَهَا حُرُوفٌ تَحْرُكُهَا لِيَعْمَلَهُ
 كَ "تِلْكَ" لَيْتَ، وَكَتَابًا، وَكَأَنَّهُ
 نَحْوُ "سَعِيدٌ مُتَقَرِّبٌ لِهَيْئِهِ هَذَا"

ترجمہ:..... جو عامل فعل کے معنی کو مضمّن ہونہ کہ اس کے حروف کو قوفہ ہر لاکھ نہیں
 کرتا اس حال میں کہ وہ خود حروف ہی سے تِلْكَ (یعنی اسماء اشارات) لیت (حروف
 تہتی) کا (یعنی حروف تشبیہ) اور "سَعِيدٌ مُتَقَرِّبٌ لِهَيْئِهِ هَذَا" جیسی مثال
 نادر ہے۔ (اس مثال میں حال اپنے عامل پر مقدم ہے جو کہ طرف ہے)

(ش) لا يجوز تقديم الحال على عاملها المعنوي وهو: ما تضمن معنى الفعل دون حروفه: كأسماء
 الإشارة، وحروف التمني، والتشبيه، والظرف، والجار والمجرور نحو: "تلك هنع مجردة، وليت
 زيدًا أميرًا أخوك، وكان زيدًا اكنًا أسد، وزيد في الدار - أو عندك - قائمًا"، فلا يجوز تقديم الحال
 على عاملها المعنوي، هي هذه المثل ونحوها، فلا تقول: "مجردة تلك هندا" ولا "أميرًا ليت زيدًا
 أخوك" ولا "راكنًا كان زيدًا أسد"

وقد ندر تقديمها على عاملها الظرفي نحو: زيد قائمًا عندك [والجار والمجرور نحو: "سعيد
 مستقرًا في هجر" ومنه قوله تعالى: (والسمرات مطويات بيمينه) في قراءة من كسر التاء، وأجازة
 الألفيش قياسًا.

ترجمہ و تشریح:

معنوی عامل پر حال کی تقدیم جائز نہیں، معنوی عامل سے وہ عامل مراد ہے جو فعل کے معنی کو مضمّن ہوتے کہ اس کے
 حروف کو جیسے اسماء اشارات، حروف تہتی حروف تشبیہ، ظرفی جار و مجرور (تِلْكَ تِلْكَ) میں اُسیر اور لیت میں تمنیت،
 وغیرہ فعل کے معانی پائے جاتے ہیں) جیسے تِلْكَ هندا مجردة، لیت زيدًا امیرًا اخوک كان زيدًا اكنًا أسد،
 زيد في الدار، زيد عندك قائمًا، ان مثالوں میں حال کی تقدیم صحیح نہیں فلا تقول مجردة تلك هندا الخ۔

ہاں کبھی طرف مال پر حال مقدم بھی ہو جاتا ہے جیسے ”زید قائمًا عندک“ چار مجرور جیسے ”سعيد مسطرًا
فی حجر“ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”والتسبیحون شفقوتات، بیمنہ“ (ان حضرات کی قرأت میں جو تاد کو
کسرہ دیتے ہیں چونکہ جمع مؤنث سالم میں حالت بھی جزئی کے تابع ہوتی ہے اس لئے یہ منصوب بنا برحالیٰ چار مجرور کی ضمیر
سے ہوگا، اگرچہ مشہور قرأت کے مطابق یہ مرفوع ہے بلکہ خبر سے)۔
اعفش رحمہ اللہ اس کو قیاساً جائز کہتے ہیں۔

وَالْمَعْرُوفُ زَيْدٌ مُّسَرَّدًا اَنْفَعُ مِنْ
عَضْرُو مُنْعَبَاتٍ مُّسْتَفْسَخَاتٍ لَنْ يَهْنُ
ترجمہ:..... زید مفرودا الفع بھی طالی جائز ہے ضعیف نہیں۔

(ن) تقدم ان الفعل التفضيل لا يعمل في الحال مقدمة، واستثنى من ذلك هذه المسألة، وهي: ما
إذا عمل في حال على نفسه أو غيره في حال أخرى، فإنه يعمل في حالين أحدهما مقدمة عليه،
والأخرى متأخرة عنه، وذلك نحو: ”زيد قائمًا أحسن منه قاعدًا“ و”زيد مفرودا الفع من عمرو ومعانًا“
ف”قائمًا ومفرودًا“ منصوبان بأحسن وآنفع، وهما حالان، وكذا”قاعدًا ومعانًا“ وهذا ملتبس
الجمهور.

وزعم السيراني أنهما خبران منصوبان بكان المخدوفة بالتقدير: ”زيد إذا كان قائمًا
أحسن منه إذا كان قاعدًا، وزيد إذا كان مفرودا الفع من عمرو إذا كان معانًا“
ولا يجوز تقديم هذين الحالين على الفعل التفضيل، ولا تأخيرهما عنه، فلا نقول: ”زيد قائمًا
قاعدًا أحسن منه“، ولا [نقول]: ”زيد أحسن منه قائمًا قاعدًا“

ترجمہ و تشریح:

اس سے پہلے یہ بات گذر گئی کہ اسم تفضیل اس حال میں عمل نہیں کرتا جو مقدم ہو، ابھی اس حکم سے ایک صورت کو منسلی
کرتے ہیں وہ یہ کہ جب ایک چیز کو ایک حال میں فضیلت دی گئی اسی چیز کے دوسرے حال پر یا دوسری چیز کے حال پر جیسے
”زيد قائمًا أحسن منه قاعدًا“ (زید اس حال میں کہ وہ کھڑا ہو بہتر ہے اس حال سے جس میں وہ بیٹھا ہو) زید مفرودا

الفع من عمر و معاناً۔ (زید جب الگ ہووے زیادہ نفع منہ ہے جبکہ عمر کی مدد کی جاتی ہو)

اس میں اسم تفضیل دو جالوں میں عمل کرے گا ایک مقدم ہے اور دوسرا آخریہ جمہور کا مسلک ہے۔

سیرانی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں ”کان مجدولہ“ کے ساتھ منسوب ہیں نہ کہ بنا برحالیۃ و التقدير

زید اذا کان قائماً احسن منه اذا کان قاعداً

اور ان دونوں جالوں کی تقدیم اور تاخیر ناجائز ہے۔

وَالْمُفْرَدُ قَدْ يَمِينُ ذَاتَهُ

لِلْمُفْرَدِ فَاَعْلَمُ وَغَيْرُ مُفْرَدٍ

ترجمہ:..... حال کبھی آتا ہے اس حال میں کہ وہ تعدد والا ہوتا ہے مفرد و الحال یا متعدد

کیلئے پس آپ جان لیجئے (فَاعْلَمُ جملہ مقررہ ہے)

(ش) يجوز تعدد الحال وصاحبها مفرداً، أو متعدداً.

فمثال الأول: ”جاء زيد راكباً ضاحكاً“ ف”راكباً، وضاحكاً“: حالان من ”زيد“ والعامل

فيهما ”جاء“

ومثال الثاني: ”لقيت هنداً مصعداً منحدرَةً“ ف”مصعداً“: حال من التاء، و”منحدرَةً“: حال

من ”هند“، والعامل فيهما ”لقيت“، ومنه قوله:

لَقِيْتُ ابْنِي أَحْمَرَ حَاتِفًا

فَجَدِيهِ فَحَامِلًا وَأَمَامًا

ف”حَاتِفًا“ حال من ”ابني“، و”مَجْدِيهِ“ حال من ”أحمريه“، والعامل فيهما ”لقي“

فعند ظهور المعنى ترد كل حال إلى ما تليق به، وعند عدم ظهوره يجعل أول الحالين لثاني

الاسمين، وثانيهما لأول الاسمين؛ فلي قولك: ”لقيت زيدا مصعداً منحدرًا، يكون ”مصعداً“ حالاً من

زيد و”منحدرًا“ حالاً من التاء.

ترجمہ و تشریح:

جس طرح خبر کے ذریعہ حکم دیا جاتا ہے اسی طرح حال کے ذریعہ بھی حکم دیا جاتا ہے۔ ڈو الحال سے خبر دی جاتی ہے تو جس طرح خبر کا تعدد جائز ہے اسی طرح حال کا تعدد بھی جائز ہے۔ ڈو الحال مفرد ہو یا متعدد۔

ڈو الحال مفرد اور حال متعدد کی مثال ”جاء زيدرا كبا صاحبًا، را كبا، اور ضاحكًا“ دونوں زید سے حال ہیں اور عامل ان کے اندر ”جاء“ ہے ڈو الحال اور حال دونوں متعدد ہوں اس کی مثال۔ ”لقيت هندًا مُصعدًا منحدرًا“ (مصعد چڑھنے والا، منحدر، نیچے اترنے والا) ”مُصعدًا“ اور ”منحدرًا“ (منحدر) سے حال واقع ہیں۔ اور دونوں میں عامل ”لقيت“ ہے۔ اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۹۰۔ لقي ابني اخويته خائفًا

منجديه فاصابوا منما

ترجمہ: میرا بیٹا خوف کی حالت میں اپنے دو بھائیوں سے جا ملا اس حال میں کہ وہ

دونوں بھائی اس کی مدد کرنے والے تھے پس تینوں نے ملکر غنیمت کو حاصل کر لیا۔

تشریح المفردات:

(لقي) سمع ماضی معروف۔ (اخويته) اصل میں ”اخوين له“ تھام کو تخفیف اور لون کو اضافت کی وجہ سے حذف کیا (منجديه) الجند ينجد افعال سے اسم فاعل کا مشبہ ہے، کسی کے ساتھ مدد، وتعاون کرنا، چونکہ منجد نامی کتاب بھی لغت میں مدد کرتی ہے اس لئے اسے ”المنجد في اللغة“ کہا جاتا ہے (منجد) غنیمت جمع اس کی (منغانم) آتی ہے۔

محل استشهاده:

(خائفًا) منجديه محل استشهاده یہاں ڈو الحال اور حال دونوں متحدہ ہیں۔ چنانچہ محققا حال ہے ابنی (منجد) اور ”منجديه“ حال واقع ہے ”اخويته“ سے اور عامل دونوں میں ”لقي“ ہے۔

لفظاً قال في مثال اللؤلؤة قال في قوله "لا تفت في اللؤلؤة مفسدة" ثم ولتعم مذهبين، لا تفتوا في
الارض مفسدين" اور لفظ موافق کی مثال "واوستناك للفتي وسولا" اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول "وسخر لكم
والليل والنهار والشمس والقمر والنجوم سخرنا لكم" (معجزات حال ہے)

وَأَنْ تُؤَكَّدَ جُمْلَةٌ فَمُعْرُوفَةٌ

عَامِلَةٌ بِذَوْلِهَا يَأْتِي وَخَسْرٌ

ترجمہ:..... اگر کلمہ جملہ کی تاکید کرے تو اس کا عامل بلا تعلق ہوتا ہے (حال کا لفظ

مؤخر ہوگا۔

(ش) هذا هو القسم الثاني من الحال المؤكدة بوجهي: ما أكدت مضمون الجملة بشرط الجملة: أن
تكون اسمية، وحالها مع فعل، كما في قوله: "زيد أخوك عطف قائم وأنا زيد معروف" ومثله قوله:

١٩١- أَنَا بِنُ دَارَةِ مَعْرُوفًا بِهَاتِسِي

وَقَلُّ بِدَارَةِ يَأْتِي بِهَاتِسِي

لفظ "عطف قائم" معروفًا، حال من مؤخرها مضمون بان فعل معروف وجوبًا، والظنير في الأول بـ
"أخوك عطف قائم" مولى الداعي، "أخوك معروفًا" مضمون، "أنا زيد معروفًا" مضمون، "أنا زيد معروفًا"
ولا يجوز تصديقه على حال على هذه الجملة، فلا تقول: "عطف قائم أخوك" ولا "معروفًا
أنا زيد" ولا توسها بين المبتدأ والخبر، فلا تقول: "زيد عطف قائم أخوك"۔
ترجمہ و تشریح:

حال مؤکدہ کی دوسری قسم بتا رہے ہیں جو جملہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہو، اس جملہ کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ اسمیہ ہو
اور اس کے دونوں جزء معرفہ بھی ہوں اور جاد بھی (یعنی مشتق نہ ہوں) جیسے "زيد أخوك عطف قائم" "أنا زيد معروفًا"
اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

١٩١- أَنَا بِنُ دَارَةِ مَعْرُوفًا بِهَاتِسِي

وَقَلُّ بِدَارَةِ يَأْتِي بِهَاتِسِي

ترجمہ:..... میں دارہ کا بیٹا ہوں اس سے میرا نسب معروف ہے، اے لوگو کیا دارہ پر کوئی عیب ہے؟ (جس کی وجہ سے میرا نسب تعلق شرمندگی کا باعث ہو)

تشریح المفردات:

(دارہ) بعض کے نزدیک شاعر کی والدہ کا نام ہے اور بعض کے نزدیک شاعر کے دادا کا لقب ہے اس صورت میں (بہا) نہیں مؤنث (ہا) کی ضمیر قبیلہ کی طرف لوٹے گی۔ (ہل بدارہ) میں استفہام انکاری معنی ملی ہے۔ ای لایوجد عار بانساب بدارہ“

محل استشہاد: محل استشہاد ہے محل واقع ہے اصل قبل جملہ کے مضمون کی تاکید کی ہے، اس کا عامل ”أحق“ و جو با حذف ہے اس لئے کہ ماقبل جملہ اس کے عوض ہے اور غرض اور مضمون کے درمیان اختلاف صحیح نہیں۔

ولایجوز الخ:

اس حال کو جملہ پر مقدم نہیں کر سکتے۔ چنانچہ عطفوا زید اعوک، معروفاً انازید کہنا صحیح نہیں اور نہ درمیان میں لاکر ”زید عطفوا اعوک“ صحیح ہے۔

وَمَوْضِعُ الْحَالِ تَجِي جُمْلَةً

كَجَاءَ زَيْدٌ وَهُوَ نَائِرٌ

ترجمہ:..... حال کی جگہ جملہ آتا ہے جیسے ”جاء زید وهو نائر“ (زید آیا اس حال میں کہ وہ کوچ کا ارادہ کرنے والا تھا)

(ش) الأصل في الحال والخبر والصفة الإفرادية، وتقع الجملة موقع الحال، كما تقع موقع الخبر والصفة، ولا بد فيهما من رابط وهو في الحالية إما ضمير، نحو: ”جاء زید بنده علی رأسه“ أو واو وتسمى أو الحال، أو واو الاندعاء، وعلامة صاحبها وقوع ”إذ“ موقعها نحو جاء زید و عمر قائم التقدير ”إذ“ عمر وقائم، أو الضمير والواو معاً، نحو: ”جاء زید وهو نائر“

ترجمہ و تشریح:

حال میں اصل مفرد ہوتا ہے:

حال، خبر، اور صفت میں اصل مفرد ہوتا ہے، جملہ بھی کبھی حال کی جگہ پر واقع ہوتا ہے جس طرح خبر اور صفت کی جگہ پر واقع ہوتا ہے لیکن اس میں رابطہ کا ہونا ضروری ہے جملہ حالیہ میں رابطہ یا ضمیر ہوگی، جیسے ”جاء زيد يده على راسه“ یا رابطہ داؤ ہوگا، اس کو واو حال اور واو ابتدا کہتے ہیں (واو ابتدا اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ زیادہ تر مبتدا پر داخل ہوتا ہے یا اس وجہ سے کہ حال کی ابتداء میں آتا ہے) علامت اس کی یہ ہے کہ اس کی جگہ پر ”اذ“ کا واقع ہونا صحیح ہو جیسے ”جاء زيد وعمر وقائم“ و التقدير اذ عمر وقائم یا واو اور ضمیر دونوں رابطہ ہونگے جیسے ”جاء زيد وهو نازح على“

جاء زيد وعمر وقائم

جاء زيد وعمر وقائم

وذاث واو بقاء انومبتدا

لبنه المضارع اجعلين مبنيا

ترجمہ:..... جو جملہ حالیہ مضارع سے شروع ہو وہ ضمیر پر مشتمل ہوگا اور واو سے غالی ہوگا

اور جہاں جملہ حالیہ کے بعد واو ہو وہاں آپ مبتدا کو مقتدر مان کر مضارع کو اس کی طرف

مند کریں۔

(ش) الجملة الواقعة حالا: إن صدرت بمضارع مثبت لم يحز أن تقترب بالواو، بل لا تربط إلا

بالضمير، نحو: "جاء زيد يضحك، وجاء عمر و تقاد الجناب بين يديه" ولا يجوز دخول الواو، فلا

تقول: "جاء زيد ويضحك" فإن جاء من لسان العرب ما ظاهره ذلك أول علي إضمار مبتدأ بعد

الواو، ويكون المضارع ضميراً عن ذلك المبتدأ، وذلك نحو قولهم: "قمت وأصبك عينه"،

وقوله:

۱۹۲ - لَمَّا خَشِيتُ أَظْفَارَهُمْ

نَجْوَتْ وَأَرْهَنَهُمْ مَالِي

ف "اصك، وارهنهم" خیران لمبتداً محذوف، والفقلمن یقولنا منكله موقلاً وھنھم (۱)

(دلائل: الفاء، یسأل، ہفتہ (۲))

ترجمہ و تشریح:

جملہ حالیہ میں واو کا آنا:

جو جملہ حال واضح ہوا اگر وہ مضارع مثبت سے شروع ہو تو واو کے ساتھ اس کا مفعول ہونا جائز نہیں۔ وہاں ربط صرف ضمیر سے ہوگا جیسے جاء زید یضحك، جاء عمر و نقاد الجنائب بین یدیه (مردو یا اس حال میں کہ اس کے آگے کوڑے کھینچے جا رہے تھے، جنائب، جنیبہ کی جمع ہے اس کوڑے کو کہتے ہیں جو امیر کے آگے بغیر سواری کے لے جایا جاتا ہو) واو کے ساتھ "جاء زید یضحك" نہیں کہہ سکتے۔

اگر لسان العرب میں اس طرح کی عبارت آجائے جہاں ابتداء میں واو ہو تو وہاں واو کے بعد مبتدا کو مقلد ماننے کی

تاویل کی جائے گی اور مضارع اس مبتدا سے خبر ہوگا جیسے "فمئت و اصك عینہ ای و الالخ"۔

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۹۲ - فَمَا خَشِيْتُ أَظْلَمَ لِي رُحْمٌ

نَجْوَتْ وَأَرْهَنَهُمْ مَالِي كَمَا

ترجمہ: جب میں ان کے اٹھنے سے ڈرا تو میں نے تجات حاصل کی اس حال میں کہ

ان کے ہاں مالک نامی آدمی کو رہن میں رکھوایا۔

تشریح المفردات:

(اظفیر) اس میں پانچ لغتیں ہیں۔ "وہا و لفظہ و نزل و لفظہ" وہا و لفظہ لفظہ و لفظہ و لفظہ

(۱) اظفور کی جمع ہے ناخن، بچو کو کہا جاتا ہے یہاں اس سے اظفور ہر وزن اسبوع میں چار

اور پختیں ہیں۔

(۲) ظفر (بضم الظاء و الفاء) یہ زیادہ صحیح ہے۔

(۳) ظفر (بضم الظاء و سکون الفاء) یہ صحیح ہے۔

(۴) ظفروا کسرا الظاء والفتح والکون للفاء

(۵) ظفیر (بکسر الظاء والفاء)

محل استشہاد:

(وَأَزْهَنَهُمْ) محل استشہاد ہے یہاں بظاہر مضارع مثبت حال واقع ہے اور اس سے پہلے واو ہے لیکن چونکہ یہ صحیح نہیں اس وجہ سے اس کیلئے مبتدا محذوف ہوگا جو کہ ”انا“ ہے اور پورا جملہ اس مبتدا سے خبر واقع ہوگا۔

وَجُمْلَةُ الْجَمَالِ سَوِيٌّ مَا أَقْدَمًا

سَوَاوٍ، أَوْ بِمُضْمِرٍ، أَوْ بِهِمَا

ترجمہ: گزرے ہوئے جملہ حالیہ کے علاوہ باقی جملے واو یا ضمیر یا دونوں کے ساتھ ہو گئے۔

(ش) الجملة الحالية: إِمَّا أَنْ تَكُونَ اسْمِيَّةً، أَوْ فِعْلِيَّةً، وَالْفِعْلُ [إِمَّا] مَضَارِعٌ، أَوْ مَاضٍ، وَكُلٌّ وَاحِدَةٌ مِنَ الْأَسْمِيَّةِ وَالْفِعْلِيَّةِ: إِمَّا مَثْبُتَةٌ، أَوْ مَنْفِيَّةٌ، وَقَدْ تَقَدَّمَ أَنَّهُ إِذَا صَدَرَتْ الْجُمْلَةُ بِمَضَارِعٍ مَثْبُتَةٍ لَا تَصْحَبُهَا الْوَاوُ، بَلْ لَا تَرْبُطُ إِلَّا بِالضَّمِيرِ لِقَطْعٍ، وَذَكَرَ فِي هَذَا الْبَيْتِ أَنَّ مَا عَادَ ذَلِكَ يَجُوزُ فِيهِ أَنْ يَرْبُطَ بِالْوَاوِ وَحْدَهَا، أَوْ بِالضَّمِيرِ وَحْدَهُ، أَوْ بِهِمَا، فَيَدْخُلُ فِي ذَلِكَ الْجُمْلَةُ الْأَسْمِيَّةُ: مَثْبُتَةٌ، أَوْ مَنْفِيَّةٌ، وَالْمَضَارِعُ الْمَنْفِيَّةُ، وَالْمَاضِي: الْمَثْبُتُ، وَالْمَنْفِيُّ

فَقُولُ: ”جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرُو قَائِمٌ، وَجَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرُو عَلَى رَأْسِهِ وَجَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرُو عَلَى رَأْسِهِ“ وَكَذَلِكَ الْمَنْفِيُّ، وَقُولُ: ”جَاءَ زَيْدٌ لَمْ يَضْحَكْ، أَوْ لَمْ يَضْحَكْ، أَوْ لَمْ يَقُمْ عَمْرُو، وَجَاءَ زَيْدٌ لَمْ يَقُمْ عَمْرُو، وَجَاءَ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، وَجَاءَ زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ“ وَكَذَلِكَ الْمَنْفِيُّ، وَنَحْوُ: ”جَاءَ زَيْدٌ وَمَا قَامَ عَمْرُو، وَجَاءَ زَيْدٌ مَا قَامَ أَبُوهُ، أَوْ مَا قَامَ أَبُوهُ“

وَيَدْخُلُ تَحْتَ هَذَا أَيْضًا الْمَضَارِعُ الْمَنْفِيُّ بِلَا، فَعَلَى هَذَا يَقُولُ: ”جَاءَ زَيْدٌ وَلَا يَضْرِبُ عَمْرُو“

بِالْوَاوِ.

وَقَدْ ذَكَرَ الْمُصَنِّفُ فِي غَيْرِ هَذَا الْكِتَابِ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ الْفُرَاغُ بِالْوَاوِ كَالْمَضَارِعِ الْمَثْبُتِ، وَأَنَّ

ماورد مما ظاہرہ ذلک یؤول علی اضرار مبتداً کقراءۃ ابن ذکوان: (فانما یوما ولا تبصان) بتخفیف

النون والتقدير: وانما لا تبصان، انت "لا تبصان" خبر مبتدأ محذوف۔

ترجمہ و تشریح:

حال میں اصل مفرد ہوتا ہے:

یہاں اس شعر میں یہ بتا رہے ہیں کہ مذکورہ حالیہ جملوں کے علاوہ اگر دیگر حالیہ جملے آجائیں تو ان میں واؤ، صرف ضمیر، یادوں کے ساتھ ربط جاتا ہے۔ چنانچہ اس میں جملہ اسمیہ مثبتہ، یا منفیہ، مضارع منفی، ماضی مثبت اور منفی سب داخل ہوتے۔ (مثالیں شروح کا عبارت میں ذکر ہیں) (فلا جاعۃ یالی الاعادق)

شارح فرماتے ہیں کہ اس کے تحت مضارع منفی بلا بھی داخل ہوا۔ چنانچہ اس میں بھی واؤ کے ساتھ ربط جاتا ہے جیسے "جاء زیدو لا یضرب عمراً"

لیکن مصنف نے اس کتاب کے علاوہ میں ذکر کیا ہے کہ مضارع مثبت کی طرح اس میں بھی ربط بالواو جاتا نہیں جہاں بظاہر واو ہو وہاں مبتداً کو مقدر مانا جائے گا جیسے "ابن ذکوان کی قرأت" فاستقمما ولا تتبصن (بتخفیف النون) میں ولا تبصن حال ہے مضارع منفی ہونے کے باوجود واؤ آیا ہے تاویل اس کی یہ ہے کہ یہاں مبتداً محذوف ہے ای والتما لا تبصن۔ (اگرچہ مشہور قرأت کے مطابق لا تبصن ہی مثبتہ حاضر کا صیغہ ہے)

وَالْبَعِيَالُ قَدْ نَسِيَتْ مَالَهَا عَمَلًا

وَبَعْضُ مَا نَسِيَتْ فِي كِبَرَةٍ حُطَّلَ

ترجمہ: کبھی مال کے مال کو بھول گیا جاتا ہے اور بعض بھول کر وہ عالم کا ذکر

منوع بھی ہوتا ہے۔

(ش) یحذف عامل الحال: جوازا، او وجوبا۔

فمنال مناسف جوفوا ان مناسفنا كيف جئت" فنقول: "واکبنا" التقديره "جئت واکبنا"، وکقولک: "بلی مسرعاً" لمن قال لک: "لم تسر" والتقدير: "بلی میرا مسرعاً" ہونہ قولہ تعالیٰ: ﴿ایحسب الإنسان ان لن یجمع عظامه بلی قادرین علیٰ ان نسویٰ بنانه﴾ التقدير-

واللہ اعلم۔ بلی جمعہا قاضین، یعنی ہر ایک کے لئے ایک قاضی ہے۔
 ومثال ما حذف وجوباً قولکم: "زيداً حرك عطفاً" لوجوه من الحال التو كيداً لمضموناً
 الجملة، وقد تقدم ذلك؛ وكالحال النابتة مناب الخبر؛ نحو: "ضربى زيداً قائماً" التقدير: إذا كان
 قائماً، وقد سبق تقرير ذلك في باب المبتدأ والخبر.

ومما حذف فيه عامل الحال وجوباً قولهم: "اشترىته بدرهم فصاعداً" أو تصدقت بدینار
 فسافلاً" في "صاعداً وسافلاً" بخالان، عاملها ما حذف وجوباً والتقدير: بالذهب الثمن صاعداً،
 وذهب المتصدق به سافلاً"۔
 هذا معنى قوله: "وبعض ما ي حذف ذكره لفظ" أى بعض ما ي حذف من عامل الحال جمع
 ذمارة۔

ترجمہ و تشریح:

حال کے عامل کو بعض مرتبہ جواز اور بعض مرتبہ وجوباً حذف کیا جاتا ہے۔

حذف جواز کی مثال کہا جائے "کیف جنت" اور جواب میں "راکبا" کو ذکر کیا جائے ای جنت راکبا۔
 چونکہ سوال میں عامل ذکر ہے اس لئے جواب میں اس کی ضرورت باقی نہ رہی، اسی طرح "بئس مسترعاً، کم قیسراً" کے
 جواب میں۔

اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے "ایحسب الانسان ان نجع عظامه بلی قادرین علی ان نسوی
 بنانه ای بلی نجعها قادرین (تجمع عامل حذف ہے)۔

حذف وجوب کی مثال "زيداً حرك عطفاً" (قد تقدم ذکرہ) اسی طرح اس حال میں بھی عامل کا حذف
 وجوبی ہے جو خبر کے نائب ہو جیسے "ضربى زيداً قائماً" (قد سبق تفصیله فی المبتدأ
 والخبر فی المجلد الاول)

یہی مضمون جوبلی کی مثالوں میں "اشترىته بدرهم فصاعداً" (صافلاً وسافلاً) اور
 صافلاً" نیچے مصدق سے ملاحظہ کیے ہوئے ہیں)۔
 مصدق کے قول "وبعض ما ي حذف ذكره لفظ" سے مراد ہے۔

التمييز

اسم بمستثنى النحن "مبنيون" كقولهم

يُنصَب تَمِيْزًا بِمَا قَدْ لَفْسِرَه

كثيْرًا فَتَسْتَأْمِرُ قَدْرًا وَتَسْتَأْمِرُ

وَتَسْتَأْمِرُ نَوْرًا مِّنْ عَمَلٍ وَتَسْتَأْمِرُ

ترجمہ:..... تميز وہ اسم ہے جو من کے معنی میں ہو اور ما قبل کے اجمال کے لیے لکھا گیا ہو اور اگر وہ اس کو تميز کے طور پر نصب دیا جائے اس میں اس کے ساتھ جس کی تميز نہ تھی ہے کی ہے یعنی شہر، قفیز، وغیرہ کے ساتھ) جیسے شہر ارضاً الخ:

ش) تقدم من الفضلات: المفعول به، والمفعول المطلق، والمفعول له، والمفعول فيه، والمفعول معه، والمستثنى، والحال، وبقي التمييز - وهو المذكور في هذه الباب - وتسمى مفعولاً، وتفسيراً، مبنياً، مؤلفاً، ومميزاً، وتفسيراً.

وهو: كل اسم، نكرة، متضمن معنى "من"، لبيان ما قبله من إجمال، نحو: "خطاب ربي عظمة عندي شہر ارضاً"

واختار بقوله: "متضمن معنى من" من الحال الإلهية حيث قال: "التي"

قوله: "ليبان ما قبله" اختار الإجمال متضمن معنى "من" وليس فيه بيان لما قبله كالقوله: "التي هي الحسن بنحو: "لأرجل قائم" فإن التقدير: "لأرجل رجل قائم" بل إن رجعه من حيث

وقوله: "ليبان ما قبله من إجمال" يشمل لو عني التمييز مؤلفاً: للمعين إجمال ذات، والحسين إجمال نسبة.

للمعين إجمال الذات هو: الواقع بعد المقادير - وهي المصنوعات نحو: "له شہر ارضاً" لمكيلات، نحو: "له قفیز برا" والموزونات، نحو: "له هو ان عسلا وتمر" - والأهداء، نحو:

فندي عشرون درهما

وہو منصوب بما فُسِّرہ، وھو: شبر، ولفیز، و منوان، وعشرون .

والمبین اجمال النسبة هو: المبتدأ لبيان ما تعلق به العامل: من فاعل، أو مفعول، نحو:

”طاب زيد نفساً“، ومثله: ﴿اشتعل الرأس شيباً﴾، و”غرست الأرض شجراً“، ومثله: ﴿وفجرنا الأرض عيوناً﴾

ف”نفساً“ تمييز منقول من الفاعل، والأصل: ”طابت نفس زيد“، و”شجراً“ منقول من

المفعول، والأصل: ”غرست شجر الأرض“، بلين ”نفساً“ الفاعل الذي تعلق به الفعل، وبين ”شجراً“ المفعول الذي تعلق به الفعل.

والتائب له في هذا النوع وهو العامل الذي قبله.

ترجمہ و تشریح:

تمییز کی تعریف اور اس کی قسمیں:

اس سے پہلے فضلات میں مفعول بہ، مفعول مطلق، مفعول لہ، مفعول فیہ، مفعول مجہ، مشتقی، حال، کا ذکر ہوا

ابھی تمییز کا ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے اس کے تالیف اور اس کی قسمیں: تمییز کو مفسر، تفسیر، مبین، تبیین، ممیز بھی کہتے ہیں۔

تمییز ہر وہ اسم ہے جو کلمہ میں کے قبل کو مضمین ہو اور ما قبل کے اجمال کو بیان کرے جیسے طاب زید

نفساً (زید از روئے نفس خوش ہوا) عندی شبر ان ضاً (میرے پاس ایک بالشت ہے زمین کی)

متضمن معنی من کہر حال سے اجتر ان کیا اس کے معنی مضمین ہوتا ہے ”لبیان ما قبلہ“ کہیں

اس سے اجتر ان کیا جو ”مبین“ کے معنی مضمین ہو لیکن اس میں ما قبل کے اجمال کا بیان نہ ہو جیسے لانی جنس کا اسم ہے

”لأرجل قائم“ فان التقدير ”لأمن زجل قائم“

”لبیان ما قبلہ من اجمال“ تمییز کی وہ قول ہے کہ شامل ہے ہم اول وہ جو فرات کے اجمال کو بیان کرے

اور ہم ثانی وہ جو نسبت کے اجمال کو بیان کرے جیسے

فالمبین إجمال الذات الخ:

ذات کے اجمال کو بیان کرنے والی تسمیہ وہ کہلاتی ہے جو مقادیر کے بعد واقع ہو یعنی ان اشیاء کے بعد جن کی مقدار ہوتی ہے مقادیر تین چیزوں سے عبارت ہے سموات سے (یعنی جن کو ناپا جاتا ہے) جیسے "لَهُ شِرَارٌ هُنَا" ہمکیات سے (یعنی جن کا کیل ہوتا ہے) جیسے "لَهُ قَفِيزٌ هُنَا" (اس کے پاس ایک قفیز ہے از روئے گیہوں کے، قفیز ایک قسم کا پکانہ ہے قفیز کیل ہے اس میں ابہام تھاجب ہوا اس کی تسمیہ آگئی تو اس نے اس ابہام کو دور کیا)

موزونات سے (یعنی جن کا وزن کیا جاتا ہے) جیسے "لَهُ مَنَوَانٌ عَسَلًا وَمَمْرًا" (من ایک سیر) (والاعداد) یہ مجرور ہے عطف ہے "المقادیر پر یعنی المبین اجمال الذات وہ بھی ہے جو اعداد کے بعد واقع ہو جیسے "عندی عشرون درهماً"

والمبین اجمال النسبة الخ:

تسمیہ کی دوسری قسم جو نسبت کے اجمال کو بیان کرے اور یہ وہ ہے جس کو اس چیز کے بیان کیلئے چلایا گیا ہو جس کے ساتھ عامل معلق ہو، بعض مرتبہ وہ فاعل سے منقول ہو کر آتی ہے جیسے "طَابَتْ نَفْسُ زَيْدٍ لِنَفْسِنَا، اشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا، اصل میں "طَابَتْ نَفْسُ زَيْدٍ، اشْتَعَلَ شَيْبُ الرَّأْسِ" تھے مضاف الیہ کو فاعل اور مضاف کو تسمیہ بنایا۔

اور بعض مرتبہ تسمیہ منقول سے منقول ہو کر آتی ہے جیسے "عُرِسَتْ الْأَرْضُ شَجَرًا" اور "فَجَرْنَا الْأَرْضَ عِوَنًا" اصل میں "عُرِسَتْ شَجَرًا الْأَرْضُ، اور "فَجَرْنَا عِوَنَ الْأَرْضِ" تھے اس میں بھی مضاف الیہ کو منقول اور مضاف کو تسمیہ بنایا گیا۔

ان مثالوں میں (مقام نصابی فاعل کو اور "شَجَرًا" کے لئے اس منقول کو بیان کیا جس نے اس معلق سے۔

اور عامل ان کیلئے وہی ہے جو ان سے پہلے ذکر ہے۔

وَبَعْدَى وَشِبْهَهَا أَجْرَةٌ إِذَا

أَصْفَتْهَا كَيْ "مَلَأَتْهَا بِهَذَا

وَالنَّصْبُ بِمَقْدِمٍ أَوْ ضَيْفٍ وَجَبَا

إِنْ كَانَ مِثْلَ "مَلَأَ الْأَرْضَ دَهَبًا"

ترجمہ:..... ان مقدرات اور ان کے مشابہ کے بعد ان کو مضاف کرنے کی صورت میں آپ تمیز کو بردیں جیسے ”مُدْحِطَةٌ هَذَا“ اور اضافت کے بعد نصب واجب ہے اگر ملء الارض ذهباً کی طرح ترکیب ہو (تفصیل آگے شرح میں ہے)

(ش) اُشَارَبُ ”ذی“ اِلَى مَا نَقْدُمُ ذِكْرَهُ لِي الْبَيْتِ مِنَ الْمَقْدَرَاتِ - وَهُوَ مَادِلٌ عَلَى مَسَاحَةِ، اَوْ كَيْلٍ، اَوْ زَنْ - فَيَجُوزُ جَرُّ التَّمْيِيزِ بَعْدَ هَذِهِ بِالْإِضَافَةِ اِنْ لَمْ يَضْفِ اِلَى غَيْرِهِ، نَحْوُ: ”عِنْدَى شِبْرٌ اَرْضٍ، وَقَنْفِيزٌ، وَمِنَا عَسَلٍ وَتَمْرٍ“

فَإِنْ أَضِيفَ الدَّالُ عَلَى مَقْدَارٍ اِلَى غَيْرِ التَّمْيِيزِ وَجِبَ نَصْبُ التَّمْيِيزِ، نَحْوُ: ”مَا فِى السَّمَاءِ قَدْرٌ رَاحَةٌ سَحَابًا“، وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالَى: ”فَلَنْ يَقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلءَ الْاَرْضِ ذَهَبًا“
وَأَمَّا تَمْيِيزُ الْعَدَدِ فِى سَائِلَى حِكْمِهِ فِى بَابِ الْعَدَدِ.

ترجمہ و تشریح:

بعض جگہ تمیز کو مجرد پڑھنا جائز ہے:

متن میں ماتن نے ”ذی“ کہہ کر ان مقدرات کی طرف اشارہ کیا جن کا پہلے ذکر ہو چکا، اگر یہ مقدرات تمیز کی طرف مضاف ہوں تو تمیز کو مجرد پڑھنا جائز ہے جیسے ”عِنْدَى شِبْرٌ اَرْضٍ، وَقَنْفِيزٌ، وَمِنَا عَسَلٍ وَتَمْرٍ، لِيكِنَ اِذَا تَمْيِيزُ كَ عِلَاوَةِ كِى طَرَفٍ مَضَافٍ هُوْنَ تَوْتَمْيِيزُ كَا نَصْبٍ وَ لِحَبِّبِ عِيسَى ”مَا فِى السَّمَاءِ قَدْرٌ رَاحَةٌ سَحَابًا“ اِذَا كَانِى اللّٰهُ تَعَالَى كَا يَ قَوْلِ هِى ”فَلَنْ يَقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلءَ الْاَرْضِ ذَهَبًا“

عدد کی تمیز کا حکم عدد کے باب میں آئے گا انشاء اللہ (طریقہ صرف میں بھی پوری تفصیل موجود ہے)

وَالْفَاعِلُ الْمَعْنَى انصَبَنَّ بِالْفِعْلِ

مُفَضَّلًا كَمَا نَتَّ اعْلَى مِنْزَلًا

ترجمہ:..... جو تمیز معنی کے اعتبار سے قائل ہو اسے کو افعال تفصیلی کے ساتھ نصب

ویدیں جیسے انت اعلى منزلاً (آپ مرتبہ کے اعتبار سے بلند ہیں)

(یعنی) التعمیر الواقع بعد الفعل التفضیل لأن كان فاعلاً في المعنى وجب نصبه وإن لم يكن كذلك وجب جره بالإضافة.

وعلامة ما هو فاعل في المعنى: أن يطلع جعله فاعلاً بعد جعل الفعل التفضیل فعلاً، نحو: "أنت أعلى منزلاً، وأكثر مالا" ف"منزلاً، ومالا" يجب نصبهما؛ إذ يصح جعلهما الفاعلين بعد جعل الفعل التفضیل فعلاً؛ فيقول: أنت علا منزلك، وكثير مالك.

ومثال ما ليس بفاعل في المعنى: "زيد أفضل رجل، وهند أفضل امرأة" فيجب جره بالإضافة، إلا إذا أضيف "أفضل" إلى غيره؛ فإنه ينصب حينئذ، نحو: "أنت أفضل الناس رجلاً".

ترجمہ و تشریح:

جو تسمیہ اسم تفضیل کے بعد واقع ہو اگر معنی کے اعتبار سے وہ فاعل ہے تو اس کا نصب ورنہ جراً بالا ضافہ واجب ہے۔

معنی کے اعتبار سے فاعل کی علامت یہ ہے کہ اسم تفضیل کو فعل بنانے کے بعد اس کا فاعل ہوتا صحیح ہو جیسے "أنت أعلى منزلاً، أكثر مالا، یہاں "منزلاً، مالا، دونوں تسمیہ ہیں اسم تفضیل (أعلى، أكثر) کے بعد واقع ہیں نصب ان کا واجب ہے اس لئے کہ اسم تفضیل کو فعل بنانے کے بعد ان مجہولوں کا فاعل بننا صحیح ہے چنانچہ "أنت علا منزلك" "كثير مالك" پڑھنا صحیح ہے۔ معنی کے اعتبار سے تسمیہ فاعل نہ ہو اس کی مثال "زيد أفضل رجل، هند أفضل امرأة" وہ یہاں تسمیہ کو مجرور جلاً ضافہ پڑھنا ضروری ہے البتہ اگر اسم تفضیل کی اختلاف تہیز کے علاوہ غیر کی طرف ہو تو اس وقت اس کا نصب واجب ہے۔ "جیسے" "أنت أفضل الناس رجلاً"

وَبَعْدَ كُلِّ مَا انْقَضَى تَعْجِبًا

مَيْزُكَ "أَكْرَمُ بِنَابِي بِكَرِيمِ أَبِي"

ترجمہ:..... ان سب کے بعد جو خوب کا شرفہ کرے تسمیہ بنائیں جیسے اکرم الخ (ابو بکر کتنا ہی اچھا ہے باپ ہونے کے اعتبار سے)

(ش) لَفْعُ التَّمْيِيزِ بِمَدِّ كَلِمَةِ مَادِلٍ عَلَى تَعَجُّبٍ نَحْوُ "مَا أَحْسَنَ زَيْنَارُ جَلًّا" وَتَكْوِيمِ بَابِ بَكَرٍ أَبَا، وَاللَّهُ دَرَكٌ عَالِمًا وَحَسْبُكَ بَزِيدٌ جَلًّا، وَكَفَى بِهِ عَالِمًا"

۱۹۳۔ "يَا جَارُ تَامَاتِ جَارُهُ"

ترجمہ و تشریح:

جو تعجب پر دلالت کرے ان کے بعد تمییز واقع ہوتی ہے جیسے "مَا أَحْسَنَ زَيْنَارُ جَلًّا الخ"

اسی سے شاعر گامیہ قول ہے۔

"يَا جَارُ تَامَاتِ جَارُهُ"

(اس سے پہلے والا شعر یہ ہے "بَلَّغْتُ لِنَحْوِ نَنَا عَفَارَةَ")

ترجمہ:..... عفارہ نامی محبوبہ الگ ہوگی "تاکہ ہمیں پریشان کر دے، اے میری پڑوسن

تم کتنی خوب ہو پڑوسن ہونے کے اعتبار سے (یعنی تو دیگر پڑوسیوں کی طرح نہیں بلکہ ان

سے زیادہ قریب ہے اس لئے مجھے آپ کی مناسبتی پر تعجب ہے)

تشریح المفردات:

(جالت) مضروب سے واحد مذکر غائبہ الگ ہونے کے معنی میں ہے، (ہسانہ) بھی اس عمدت کو کہا جاتا ہے جو

اپنے شوہر سے علیحدہ ہو چکی ہو، عفارہ) شاعر کی محبوبہ کا نام ہے، ترکیب میں بہانت" کیلئے فاعل ہے۔

(یاجاروفا) اصل میں "يَا جَارُ تَمَاتِ" (بکسر الفاء وفتح الميم) تھا کسرہ کو فتح سے تبدیل کیا، یا متحرک ہاقل

مفتوح ہونے کی وجہ سے یاہ کو الف سے تبدیل کیا۔

محل استشہاد:

(جارہ) محل استشہاد ہے "ماتت" کے بعد (جو تعجب پر دلالت کرتا ہے) تمییز واقع ہے۔ واضح رہے کہ تعجب

پر دلالت کرنے والی کسی بھی چیز کے بعد تمییز واقع ہوتی ہے اگرچہ تعجب کے دونوں صیغوں (مَا أَفْعَلُهُ، أَلْعَلُّ بِهِ) کے علاوہ

ہو یا ان ہی دو صیغوں میں سے ہو۔

وَأَجْرُ مَنْ إِنْ شِئْتَ غَيْرَ ذِي الْعَدَدِ
وَالْفَاعِلِ الْمَعْنَى كَـ "طَبَّ نَفْسًا تَفَدَّ"

ترجمہ:..... آپ من کے کے ذریعہ جریں (اگر آپ چاہیں) اس تمیز کو جو عدد والا نہ ہو اور جو معنی کے اعتبار سے فاعل نہ ہو جیسے "طَبَّ نَفْسًا تَفَدَّ" (آپ خوش ہوں از روئے نفس آپ فائدہ پائیں گے) "طَبَّ نَفْسًا" میں تسمییز معنی کے اعتبار سے فاعل ہے ای طابَّتْ نَفْسُكَ "ہذا تَفَدَّ" میں جز جائز نہیں)

(ش) يجوز جر التمييز بمن إن لم يكن فاعلا للمعنى، ولا مميّزا للعدد؛ فتقول: "عندي شبر من أرض، ولفيز من بر، ومنوان من غسل وتمر، وغرست الأرض من شجر" ولا تقول: "طاب زيد من نفس" ولا "عندي عشرون من درهم"

ترجمہ و تشریح:

اس سے پہلے معنی کے اعتبار سے فاعل تسمییز کا ذکر ہو چکا اور عدد کی تسمییز کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ ابھی یہ بتا رہے ہیں کہ جو تسمییز معنی کے اعتبار سے فاعل بھی نہ ہو اور عدد کیلئے بھی نہ ہو تو اس صورت میں تسمییز کو مجرور پڑھنا جائز ہے جیسے "عندي شبر من أرض" الخ طاب زيد من نفس، عندی عشرون من درهم" خلاف قاعدہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔

وَعَامِلِ التَّمْيِيزِ قَدَّمَ مُطْلَقًا
وَالْفِعْلِ ذُو التَّضْرِيْفِ نَزَرًا سَبَقًا

ترجمہ:..... تسمییز کے فاعل کو آپ مطلقاً مقدم کریں، اور فعل متصرف (عالم) کو کبھی پہلے کیا جاتا ہے (یعنی فعل متصرف عالم کبھی تیز سے پہلے بھی آتا ہے)

(ش) مذہب سیبویہ - رحمہ اللہ! - اے لایحوز تقدیم التمییز علی عاملہ، سواء کان متصرفاً أو غیر متصرف، فلا تقول: "نفساً طاب زید" ولا "عندی درهما عشرون"
 و اجاز الکسانی، و المازنی، و المبرد، تقدیمہ علی عاملہ المتصرف، فتقول: "نفساً طاب زید، و شیئاً اشعل رأسی"، و منہ قولہ:

۱۹۴- أَنَّهُمْ لِيْلِي بِالْفِرَاقِ حَبِيْبًا
 وَمَا كَانَ نَفْسًا بِالْفِرَاقِ تَطِيْبُ

و قولہ:

۱۹۵- ضَيِّقَتْ عَدْمِي فِي ابْعَادِي الْأَمَلَا
 وَمَا أَرْغَوَيْتُ وَشِيئًا رَأْسِي اشْتِمَلَا

و وافقہم المصنف فی غیر ہذا الكتاب علی ذلك، و جعلہ فی ہذا الكتاب قليلاً.

لیان کان العامل غیر متصرف، فقد منعوا التقديم: سواء كان فعلاً، نحو: "ما أحسن زیداً رجلاً" أو غیرہ، نحو: "عندی عشرون درهماً"

و قد یكون العامل متصرفاً، و یمنع تقدیم التمییز علیہ عند الجمیع، و ذلك نحو: "کفی بزید رجلاً" فلا یحوز تقدیم "رجلاً" علی "کفی" و إن کان فعلاً متصرفاً؛ لأنه بمعنى فعل غیر متصرف، و هو فعل الصجب؛ لمعنی قولک "کفی بزید رجلاً": ما أكفاه رجلاً

ترجمہ و تشریح:

تمییز کو اس کے عامل پر مقدم کرنا:

سیبویہ رحمہ اللہ اور دیگر اکثر حضرات کے ہاں تمییز کو اس کے عامل پر مقدم کرنا صحیح نہیں کہا ہے عامل فعل متصرف ہو یا غیر متصرف (متصرف وغیرہ کی بحث گزر چکی ہے) چنانچہ "نفساً طاب زید" "عندی درهماً عشرون" (بتقدیم الحال) نہیں کہا جائے گا۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۹۲- أَنفُسُ لَيْسِي بِالْفِرَاقِ حَيِّهَا

وَمَا كَانَ نَفْسًا بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ

ترجمہ:..... کیا جدائی کی وجہ سے لیلیٰ اپنے محبوب کو چھوڑنے گی؟ حالانکہ لیلیٰ اس پر از روئے نفس خوش نہیں۔

تشریح المفردات:

(۱) ہمزہ استفہام (انکاری) کیلئے ہے (تہنجر) واحد مؤنث نائب مضارع کا صیغہ ہے لیلیٰ اس کیلئے قائل ہے، بعضی چھوڑنا، قطع تعلق کرنا، (ما) نافیہ ہے (کلن) زائدہ ہے (تطیب) میں (ھی) ضمیر "لیلیٰ" کی طرف راجع ہے بعض روایات میں "لیلیٰ" کی جگہ "سلمی" کا ذکر ہے۔

محل استشہاد:

(نفساً) محل استشہاد ہے تہنجر و تعلق ہے اور تعلق صرف "تطیب" میں پر محمول ہے، کسائی، مازنی، میرد مجیم اللہ کے ہاں یہ جملہ نزل ہے جبکہ سہبویہ اور محمود اس کو ضرورت شعری پر محمول کرتے ہیں۔ لہذا اس پر قیاس صحیح نہیں۔ ابواسحاق الزجاج رحمہ اللہ کے ہاں۔

"وَمَا كَانَ نَفْسِي بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ"

اور ابوالحسن رحمہ اللہ کے نقلی کے مطابق

"أَتُودِنُ سَلْمِي بِالْفِرَاقِ حَيِّهَا

وَلَمْ تَكُ نَفْسِي بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ

آیا ہے اس صورت میں امام کسائی "وغیرہ کیلئے کوئی محل استشہاد نہیں۔

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۹۵۔ ضَيْغَتْ حَلْمِي فِي اِبْعَادِي الْاَمَلَا

وَمَلَاؤُ عَوْنِيَتْ وَشَيْبَا رَأْسِي اشْتَعَلَا

ترجمہ:..... میں نے اپنی حسن تدبیر اور احتیاط ضائع کر دی دو راہیوں کے رکھنے میں،
اور ہاڑ نہیں آیا حالانکہ میرے سر کے بال سفید ہو گئے۔

تشریح المفردات:

(ضَيْغَتْ) باب تفعیل سے واحد متکلم کا صیغہ ہے، بمعنی ضائع کرنا، (ابعادی) میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے، (الاملا) ابعاد کیلئے مفعول ہے (ار عونت) بمعنی رجوع کرنا، باز آنا، (شیبنا) تمیز مقدم ہے، اشتعل فعل حصر ف پر، (اشتعل) بمعنی انتشر۔

محل استشہاد:

(شیبنا) محل استشہاد ہے تمسوز واقع ہے اور مقدم ہے "اشتعل" فعل حصر ف پر، جو امام مسرد، کسائی و مبارزینی رحمہ اللہ (مصنف نے بھی الفیہ کے علاوہ کتابوں میں اس کی تائید کی ہے) کے ہاں جائز ہے جبکہ بیہویہ رحمہ اللہ اور اکثر حضرات کے ہاں یہ صحیح نہیں البتہ اس قسم کے اشعار ضرورت پر محمول ہیں۔

فان كان العامل غير متصرف الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ اگر عامل غیر متصرف ہو تو پھر سب کے ہاں تمیز کی تقدیم اس پر صحیح نہیں چاہے فعل ہو یا اس

کے علاوہ۔

وقد يكون العامل الخ:

کبھی اس طرح بھی ہوا کرتا ہے کہ عامل محض صرف ہوتا ہے مگر بھی سب کے ہاں اس پر تمییز کی تقدیم صحیح نہیں ہوتی (یہ کبھی بکھار ہوتا ہے ورنہ تو فعل محض صرف کی تقدیم میں اختلاف کی تفصیل ابھی گزر گئی) جیسے ”کفنی ہزید رجلاً“ یہاں رجلاً تمییز کو ”کفنی“ پر مقدم نہیں کر سکتے اگرچہ ”کفنی“ فعل متصرف ہے، لیکن چونکہ ”کفنی“ فعل غیر محض صرف (یعنی فعل تعجب) کے معنی میں ہے اس وجہ سے (غیر محض صرف کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کی تقدیم بھی صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ”کفنی ہزید رجلاً“ کے معنی ہیں ”ما اكفاه رجلاً“

الْإِسْتِثْنَاءُ

تمَّ المجلد الثاني من "اوضح التسهيل لشرح ابن عقيل" بفصله تعالى
ومنه وكرمه فالحمد لله اولاً و آخراً وصلى الله على خير خلقه محمد
وآله وصحبه اجمعين، آمين يارب العالمين۔

کتبہ

العبد الضعيف على الرحمن فاروقى

يوم الجمعة مساءً ۲۰/۱۰/۱۴۲۵ھ

قرآن و حدیث سے اجتہاد کی مشروعیت اور حنفی مذہب کے متعلق مفید معلومات پر
مشتمل مختصر اور جامع کتاب بنام

”اجتہاد اور مذہب حنفی کی حقیقت“

www.KitaboSunnat.com

تالیف

علی الرحمن فاروقی

پبلشرز فرمودہ

مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزی شہید رحمہ اللہ

مختلفہ نحو

۱۰

جس میں نحو کے اول تا آخر تمام مباحث مختص پیرائے
میں اور نحو کی مشہور کتاب محو میر کی بہترین شرح ہے
نیز مقدمہ اور خاتمہ میں نحو کی تاریخی اور علمانحو
سبب مختلف لوگوں کا تذکرہ ہے

از افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع شہید رحمہ اللہ

مؤلف

مولانا حبیب اللہ چکزی

فاضل درس نظامی پاکستان

فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

ناشر

مکتبۃ العلوم - دفکان نمبر ۱۰۰ کتب خانہ کراچی

الخیر الکثیر

شرح

نحو میر

جس میں نحو میر کی متن کا اردو میں سلیبس ترجمہ اور ذیل
میں ہر سبق کی تشریح کے عنوان سے مختصر شرح کی گئی ہے

مؤلف

مولانا حبیب اللہ چکزی

مدرس جامعۃ الفرقان کراچی

www.KitaboSunnat.com

ناشر

مکتبۃ العلوم - دوکان نمبر 9 سلام کتب مارکیٹ، بوری ٹاؤن کراچی